باغ و بہار

نئی لائبریری

(۲)

باغ و بہار

(ناول)

اس سلسلے کی پہلی کتاب

۱۔ امراؤ جان ادا

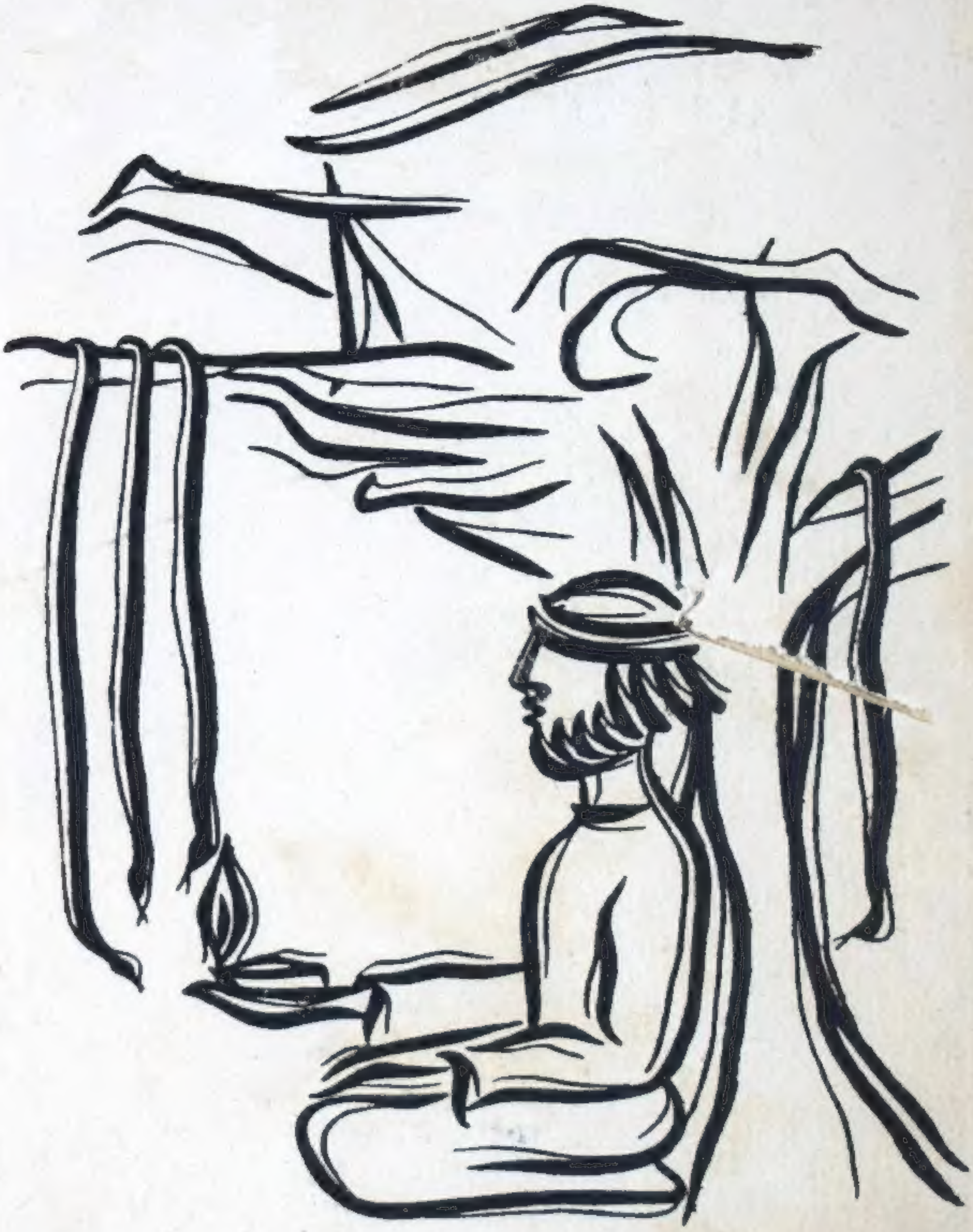

باغ و بہار

۱۲۱۷ھ

یعنی

قصہ چہار درویش

مؤلفہ

میر امّن دہلوی

☆

تصویریں

حنیف رامے

نیا ادارہ ☆ لاہور

موجودہ صورت : بار اول : ۱۹۵۷ء

طابع و ناشر : نذیر احمد چودھری

سویرا آرٹ پریس ، نیا ادارہ ، لاہور

ترتیب

عرضی میر امّن دلّی والے کی ، ۷
پیش لفظ ، ۹
دیباچه مؤلف ، ۱۷
شروع قصے میں ، ۲٤
سیر پہلے درویش کی ، ۳٦
سیر دوسرے درویش کی ، ۸۸
سرگزشت آزاد بخت بادشاہ کی ، ۱۳۸
سیر تیسرے درویش کی ، ۲۲٦
سیر چوتھے درویش کی ، ۲٥۲
قصے کے اختتام میں ، ۲۷٦
خاتمۂ کتاب میں ، ۲۸۷

عرضی میراّمن دلّی والے کی

جو

مدرسے کے مختار کار صاحبوں کے حضور میں دی گئی:

صاحبانِ والاشان نجیبوں کے قدردانوں کو خدا سلامت رکھے - اس بے وطن نے حکم اشتہار کا سن کر چار درویش کے قصے کو هزار جدّ و کد سے آردوئے معلّا کی زبان میں باغ و بہار بنایا - فضلِ الٰہی سے سب صاحبوں کے سیر کرنے کے باعث سرسبز ہؤا - اب امید وار ہوں کہ اس کا پھل مجھے بھی ملے، تو میرا غنچۂ دل مانند گل کے کھلے - بقول حکیم فردوسی کے کہ شاہ نامے میں کہا ہے:

بسے رنج بُردم دریں سالِ سی
عجم زندہ کردم بہ ایں پارسی
سو آردو کی آراستہ کر زباں
کہا میں نے بنگالہ ہندوستاں

خاوند آپ قدردان ہیں، حاجت عرض کرنے کی نہیں - الٰہی تارا اقبال کا چمکتا رہے -

پیش لفظ

' باغ و بہار ' کا یہ ایڈیشن ڈنکن فوربز کے اس ایڈیشن پر مبنی ہے جسے ولیم - ایچ - ایلن اینڈ کمپنی نے پہلی مرتبہ ۱۸۴۶ء عیسوی میں لندن سے چھاپاتھا اور جس کے چوتھے ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۶۰ء میں بہت سی اغلاط طباعت کی اصلاح کی گئی تھی -

ڈنکن فوربز ، ایل - ایل - ڈی ، اردو زبان کے مشہور محسنوں میں سے ہیں اور موصوف کنگز کالج لندن میں السنہ شرقیہ کے پروفیسر تھے - ان کی ہندوستانی انگریزی ڈکشنری کی مدتوں دھوم رہی ہے اور اب بھی کوئی اردو لغات اس سے استفادہ کیے بغیر معتبر نہیں ہو سکتی - ڈاکٹر سر جون گلکرائسٹ اور گارساں دتاسی کے ساتھ ان کا نام بھی ان ممتاز مستشرقین کے ساتھ لیا جاتا ہے جنھوں نے عربی ، فارسی سے گزر کر ایک جدید اور زندہ زبان کو ارتقائی منازل طے کرنے میں مدد دی - ' باغ و بہار' کا جو ایڈیشن انھوں نے تیار کیا وہ فورٹ ولیم کالج کے اصلی ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۰۳ء کی نقل نہیں تھا بلکہ تین قلمی نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد چھاپا گیا تھا - ان میں سے ایک تو ڈاکٹر جون گلکرائسٹ کا مملوکہ نسخہ تھا اور یہ ، ان کے الفاظ میں ، غالباً وہی تھا جو میر امن نے خود ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں منظوری کے لیے پیش کیا - دوسرا نسخہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ملازم ، مسٹر روس ، کی

ملکیت تھا جو میر امن کے شاگرد تھے - فوربز کے الفاظ میں ، یہ نسخہ کچھ تو مصنف کا اپنا لکھا ہؤا تھا اور کچھ ان کی نگرانی میں لکھوایا گیا تھا - تیسرا نسخہ ، جو چوتھے ایڈیشن کے وقت استعمال ہؤا ، رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی تحویل میں تھا -

لفظی صحت کے اعتبار سے ، باغ و بہار کا کوئی ایڈیشن فوربز کے چوتھے ایڈیشن کو نہیں پہنچتا اگرچہ ہندوستان بھر کے مختلف مطابع سے اس کے بیسیوں ایڈیشن چھپے ہوں گے - انھوں نے طالب علموں کی ، بالخصوص انگریز طالب علموں کی ، ضروریات کا اس قدر خیال رکھا کہ تمام و کمال قصے کو اعراب اور رموز و اوقاف سے مزین اور مصفا کیا اور ساری داستان کی جملہ لغات کا حل بھی چھاپا - اس کے مقابلے میں ، ہمارے اپنے چھاپے خانوں کے ایڈیشن دیکھ کر شرم آتی ہے -

تاہم ، ان کے چوتھے ایڈیشن میں ایک کمی رہ گئی - بنگال کے ڈائرکٹر محکمہ تعلیمات عامہ میجر ڈبلو- این - لیز کے کہنے پر انھوں نے ' باغ و بہار ' سے وہ تمام قابل اعتراض عبارتیں نکال دیں جو درساً پڑھائی نہیں جا سکتیں - بعض اوقات ایک ٹکڑا نکالنے کے بعد ، ربط کلام کی خاطر ، انھوں نے ایک آدھ جملہ اپنے قلم سے بھی لکھ دیا مگر دیباچے میں اس کی تصریح کر دی - ایسے موقعوں پر ادب کے پڑھنے والے اس سے باخبر ہوں گے کہ میر امن کے اپنے الفاظ جاننا کس قدر ضروری ہے مگر یہ جس قدر ضروری ہے اسی قدر مشکل بھی ہے - موجودہ صورت میں ، مطبع لتھوگرافک دہلی اخبار کے چھاپے ہوئے ایڈیشن (۱۸۳۸ء) سے ایسے تمام مقامات کا احتیاط کے ساتھ ، مقابلہ کیا گیا ہے

اور میرامن کو حتی الوسع اپنے اصلی و واقعی انداز تحریر کے ساتھ اس نئے ایڈیشن میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ڈنکن فوربز کے لگائے ہوئے اعراب اپنے دیس کے اردو پڑھنے والوں کے لیے لازم نہیں ہیں ماسوا چند ضروری مقامات کے۔ اس لیے انھیں چھوڑ دیا گیا ہے۔ ان کا نظام رموز و اوقاف اگرچہ اپنے زمانے کے اعتبار سے بے حد مجتہدانہ تھا مگر آج کل کے لحاظ سے بہت پرانا معلوم ہوتا ہے۔ اس پر نئے اصولوں کی روشنی میں نظر ثانی کی گئی ہے۔ ممکن ہے ایک آدھ جگہ وقفے یا قیام کا اختلاف رونما ہوتا ہو، ایسے مواقع پہ توقع ہے کہ اختلاف نظر کی خاطر قارئین کرام درگذر سے کام لیں گے اور جہاں کہیں ایسی غلطی پائیں گے جو اختلاف نظر کے ضمن میں نہیں آتی تو عالمانہ شفقت سے کام لے کر ادارہ کو مطلع کر دیں گے تاکہ اگلے ایڈیشن کی جب کبھی نوبت آئے تو اس کی تصحیح کر دی جائے۔

دو ایک تبدیلیاں جو اس ایڈیشن میں کی گئی ہیں، ان کی تصریح بھی ضروری ہے۔ رموز و اوقاف کے انگریزی نظام میں کسی کے اصل الفاظ یا خیالات یا حوالوں کو باقی نثر سے الگ کرنے کی خاطر واوین کا استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے اصول معین ہیں۔ اردو میں یہ سلسلہ یا تو موجود نہیں اور جہاں ہے تو اس کے اصول مختلف ہیں حتیٰ کہ ایک ہی تصنیف میں ایک جگہ واوین کا استعمال کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ، بالکل مشابہ صورت، میں نہیں کیا جاتا۔ انگریزی اصول کے تحت فعل بیانیہ (کہا، عرض کیا) کے بعد کاف بیانیہ (کہ) نہ آئے، تب واوین استعمال ہوتی ہیں اور اگر کاف بیانیہ آجائے تو ساری

عبارت کے افعال، ان کے صیغے، ضمائر حتیٰ کہ ظرفین تک منقلب ہو جاتے ہیں۔ اردو میں کاف بیانیہ بھی لے آتے ہیں اور ظرفین کی عبارت میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کرتے۔ اس لیے دونوں صورتوں میں واوین کا استعمال روا رکھا گیا ہے جو رواج کے مطابق نہیں، مگر ادارہ کی رائے میں ایسے ہی چاہیے۔

بعض الفاظ کے قدیمی املاء کو ترک کر کے موجودہ املا کو اختیار کیا گیا ہے مگر یہ وہ الفاظ ہیں جن کے تلفظ یا معنوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ مثلاً 'سامنھے' کی جگہ 'سامنے'۔ 'ٹھنڈھی' کی جگہ 'ٹھنڈی'۔ 'یے' کی جگہ 'یہ'۔ 'کٹے دانت' کی جگہ 'کے دانت'۔ 'وو' کی جگہ 'وہ'۔ 'ما' کی جگہ 'ماں' اور 'ماباپ' کی جگہ 'ماں باپ'۔ 'سنا' کی جگہ 'سننا'۔ 'چمچا' اور 'یکا' کی جگہ 'چمچہ' اور 'یکہ'۔ 'پانو' کی جگہ 'پاؤں'۔ 'دیدارو' کی جگہ 'دیدہ رو'۔ 'ذرہ' کی جگہ 'ذرا' (ماسوا ان حالتوں کے جب بہ طور اسم برتا گیا ہو)۔ ان میں سے کچھ تبدیلیاں، اور کچھ ان کے علاوہ، انجمن ترقی اردو کے ایڈیشن میں بھی کی گئی تھیں مگر ایک تو ان میں وحدت مفقود تھی پھر انجمن کی منظور کردہ املاء کو عام طور سے اختیار نہیں کیا گیا، اس لیے ایسی صورتوں میں قارئین کی آسانی کی خاطر مروج املاء کو ہی برتا گیا ہے۔ انجمن کی دوسری کتابوں کی طرح 'باغ و بہار' کے ایڈیشن میں بھی 'ذرا' کو 'زرا' اور 'روپے' کو 'رپے' لکھا گیا تھا، 'چنانچہ' اور بشرطیکہ 'چناں چہ' اور 'بشرطے کہ' ہو گئے تھے۔ ان کو بھی اپنی اصلی حالت میں رکھنا پسند کیا گیا ہے۔

متن کے اندر تین مقامات پر ہندی کے کبت استعمال کیے گئے تھے۔ چونکہ فورٹ ولیم کالج میں اردو اور ہندی دونوں زبانوں کی تعلیم دی جاتی تھی اس لیے ان کبتوں کو، فورٹ ولیم کالج کے ایڈیشن میں، دیوناگری رسم الخط میں چھاپا گیا تھا۔ بعد میں ڈنکن فوربز کے سب ایڈیشنوں میں، حتیٰ کہ انجمن ترقی اردو کے ایڈیشن میں بھی ان کو بہ دستور دیوناگری میں چھاپا گیا اور ہوتے ہوتے ان کی اصل صورت مسخ ہو گئی اس لیے کہ اردو کے خطاط دیوناگری رسم الخط سے واقف نہیں ہوتے۔ عام ہندوستانی ایڈیشنوں میں ان کو اردو رسم الخط میں تو لکھا گیا مگر نہایت غلط۔ اب ان کو، احتیاط کے ساتھ، اردو رسم الخط میں لکھا گیا ہے اور ایک جگہ جہاں اختلاف کا موقعہ آیا ہے، اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، جس زمانے میں 'باغ و بہار' لکھی اور چھاپی گئی، الفاظ کے آخر میں یا ی معروف اور یائے مجہول کا امتیاز نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ قریب قریب سبھی ایڈیشنوں میں ایک ہی لفظ کے مختلف املاء ملیں گے۔ موجودہ ایڈیشن میں سعی کی گئی ہے کہ یای معروف کو یائے مجہول سے خلط ملط نہ ہونے دیا جائے۔ ممکن ہے اب بھی کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں اس لیے کہ یہاں صحت کی گنجائش اور جگہوں سے زیادہ تھی۔

ادارہ

باغ و بہار

تالیف کیا ہوا

میر امّن دلّی والے کا

ماخذ اس کا

نو طرزِ مرصّع

کہ وہ ترجمہ کیا ہوا

عطا حسین خاں

کا ہے

فارسی قصہ چہار درویش

سے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحان اللہ ، کیا صانع ہے کہ جس نے ایک مٹھی خاک سے کیا کیا صورتیں اور سٹی کی مورتیں پیدا کیں! باوجود دو رنگ کے ، ایک گورا ایک کالا - اور یہی ناک ، کان ، ھاتھ پاؤں سب کو دئے ھیں - تس پر ، رنگ بہ رنگ کی شکلیں ، جدی جدی بنائیں کہ ایک کی سج دھج سے دوسرے کا ڈیل ڈول ملتا نہیں - کڑوڑوں خلقت میں جس کو چاھیے ، پہچان لیجیے - آسمان اس کے دریائے وحدت کا ایک بلبلا ہے ، اور زمین پانی کا بتاشا - لیکن یہ تماشا ہے کہ سمندر ھزاروں لہریں مارتا ہے ، پر اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا - جس کی یہ قدرت اور سکت ھو اس کی حمد و ثنا میں زبان انسان کی گویا گونگی ہے - کہیے تو کیا کہیے! بہتر یوں ہے کہ جس بات میں دم نہ مار سکے ، چپکا ھو رہے :

عرش سے لے فرش تک جس کا کہ یہ سامان ہے
حمد اس کی گر لکھا چاھوں تو کیا امکان ہے !
جب پیمبر نے کہا ھو " میں نے پہچانا نہیں "
پھر جو کوئی دعویٰ کرے اس کا ، بڑا نادان ہے
رات دن یہ مہر و مہ پھرتے ھیں صنعت دیکھتے
پر ھر اک واحد کی صورت دیدۂ حیران ہے
جس کا ثانی اور مقابل ہے ، نہ ھووے گا کبھو
ایسے یکتا کو خدائی سب طرح شایان ہے

لیکن اتنا جانتا ہوں خالق و رازق ہے وہ
ہر طرح سے مجھ پر اُس کا لطف اور احسان ہے

اور درود اُس کے دوست پر جس کی خاطر زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور درجہ رسالت دیا :

جسم پاک مصطفے ، اللہ کا اک نور ہے
اس لئے پرچھائیں اس قد کی نہ تھی مشہور ہے
حوصلہ میرا کہاں اتنا ، جو نعت اُس کی کہوں !
پر سخن گویوں کا یہ بھی قاعدہ دستور ہے

اور اُس کی آل پر صلواۃ و سلام ، جو ہیں بارہ امام۔

حمد حق اور نعت احمد کو یہاں کر انصرام
اب میں آغاز اس کو کرتا ہوں جو ہے منظور کام
یا الٰہی ، واسطے اپنے نبی کی آل کے
کر یہ میری گفتگو مقبول طبع خاص و عام

منشا اس تالیف کا یہ ہے کہ سن ایک ہزار ، دو سو پندرہ برس ہجری اور اٹھارہ سےؔ ، اور ایک سال عیسوی مطابق ایک ہزار ، دو سو سات سن فصلی کے ، عہد میں اشرف الاشراف مارکوئس ولزلی ، گورنر جنرل ، لارڈ مارننگٹن صاحب کے (جن کی تعریف میں عقل حیران اور فہم سرگردان ہے ۔ جتنے وصف سرداروں کو چاہیے اُن کی ذات میں خدا نے جمع کیے ہیں ۔ غرض ، قسمت کی خوبی، اس ملک کی تھی جو ایسا حاکم تشریف لایا ، جس کے قدم کے فیض سے ایک عالم نے آرام پایا ۔ مجال نہیں کہ کوئی کسو پر زبردستی کر سکے ، شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں ، سارے غریب غربا دعا دیتے ہیں اور جیتے ہیں) چرچا علم کا

پھیلا ۔ صاحبان ذی شان کو شوق ھؤا کہ آردو کی زبان سے واقف ھوکر ھندوستانیوں سے گفت و شنود کریں اور ملکی کام کو بہ آگاھی تمام انجام دیں ۔ اس واسطے کتنی کتابیں اسی سال بموجب فرمایش کے تالیف ھوئیں ۔

جو صاحب دانا اور ھندوستان کی زبان بولنے والے ھیں ، آن کی خدمت میں گزارش کرتا ھوں کہ یہ قصہ چار درویش کا ، ابتدا میں امیرخسرو دھلوی نے اس تقریب سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیا ، زری زربخش ، جو آن کے پیر تھے ، اور درگاہ آن کی دلی میں ، قلعے سے تین کوس ، لال دروازے کے باھر ، مٹیا دروازے سے آگے ، لال بنگلے کے پاس ھے ، آن کی طبیعت ماندی ھوئی ۔ تب مرشد کے دل بہلانے کے واسطے امیرخسرو یہ قصہ ھمیشہ کہتے اور بیمارداری میں حاضر رھتے ۔ اللہ نے چند روز میں شفا دی ۔ تب آنھوں نے غسل صحت کے دن یہ دعا دی کہ جو کوئی اس قصے کو سنے گا ، خدا کے فضل سے تندرست رھے گا ۔ جب سے یہ قصہ فارسی میں مروج ھؤا ۔

اب خداوند نعمت ، صاحب مروت ، نجیبوں کے قدردان ، جان گلکرسٹ صاحب نے (کہ ھمیشہ اقبال آن کا زیادہ رھے ، جب تلک گنگا جمنا بہے) لطف سے فرمایا کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ھندوستانی گفتگو میں ، جو آردو کے لوگ : ھندو مسلمان ، عورت مرد ، لڑکے بالے ، خاص و عام ــ آپس میں بولتے چالتے ھیں ، ترجمہ کرو ۔ موافق حکم حضور کے ، میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ھے ۔

پہلے اپنا احوال یہ عاصی ، گنہ گار ، میرامن دلی والا

بیان کرتا ہے کہ میرے بزرگ ، ہمایوں پادشاہ کے عہد سے ، ہر ایک پادشاہ کی رکاب میں ، پشت بہ پشت ، جاں فشانی بجا لاتے رہے اور وہ بھی پرورش کی نظر سے ، قدر دانی جتنی چاہیے ، فرماتے رہے ۔ جاگیر و منصب اور خدمات کی عنایات سے سرفراز کر کر ، مالا مال اور نہال کر دیا ، اور ' خانہ زاد موروثی ' اور ' منصب دار قدیمی ' زبان مبارک سے فرمایا ، چنانچہ یہ لقب پادشاہی دفتر میں داخل ہؤا ۔ جب ایسے گھر کی (کہ سارے گھر اس گھر کے سبب آباد تھے) یہ نوبت پہنچی کہ ظاہر ہے (عیاں راچہ بیان ؟) تب سورج مل جاٹ نے جاگیر کو ضبط کر لیا ۔ اور احمد شاہ درانی نے گھر بار تاراج کیا ۔ ایسی ایسی تباہی کھا کر ویسے شہر سے (کہ وطن اور جنم بھوم میرا ہے ، اور آنول نال وہیں گڑا ہے) جلا وطن ہؤا ، اور ایسا جہاز (کہ جس کا نا خدا پادشاہ تھا) غارت ہؤا ۔ میں بے کسی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا ۔ ڈوبتے کو تنکے کا آسرا بہت ہے، کتنے برس بلدۂ عظیم آباد میں دم لیا ۔ کچھ بنی کچھ بگڑی ۔ آخر وہاں سے بھی پاؤں اکھڑے ، روزگار نے موافقت نہ کی ۔ عیال و اطفال کو چھوڑ کر تن تنہا کشتی پر سوار ہؤا ۔ اشرف‌البلاد کلکتے میں آب ودانے کے زور سے آپہنچا ۔ چندے بے کاری گزری ۔ اتفاقاً نواب دلاور جنگ نے بلوا کر ، اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی کے واسطے ، مقرر کیا ۔ قریب دو سال کے ، وہاں رہنا ہؤا ، لیکن نباہ اپنا نہ دیکھا ۔ تب منشی میر بہادر علی جی کے وسیلے سے ، حضور تک جان گلکرسٹ صاحب بہادر (دام اقبالہ ') کے ، رسائی ہوئی ۔ بارے ، طالع کی مدد سے ایسے جواں مرد کا دامن

ھاتھ لگا ھے ، چاھیے کہ دن کچھ بھلے آویں ۔ نہیں تو یہ بھی غنیمت ھے کہ ایک ٹکڑا کھا کر ، پاؤں پھیلا کر سو رھتا ھوں اور گھر میں دس آدمی ، چھوٹے بڑے ، پرورش پا کر دعا اس قدر دان کو کرتے ھیں ۔ خدا قبول کرے!

حقیقت اُردو کی زبان کی ، بزرگوں کے منه سے یوں سنی ھے کہ دلی شہر ھندوؤں کے نزدیک چوجگی ھے ، اُنھیں کے راجا پرجا قدیم سے وھاں رھتے تھے اور اپنی بھاکھا بولتے تھے ۔ ھزار برس سے مسلمانوں کا عمل ھؤا ۔ سلطان محمود غزنوی آیا ، پھر غوری اور لودی بادشاہ ھوئے ۔ اس آمد و رفت کے باعث کچھ زبانوں نے ھندو مسلمان کی آمیزش پائی ۔ آخر امیر تیمور نے (جن کے گھرانے میں اب تلک نام نہاد ، سلطنت کا ، چلا جاتا ھے) ھندوستان کو لیا ۔ اُن کے آنے اور رھنے سے لشکر کا بازار شہر میں داخل ھؤا ، اس واسطے شہر کا بازار اُردو کہلایا ۔ پھر ھمایوں بادشاہ پٹھانوں کے ھاتھ سے حیران ھو کر ولایت گئے ، آخر وھاں سے آن کر پسماندوں کو گوشمالی دی ۔ کوئی مفسد باقی نہ رھا کہ فتنہ و فساد برپا کرے ۔

جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم ، قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر ، حضور میں آ کر جمع ھوئے ۔ لیکن ھر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی ۔ اکٹھے ھونے سے آپس میں لین دین ، سودا سلف ، سوال جواب کرتے ، ایک زبان اُردو کی مقرر ھوئی ۔ جب حضرت شاہ جہان

صاحب قران نے قلعۂ مبارک اور جامع مسجد اور شہر پناہ تعمیر کروایا اور تخت طاؤس میں جواہر جڑوایا اور دل بادل سا خیمہ ، چوبوں پر استاد کر ، طنابوں سے کھنچوایا اور نواب علی مردان خان نہر کو لے کر آیا ، تب بادشاہ نے خوش ہو کر جشن فرمایا اور شہر کو اپنا دارالخلافہ بنایا ۔ تب سے شاہجہان آباد مشہور ہؤا (اگرچہ دلی جدی ہے ، وہ پرانا شہر اور یہ نیا شہر کہلاتا ہے) اور وہاں کے بازار کو اردوے معلے خطاب دیا ۔

امیر تیمور کے عہد سے محمد شاہ کی بادشاہت ، بلکہ احمد شاہ اور عالم گیر ثانی کے وقت تلک ، پیڑھی بہ پیڑھی ، سلطنت یکساں چلی آئی ۔ ندان ، زبان اردو کی منجتے منجھتے ایسی منجھی کہ کسو شہر کی بولی اس سے ٹکر نہیں کھاتی ۔ لیکن قدردان منصف چاہیے ، جو تجویز کرے ۔ سو اب خدا نے ، بعد مدت کے ، جان گلکرسٹ صاحب سا دانا ، نکتہ رس پیدا کیا کہ جنھوں نے اپنے گیان اور آگت سے ، اور تلاش و محنت سے ، قاعدوں کی کتابیں تصنیف کیں ۔ اس سبب سے ہندستان کی زبان کا ملکوں میں رواج ہؤا اور نئے سر سے رونق زیادہ ہوئی ۔ نہیں تو اپنی دستار و گفتار و رفتار کو کوئی برا نہیں جانتا ، اگر ایک گنوار سے پوچھیے تو شہر والوں کو نام رکھتا ہے ، اور اپنے تئیں سب سے بہتر سمجھتا ہے ۔ خیر ، عاقلاں خود میدانند ۔

جب احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا اور شہر کو لٹوایا ، شاہ عالم پورب کی طرف تھے ۔ کوئی وارث اور مالک ، ملک کا نہ رہا ، شہر بے سر ہو گیا ۔ سچ ہے ، بادشاہت کے

اقبال سے شہر کی رونق تھی - ایک بارگی تباہی پڑی - رئیس
وہاں کے 'میں کہیں تم کہیں' ہو کر جہاں جس کے سینگ
سمائے وہاں نکل گئے - جس ملک میں پہنچے ، وہاں کے آدمیوں
کے ساتھ سنگت سے بات چیت میں فرق آیا - اور بہت ایسے
ہیں کہ دس پانچ برس کسو سبب سے دلی میں گئے اور
رہے ، وہ بھی کہاں تلک بول سکیں گے ، کہیں نہ کہیں
چوک ہی جائیں گے - اور جو شخص سب آفتیں سہ کر
دلی کا روڑا ہو کر رہا ، اور دس پانچ پشتیں اسی شہر
میں گزریں ، اور اس نے دربار امراؤں کے ، اور میلے ٹھیلے ،
عرس چھڑیاں ، سیر تماشا اور کوچہ گردی اس شہر کی
مدت تلک کی ہو گی ، اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی
زبان کو لحاظ میں رکھا ہو گا ، اس کا بولنا البتہ ٹھیک
ہے - یہ عاجز بھی ہر ایک شہر کی سیر کرتا اور تماشا
دیکھتا یہاں تلک پہنچا ہے -

شروع قصے میں

اب آغاز قصے کا کرتا ہوں ، ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو ۔ سیر میں چار درویش کی یوں لکھا ہے ، اور کہنے والے نے کہا ہے ، کہ آگے ، روم کے ملک میں ، کوئی شہنشاہ تھا کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت ، اُس کی ذات میں تھی ۔ نام اُس کا آزاد بخت اور شہر قسطنطنیہ (جس کو استنبول کہتے ہیں) اُس کا پائے تخت تھا ۔ اُس کے وقت میں رعیت آباد ، خزانہ معمور ، لشکر مرفّہ ، غریب غربا آسودہ ۔ ایسے چین سے گزران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید ، اور رات شب برات تھی ۔ اور جتنے چور چکار ، جیب کترے ، صبح خیزے ، اُٹھائی گیرے ، دغاباز تھے ، سب کو نیست و نابود کر کر ، نام و نشان ان کا اپنے ملک بھر میں نہ رکھا تھا ۔ ساری رات دروازے گھروں کے بند نہ ہوتے اور دکانیں بازار کی کھلی رہتیں ۔ راہی مسافر ، جنگل میدان میں ، سونا اچھالتے چلے جاتے ۔ کوئی نہ پوچھتا کہ تمہارے منہ میں کے دانت ہیں اور کہاں جاتے ہو ؟

اس بادشاہ کے عمل میں ہزاروں شہر تھے اور کئی سلطان نعل‌بندی دیتے ۔ ایسی بڑی سلطنت پر ، ایک ساعت اپنے دل کو ، خدا کی یاد اور بندگی سے غافل نہ کرتا ۔ آرام دنیا کا جو چاہیے ، سب موجود تھا ، لیکن فرزند کہ زندگانی

کا پھل ہے ، اُس کی قسمت کے باغ میں نہ تھا ۔ اس خاطر اکثر فکر مند رہتا ، اور پانچوں وقت کی نماز کے بعد اپنے کریم سے کہتا کہ ”اے اللہ مجھ عاجز کو تو نے اپنی عنایت سے سب کچھ دیا لیکن ایک اس اندھیرے گھر کا دیا نہ دیا ۔ یہی ارمان جی میں باقی ہے کہ میرا نام لیوا اور پانی دیوا کوئی نہیں ۔ اور تیرے خزانۂ غیب میں سب کچھ موجود ہے ، ایک بیٹا جیتا جاگتا مجھے دے تو میرا نام اور اس سلطنت کا نشان قائم رہے ۔“

اسی امید میں بادشاہ کی عمر چالیس برس ہو گئی ۔ ایک دن شیش محل میں نماز ادا کر کر ، وظیفہ پڑھ رہے تھے ۔ ایک بارگی آئینہ کی طرف جو خیال کرتے ہیں تو ایک سفید بال موچھوں میں نظر آیا کہ مانند تار مقیش کے چمک رہا ہے ۔ بادشاہ دیکھ کے آب دیدہ ہوئے اور ٹھنڈی سانس بھری ۔ پھر دل میں اپنے سوچ کیا کہ ” افسوس ! تو نے اتنی عمر ناحق برباد کی اور اس دنیا کی حرص میں ایک عالم کو زیرو زبر کیا ۔ اتنا ملک جو لیا ، اب تیرے کس کام آوے گا ؟ آخر یہ سارا مال اسباب کوئی دوسرا اڑا دے گا ۔ تجھے تو پیغام موت کا آ چکا ، اگر کوئی دن جئے بھی تو بدن کی طاقت کم ہو گی ۔

” اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری تقدیر میں نہیں لکھا کہ وارث ، چھتر اور تخت کا ، پیدا ہو ۔ آخر ایک روز مرنا ہے اور سب کچھ چھوڑ جانا ہے ، اس سے یہی بہتر ہے کہ میں ہی اسے چھوڑ دوں اور باقی زندگی اپنے خالق کی یاد میں کاٹوں ۔“

یہ بات اپنے دل میں ٹھہرا کر، پائیں باغ میں جا کر، سب مجرائیوں کو جواب دے کر، فرمایا کہ "کوئی آج سے میرے پاس نہ آوے۔ سب دیوان عام میں آیا جایا کریں اور اپنے کام میں مستعد رہیں۔" یہ کہہ کر آپ ایک مکان میں جا بیٹھے اور مصلیٰ بچھا کر عبادت میں مشغول ہوئے۔ سوائے رونے اور آہ بھرنے کے کچھ کام نہ تھا۔ اسی طرح بادشاہ آزاد بخت کو کئی دن گزرے۔ شام کو روزہ کھولنے کے وقت ایک چھُہارا کھاتے اور تین گھونٹ پانی پیتے اور تمام دن رات، جائے نماز پر پڑے رہتے۔ اس بات کا باہر چرچا پھیلا۔ رفتہ رفتہ تمام ملک میں خبر گئی کہ بادشاہ نے بادشاہت سے ہاتھ کھینچ کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ چاروں طرف غنیموں اور مفسدوں نے سر اٹھایا اور قدم اپنی حد سے بڑھایا۔ جس نے چاہا، ملک دبا لیا اور سر انجام سرکشی کا کیا۔ جہاں کہیں حاکم تھے، ان کے حکم میں خلل عظیم واقعہ ہؤا۔ ہر ایک صوبے سے عرضی، بد عملی کی، حضور میں پہنچی۔ درباری امراء جتنے تھے، جمع ہوئے اور صلاح مصلحت کرنے لگے۔

آخر یہ تجویز ٹھہری کہ نواب وزیر، عاقل اور دانا ہے، اور بادشاہ کا مقرب اور معتمد ہے، اور درجے میں بھی سب سے بڑا ہے۔ اس کی خدمت میں چلیں۔ دیکھیں، وہ کیا مناسب جان کر کہتا ہے؟ سب عمدہ، امیر وزیر کے پاس آئے اور کہا "بادشاہ کی یہ صورت اور ملک کی وہ حقیقت، اگر چندے اور تغافل ہؤا تو اس محنت کا ملک لیا ہؤا مفت میں جاتا رہے گا، پھر ہاتھ آنا مشکل ہے۔"

وزیر پرانا ، قدیم ، نمک حلال اور عقل مند ، نام بھی خردمند اسم با مسمیٰ تھا ، بولا " اگرچہ بادشاہ نے حضور میں آنے کو منع کیا ہے لیکن تم چلو ، میں بھی چلتا ہوں ۔ خدا کرے بادشاہ کی مرضی آوے ، جو روبرو بلاوے ۔" یہ کہہ کر ، سب کو اپنے ساتھ دیوان عام تلک لایا ۔ ان کو وہاں چھوڑ کر ، آپ دیوان خاص میں آیا اور بادشاہ کی خدمت میں ، محلی کے ہاتھ ، کہلا بھیجا کہ " یہ دیر غلام حاضر ہے ۔ کئی دنوں سے جمال جہاں آرا نہیں دیکھا ، امیدوار ہوں ۔ ایک نظر دیکھ کر قدم بوسی کروں تو خاطر جمع ہو ۔" یہ عرض وزیر کی بادشاہ نے سنی ، از بسکہ قدامت اور خیر خواہی اور تدبیر اور جاں نثاری اس کی جانتے تھے ، اور اکثر اس کی بات مانتے تھے ، بعد تامل کے فرمایا " خردمند کو بلا لو ۔" بارے جب پروانگی ہوئی ، وزیر حضور میں آیا ، آداب بجا لایا اور دست بستہ کھڑا رہا ۔ دیکھا تو بادشاہ کی عجیب صورت بن رہی ہے کہ زار بزار رونے اور دبلاپے سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں اور چہرہ زرد ہو گیا ہے ۔

خردمند کو تاب نہ رہی ، بے اختیار دوڑ کر قدموں پر جا گرا ۔ بادشاہ نے ہاتھ سے اس کا سر اٹھایا اور فرمایا " لو، مجھے دیکھا ، خاطر جمع ہوئی؟ اب جاؤ ، زیادہ مجھے نہ ستاؤ ، تم سلطنت کرو ۔" خردمند سن کر ڈاڑھ مار کر رویا اور عرض کی " غلام کو ، آپ کے تصدق اور سلامتی سے ، ہمیشہ بادشاہت میسر ہے ۔ لیکن جہاں پناہ کی ، یک بیک ، اس طرح کی گوشہ گیری سے ، تمام ملک میں تہلکہ پڑ گیا ہے

اور انجام اس کا اچھا نہیں - یہ خیال مزاج مبارک میں آیا؟
اگر اس خانہ زاد موروثی کو بھی محرم اس راز کا کیجیے
تو بہتر ہے - جو کچھ عقل ناقص میں آوے ، التماس کرے -
غلاموں کو جو یہ سرفرازیاں بخشی ہیں ، اسی دن کے
واسطے کہ بادشاہ عیش و آرام کریں ، اور نمک پروردے
تدبیر میں ملک کی رہیں - خدانخواستہ جب فکر مزاج عالی
کے لاحق ہوئی تو بندہائے پادشاہی کس دن کام آویں گے؟"
بادشاہ نے کہا "سچ کہتا ہے ، پر جو فکر میرے جی کے
اندر ہے ، سو تدبیر سے باہر ہے -"

"سن اے خردمند ، میری ساری عمر اسی ملک گیری
کے درد سر میں کٹی ، اب یہ سن و سال ہؤا ، آگے موت
باقی ہے ، اس کا بھی پیغام آیا کہ سیاہ بال سفید ہو چکے -
وہ مثل ہے ، ساری رات سوئے ، اب صبح کو بھی نہ جاگیں؟
اب تلک ایک بیٹا پیدا نہ ہؤا ، جو میری خاطر جمع ہوتی -
اس لئے دل سخت اداس ہؤا اور میں سب کچھ چھوڑ بیٹھا -
جس کا جی چاہے ، ملک لے یا مال لے ، مجھے کچھ کام
نہیں - بلکہ کوئی دن میں یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ سب
چھوڑ چھاڑ کر ، جنگل اور پہاڑوں میں نکل جاؤں اور منہ
اپنا کسو کو نہ دکھاؤں - اسی طرح یہ چند روز کی زندگی
بسر کروں - اگر کوئی مکان خوش آیا تو وہاں بیٹھ کر
بندگی اپنے معبود کی بجا لاؤں گا - شاید عاقبت بخیر ہو -
اور دنیا کو تو خوب دیکھا ، کچھ مزا نہ پایا -" اتنی
بات بول کر ، اور ایک آہ بھر کر ، بادشاہ چپ ہوئے -

خرد مند ان کے باپ کا وزیر تھا - جب یہ شہزادے

تھے ، تب سے محبت رکھتا تھا ۔ علاوہ ، دانا اور نیک اندیش تھا ۔ کہنے لگا " خدا کی جناب سے نا اُمید ہونا ہرگز مناسب نہیں ۔ جس نے ہیژدہ ہزار عالم کو ایک حکم میں پیدا کیا ، تمہیں اولاد دینی اُس کے نزدیک کیا بڑی بات ہے؟ قبلۂ عالم ، اس تصور باطل کو دل سے دور کرو ، نہیں تو تمام عالم درہم برہم ہو جائے گا ۔ اور یہ سلطنت کس کس محنت اور مشقت سے تمہارے بزرگوں نے اور تم نے پیدا کی ہے ! ایک ذرا میں ہاتھ سے نکل جائے گی اور بے خبری سے ملک ویران ہوجائے گا ۔ خدانخواستہ بد نامی حاصل ہو گی ۔ اس پر بھی باز پرس ، روز قیامت ہؤا چاہے کہ تجھے بادشاہ بنا کر ، اپنے بندوں کو تیرے حوالے کیا تھا ، تو ہماری رحمت سے مایوس ہؤا اور رعیت کو حیران پریشان کیا ۔ اس سوال کا کیا جواب دو گے ؟ پس عبادت بھی اُس روز کام نہ آئے گی ، اس واسطے کہ آدمی کا دل خدا کا گھر ہے اور پادشاہ فقط عدل کے واسطے پوچھے جائیں گے ۔ غلام کی بے ادبی معاف ہو ، گھر سے نکل جانا اور جنگل جنگل پھرنا ، کام جوگیوں اور فقیروں کا ہے ، نہ کہ بادشاہوں کا ۔ تم اپنے جوگا کام کرو ۔ خدا کی یاد اور بندگی ، جنگل پہاڑ پر موقوف نہیں ۔ آپ نے یہ بیت سنی ہو گی :

خدا اس پاس ، یہ ڈھونڈے جنگل میں
ڈھنڈھورا شہر میں ، لڑکا بغل میں

" اگر منصفی فرمائیے ، اور اس فدوی کی عرض قبول کیجیے تو بہتر یوں ہے کہ جہاں پناہ ، ہردم اور ہرساعت

دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر ، دعا مانگا کریں ۔ اُس کی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا ۔ دن کو بندوبست ملک کا اورانصاف ، عدالت غریب غربا کی فرمائیں ، تو بندے خدا کے ، دامن دولت کے سائے میں امن و امان ، خوش گزران رہیں ۔ اور رات کو عبادت کیجیے ، اور درود پیمبر کی روح پاک کو نیاز کر کر ، درویش گوشہ نشین متوکلوں سے مدد لیجیے ، اور روز راتب یتیم ، اسیر ، عیال داروں ، محتاجوں اور رانڈ بیواؤں کو دیجیے ۔ ایسے اچھے کاموں اور نیک نیتوں کی برکت سے ، خدا چاہے تو امید قوی ہے کہ تمہارے دل کے مقصد اور مطلب سب پورے ہوں ۔ اور جس واسطے مزاج عالی مقدر ہو رہا ہے ، وہ آرزو بر آوے ، اور خوشی خاطر شریف کو ہو جاوے ۔ پروردگار کی عنایت پر نظر رکھیے کہ وہ ایک دم میں جو چاہتا ہے سو کرتا ہے ۔" بارے خرد مند وزیر کے ، ایسی ایسی عرض معروض کرنے سے ، آزاد بخت کے دل کو ڈھارس بندھی ۔ فرمایا "اچھا ، تو جو کہتا ہے ، بھلا یہ بھی کر دیکھیں ۔ آگے جو اللہ کی مرضی ہے ، سو ہوگا ۔"

جب بادشاہ کے دل کو تسلی ہوئی ، تب وزیر سے پوچھا کہ " اور سب امیر و دبیر کیا کرتے ہیں اور کس طرح ہیں ؟" اُس نے عرض کی کہ " سب ارکان دولت قبلۂ عالم کے جان و مال کو دعا کرتے ہیں ۔ آپ کی فکر سے سب حیران و پریشان ہو رہے ہیں ۔ جمال مبارک اپنا دکھائیے تو سب کی خاطر جمع ہووے ۔ چنانچہ اس وقت دیوان عام میں حاضر ہیں ۔" یہ سن کر بادشاہ نے حکم

کیا " انشاءاللہ کل دربار کروں گا ، سب کو کہہ دو حاضر رہیں ۔" خردمند یہ وعدہ سن کر خوش ہؤا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا دی کہ " جب تلک یہ زمین و آسمان بر پا ہیں ، تمہارا تاج و تخت قائم رہے ۔" اور حضور سے رخصت ہو کر خوشی خوشی باہر نکلا ، اور یہ خوش خبری امراؤں سے کہی ۔ سب امیر ہنسی خوشی گھر کو گئے ۔ سارے شہر میں آنند ہو گئی ۔ رعیت پرجا مگن ہوئی کہ کل بادشاہ دربار عام کرے گا ۔ صبح کو سب خانہ زاد ، اعلیٰ و ادنیٰ اور ارکان دولت ، چھوٹے بڑے ، اپنے اپنے پائے اور مرتبے پر آ کر کھڑے ہوئے ، اور منتظر جلوۂ بادشاہی کے تھے ۔

جب پہر دن چڑھا ، ایک بارگی پردہ اٹھا اور بادشاہ نے برآمد ہو کر تخت مبارک پر جلوس فرمایا ۔ نوبت خانے میں شادیانے بجنے لگے ۔ سبھوں نے نذریں مبارک بادی کی گزارنیں اور مجرے گاہ میں تسلیمات و کورنشات بجا لائے ۔ موافق قدر و منزلت کے ہر ایک کو سرفرازی ہوئی ۔ سب کے دل کو خوشی اور چین ہؤا ۔ جب دوپہر ہوئی ، برخاست ہو کر اندرون محل ہوئے ۔ خاصہ نوش جان فرما کر خواب گاہ میں آرام کیا ۔ اس دن سے بادشاہ نے یہی مقرر کیا کہ ہمیشہ صبح کو دربار کرنا ، اور تیسرے پہر کتاب کا شغل ، یا ورد وظیفہ پڑھنا ، اور خدا کی درگاہ میں توبہ استغفار کر کر ، اپنے مطلب کی دعا مانگنی ۔

ایک روز کتاب میں یہی لکھا دیکھا ، کہ " اگر کسی شخص کو غم یا فکر ایسی لاحق ہو کہ اس کا علاج

تدبیر سے نہ ہو سکے تو چاہیے کہ تقدیر کے حوالے کرے
اور آپ گورستان کی طرف رجوع کرے۔ درود، طفیل پیغمبر
کی روح کے، ان کو بخشے، اور اپنے تئیں نیست و نابود
سمجھ کر، دل کو اس غفلت دنیوی سے ہشیار رکھے،
اور عبرت سے رووے، اور خدا کی قدرت کو دیکھے کہ مجھ
سے آگے کیسے کیسے صاحب ملک و خزانہ اس زمین پر
پیدا ہوئے، لیکن آسمان نے سب کو اپنی گردش میں لا کر
خاک میں ملا دیا! یہ کہاوت ہے:

چلتی چکی دیکھ کر، دیا کبیرا رو
دو پاٹن کے بیچ آ، ثابت گیا نہ کو

اب جو دیکھیے، سوائے ایک مٹی کے ڈھیر کے اُن کا
کچھ نشان باقی نہیں رہا اور سب دولت دنیا، گھر بار، آل
اولاد، آشنا دوست، نوکر چاکر، ہاتھی گھوڑے، چھوڑ
کر اکیلے پڑے ہیں۔ یہ سب اُن کے کچھ کام نہ آیا،
بلکہ اب کوئی نام بھی نہیں جانتا کہ یہ کون تھے اور قبر
کے اندر کا احوال معلوم نہیں کہ کیڑے مکوڑے، چیونٹے
سانپ ان کو کھا گئے یا اُن پر کیا بیتی اور خدا سے
کیسی بنی۔ یہ باتیں اپنے دل میں سوچ کر ساری دنیا کو
پیکھنے کا کھیل جانے، تب اُس کے دل کا غنچہ ہمیشہ
شگفتہ رہے گا، کسو حالت میں پژمردہ نہ ہوگا۔"

یہ نصیحت جب کتاب میں مطالعہ کی، بادشاہ کو خردمند
وزیر کا کہنا یاد آیا اور دونوں کو مطابق پایا۔ یہ شوق
ہؤا کہ اس پر عمل کروں لیکن سوار ہو کر، اور بھیڑ
بھاڑ لے کر، پادشاہوں کی طرح سے جانا اور پھرنا، مناسب

نہیں ۔ بہتر یہ ہے کہ لباس بدل کر، رات کو، اکیلے مقبروں یا کسی مرد خدا گوشہ نشیں کی خدمت میں جایا کروں، اور شب بیدار رہوں، شاید ان مردوں کے وسیلے سے دنیا کی مراد اور عاقبت کی نجات میسر ہو۔

یہ بات دل میں مقرر کر کر ایک روز رات کو موٹے سوٹے کپڑے پہن کر، کچھ اشرفی روپے لے کر، چپکے قلعے سے باہر نکلے اور میدان کی راہ لی ۔ جاتے جاتے ایک گورستان میں پہنچے، نہایت صدق دل سے درود پڑھ رہے تھے، اور اس وقت باد تند چل رہی تھی، بلکہ آندھی کہا چاہیے ۔ ایک بارگی بادشاہ کو دور سے ایک شعلہ سا نظر آیا کہ مانند صبح کے تارے کے روشن ہے ۔ دل میں اپنے خیال کیا کہ آندھی اور اندھیرے میں یہ روشنی، خالی حکمت سے نہیں ۔ یا یہ طلسم ہے کہ اگر پھٹکڑی اور گندھک کو، چراغ میں، بتی کے آس پاس چھڑک دیجیے، تو کیسی ہی ہوا چلے، چراغ گل نہ ہوگا۔ یا کسو ولی کا چراغ جلتا ہے۔ جو کچھ ہو سو ہو، چل کر دیکھا چاہیے، شاید اس شمع کے نور سے میرے بھی گھر کا چراغ روشن ہو اور دل کی مراد ملے۔ یہ نیت کر کے اس طرف کو چلے ۔ جب نزدیک پہنچے، دیکھا تو چار فقیر بے نوا، کفنیاں گلے میں ڈالے اور سر زانو پر دھرے، عالم بے ہوشی میں خاموش بیٹھے ہیں اور ان کا یہ عالم ہے جیسے کوئی مسافر اپنے ملک اور قوم سے بچھڑ کر، بے کسی اور مفلسی کے رنج و غم میں گرفتار ہو کر حیران رہ جاتا ہے ۔ اسی طرح سے یہ چاروں نقش دیوار ہو رہے ہیں،

اور ایک چراغ پتھر پر دھرا ٹمٹما رہا ہے ۔ ہرگز ہوا اُس کو نہیں لگتی ۔ گویا فانوس اُس کی آسمان بنا ہے کہ بے خطرے جلتا ہے ۔

آزاد بخت کو دیکھتے ہی یقین آیا کہ مقرر ، تیری آرزو ان مردان خدا کے قدم کی برکت سے بر آوے گی ، اور تیری امید کا سوکھا درخت ان کی توجہ سے ہرا ہو کر پھلے گا ۔ ان کی خدمت میں چل کر اپنا احوال کہہ اور مجلس کا شریک ہو ۔ شاید تجھ پر رحم کھا کر دعا کریں جو بے نیاز کے یہاں قبول ہو ۔ یہ ارادہ کر کر ، چاہا کہ قدم آگے دھرے ۔ وہیں عقل نے سمجھایا کہ "اے بے وقوف ، جلدی نہ کر ۔ ذرا دیکھ لے ۔ تجھے کیا معلوم ہے کہ یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں ؟ اور کیدھر جاتے ہیں ؟ کیا جانیں یہ غول بیابانی ہیں کہ آدمی کی صورت بن کر باہم مل بیٹھے ہیں ۔ بہ ہر صورت جلدی کرنا اور ان کے درمیان جا کر مخل ہونا خوب نہیں ۔ ابھی ایک گوشے میں چھپ کر حقیقت ان درویشوں کی جاننا چاہیے ۔" آخر بادشاہ نے یہی کیا کہ ایک کونے میں اُس مکان کے ، چپکا جا بیٹھا کہ کسو کو اُس کے آنے کی آہٹ کی خبر نہ ہوئی ، اپنا دھیان اُن کی طرف لگایا کہ دیکھیے آپس میں کیا بات چیت کرتے ہیں ۔ اتفاقاً ایک فقیر کو چھینک آئی ، شکر خدا کا کیا ۔ وہ تینوں قلندر اُس کی آواز سے چونک پڑے ۔ چراغ کو اُکسایا ، دھیپ تو روشن تھا ، اپنے اپنے بستروں پر حقے بھر کر پینے لگے ۔ ایک اُن آزادوں میں سے بولا " اے یاران ہمدرد و رفیقان جہاں

گرد! ہم چار صورتیں ، آسمان کی گردش سے اور لیل و نہار کے انقلاب سے ، در بہ در خاک بہ سر ، ایک مدت پھریں۔ الحمدللہ کہ طالع کی مدد اور قسمت کی یاوری سے ، آج اس مقام پر باہم ملاقات ہوئی اور کل کا احوال کچھ معلوم نہیں کہ کیا پیش آوے ۔ ایک گمت رہیں یا جدا جدا ہو جاویں ۔ رات بڑی پہاڑ ہوتی ہے ۔ ابھی پڑپڑ رہنا خوب نہیں ۔ اس سے بہتر ہے کہ اپنی اپنی سرگزشت ، جو اس دنیا میں جس پر بیتی ہو (بشرطیکہ جھوٹ اس میں کوڑی بھر نہ ہو) بیان کرے ، تو باتوں میں رات کٹ جائے ۔ جب تھوڑی شب باقی رہے ، تب لوٹ پوٹ رہیں گے ۔" سبھوں نے کہا " یا ھادی ! جو کچھ ارشاد ہوتا ہے ہم نے قبول کیا ، پہلے آپ ہی اپنا احوال جو دیکھا ہے ، شروع کیجیے تو ہم مستفید ہوں ۔"

سیر پہلے درویش کی

پہلا درویش دو زانو ہو بیٹھا اور اپنی سیر کا قصہ اس طرح سے کہنے لگا:

یا معبود اللہ! ذرا ادھر متوجہ ہو، اور ماجرا اس بے سرو پا کا سنو!

یہ سرگزشت میری ذرا کان دھر سنو!
مجھ کو فلک نے کر دیا زیر و زبر، سنو!
جو کچھ کہ پیش آئی ہے شدت مرے تئیں
اُس کا بیان کرتا ہوں، تم سر بہ سر سنو!

اے یاراں! میری پیدائش اور وطن بزرگوں کا، ملک یمن ہے۔ والد اس عاجز کا، ملک التجار خواجہ احمد نام، بڑا سوداگر تھا۔ اس وقت میں کوئی مہاجن یا بیپاری اُن کے برابر نہ تھا۔ اکثر شہروں میں، کوٹھیاں اور گماشتے، خرید و فروخت کے واسطے مقرر تھے، اور لاکھوں روپے نقد، اور جنس ملک ملک کی، گھر میں موجود تھی۔ اُن کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے: ایک تو یہی فقیر، جو کفنی سیلی پہنے ہوئے، مرشدوں کی حضوری میں حاضر اور بولتا ہے۔ دوسرے، ایک بہن جس کو قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی، اور شہر کے سوداگر بچے سے شادی کر دی تھی۔ وہ اپنی سسرال میں رہتی تھی۔ غرض جس کے گھر میں اتنی دولت اور ایک لڑکا ہو، اُس کے لاڈ پیار کا کیا ٹھکانا ہے؟ مجھ فقیر نے بڑے چاؤ چوز

سے ماں باپ کے سائے میں پرورش پائی ۔ اور پڑھنا لکھنا، سپاہ گری کا کسب فن ، سوداگری کا بہی کھاتہ ، روز نامچہ سیکھنے لگا ۔ چودہ برس تک نہایت خوشی اور بے فکری میں گزرے ۔ کچھ دنیا کا اندیشہ دل میں نہ آیا ۔ یک بہ یک ایک ہی سال میں والدین قضائے الٰہی سے مر گئے ۔

عجب طرح کا غم ہؤا ، جس کا بیان نہیں کر سکتا ۔ ایک بارگی یتیم ہو گیا ۔ کوئی سر پر بوڑھا بڑا نہ رہا ۔ اس مصیبت ناگہانی سے رات دن رویا کرتا ۔ کھانا پینا سب چھوٹ گیا ۔ چالیس دن جوں توں کر کٹے ۔ چہلم میں اپنے بیگانے چھوٹے بڑے جمع ہوئے ۔ جب فاتحہ سے فراغت ہوئی ، سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی بندھوائی ، اور سمجھایا ” دنیا میں سب کے ماں باپ مرتے آئے ہیں ، اور اپنے تئیں بھی ایک روز مرنا ہے ۔ پس صبر کرو ، اپنے گھر کو دیکھو ۔ اب باپ کی جگہ تم سردار ہوئے ، اپنے کاروبار ، لین دین سے ہشیار رہو ۔“ تسلی دے کر وے رخصت ہوئے ۔ گماشتے کاروباری ، نوکر چاکر جتنے تھے آن کر حاضر ہوئے ، نذریں دیں اور بولے ”کوٹھی نقد و جنس کی ، اپنی نظر مبارک سے دیکھ لیجیے ۔“ ایک بارگی جو اس دولت بے انتہا پر نگاہ پڑی ، آنکھیں کھل گئیں ۔ دیوان خانے کی تیاری کو حکم کیا ۔ فراشوں نے فرش فروش بچھا کر چھت ، پردے ، چلونیں ، تکلف کی ، لگا دیں اور اچھے اچھے خدمت گار دیدہ‌رو نوکر رکھے ۔ سرکار سے زرق برق کی پوشاکیں بنوا دیں ۔ فقیر مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا ۔ ویسے ہی آدمی ، غنڈے ، بھانکڑے ،

مفت پر کھانے پینے والے ، جھوٹے خوشامدی ، آ کر آشنا
ہوئے اور مصاحب بنے ۔ اُن سے آٹھ پہر صحبت رہنے لگی ۔
ہر کہیں کی باتیں اور زٹلیں ، واہی تباہی ادھر اُدھر کی ،
کرتے اور کہتے " اس جوانی کے عالم میں کیتکی کی شراب
یا گل گلاب کھنچوائیے ، نازنین معشوقوں کو بلوا کر ، اُن
کے ساتھ پیجیے اور عیش کیجیے ۔"

غرض آدمی کا شیطان آدمی ہے ۔ ہر دم کے کہنے
سننے سے اپنا بھی مزاج بہک گیا ۔ شراب ناچ اور جوئے
کا چرچا ہؤا ۔ پھر تو یہ نوبت پہنچی کہ سوداگری بھول
کر تماش بینی کا ، اور دینے لینے کا ، سودا ہؤا ۔ اپنے نوکر
اور رفیقوں نے جب یہ غفلت دیکھی ، جو جس کے ہاتھ پڑا ،
الگ کیا ۔ گویا لوٹ مچادی ۔ کچھ خبر نہ تھی کتنا روپیہ
خرچ ہوتا ہے ، کہاں سے آتا اور کیدھر جاتا ہے ۔ مال
مفت دل بے رحم ۔ اس در خرچی کے آگے ، اگر گنج قارون
کا ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا ۔ کئی برس کے عرصے میں
ایک بارگی یہ حالت ہوئی کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی
رہی ۔ دوست آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور
چمچہ بھر خون اپنا ، ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے ،
کافور ہوگئے ۔ بلکہ راہ باٹ میں اگر کہیں بھینٹ ملاقات ہو
جاتی تو آنکھیں چرا کر منہ پھیر لیتے ، اور نوکر چاکر ،
خدمت گار ، بہلیے ، ڈھلیت ، خاص بردار ، ثابت خانی —
سب چھوڑ کر کنارے لگے ۔ کوئی بات کا پوچھنے والا
نہ رہا جو کہے " یہ کیا تمھارا حال ہؤا ۔" سوائے غم
اور افسوس کے کوئی رفیق نہ ٹھہرا ۔

اب دمڑی کی ٹھڈیاں میسر نہیں جو چبا کر پانی پیوں -
دو تین فاقے کڑاکے کھینچے ، تاب بھوک کی نہ لا سکا -
لاچار، بے حیائی کا برقعہ منہ پر ڈال کر یہ قصد کیا کہ
بہن کے پاس چلیے۔ لیکن یہ شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ
کی وفات کے بعد ، نہ بہن سے کچھ سلوک کیا ۔ نہ خالی
خط لکھا ۔ بلکہ اُس نے خط خطوط ماتم پرسی اور اشتیاق
کے جو لکھے، اُن کا بھی جواب اس خواب خرگوش میں نہ
بھیجا ۔ اس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا ، پر سوائے
اُس گھر کے اور کوئی ٹھکانا نظر میں نہ ٹھہرا ۔ جوں توں ،
پا پیادہ ، خالی ہاتھ ، گرتا پڑتا ، ہزار محنت سے وہ کئی
منزلیں کاٹ کر، ہمشیر کے شہر میں جا کر اُس کے مکان
پر پہنچا ۔ وہ ماں جائی میرا یہ حال دیکھ کر بلائیں لی
اور گلے مل کر بہت روئی ۔ تیل ، ماش اور کالے ٹکے ،
مجھ پر سے صدقے کیے۔ کہنے لگی " اگرچہ ملاقات سے دل
بہت خوش ہؤا ، لیکن بھیا ، تیری یہ کیا صورت بنی ؟"
اس کا جواب میں کچھ نہ دے سکا ۔ آنکھوں میں آنسو
ڈبڈبا کر چپکا ہو رہا ۔ بہن نے جلدی ، خاصی پوشاک
سلوا کر حمام میں بھیجا ۔ نہا دھو کر وہ کپڑے پہنے -
ایک مکان اپنے پاس ، بہت اچھا تکلف کا ، میرے رہنے کو
مقرر کیا ۔ صبح کو شربت اور لوزیات ، حلوا سوہن ،
پستہ، مغزی ناشتے کو، اور تیسرے پہر میوے، خشک و تر،
پھل پھلاری ، اور رات دن دونوں وقت ، پلاؤ ، نان ،
قلیے، کباب ، تحفہ تحفہ ، مزے دار منگوا کر ، اپنے رو برو
کھلا کر جاتی ۔ سب طرح خاطر داری کرتی ۔ میں نے
ویسی تصدیع کے بعد جو یہ آرام پایا ، خدا کی درگاہ میں

ہزار ہزار شکر بجا لایا ۔ کئی مہینے اس فراغت سے گزرے کہ پاؤں اس خلوت سے باہر نہ رکھا ۔

ایک دن، وہ بہن جو بجائے والدہ کے میری خاطر رکھتی تھی ، کہنے لگی " اے بیرن! تو ، میری آنکھوں کی پتلی اور ماں باپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے ۔ تیرے آنے سے میرا کلیجہ ٹھنڈا ہؤا ۔ جب تجھے دیکھتی ہوں ، باغ باغ ہوتی ہوں ۔ تو نے مجھے نہال کیا ، لیکن مردوں کو خدا نے کمانے کے لیے بنایا ہے ۔ گھر میں بیٹھے رہنا اُن کو لازم نہیں ۔ جو مرد نکھٹو ہو کر گھر سیتا ہے ، اُس کو دنیا کے لوگ طعنہ مہنا دیتے ہیں ۔ خصوصاً اس شہر کے آدمی چھوٹے بڑے ، بے سبب تمھارے رہنے پر کہیں گے ، اپنے باپ کی دولت دنیا کھو ، کھا کر بہنوئی کے ٹکڑوں پر آ پڑا ۔ یہ نہایت بے غیرتی اور میری تمھاری ہنسائی اور ماں باپ کے نام کو سبب لاج لگنے کا ہے ۔ نہیں تو میں اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں اور کلیجے میں ڈال رکھوں ۔ اب یہ صلاح ہے کہ سفر کا قصد کرو ۔ خدا چاہے تو دن پھریں اور اس حیرانی و مفلسی کے بدلے خاطر جمعی اور خوشی حاصل ہو ۔" یہ بات سن کر مجھے بھی غیرت آئی ، اُس کی نصیحت پسند کی ۔ جواب دیا " اچھا ، اب تم ماں کی جگہ ہو ، جو کہو سو کروں ۔" یہ میری مرضی پا کر ، گھر میں جا کے ، پچاس توڑے اشرفی کے ، اصیل لونڈیوں کے ہاتھوں میں لوا کر، میرے آگے لا رکھے اور بولی " ایک قافلہ سوداگروں کا دمشق کو جاتا ہے ، تم ان روپوں سے جنس تجارت کی خرید کرو ۔ ایک تاجر

ایمان‌دار کے حوالے کر کے ، دست‌آویز پکی لکھوا لو ، اور آپ بھی قصد دمشق کا کرو ۔ وہاں جب خیریت سے جا پہنچو ، اپنا مال مع منافع سمجھ بوجھ لیجو یا آپ بیچیو ۔“ میں وہ نقد لے کر بازار میں گیا ۔ اسباب سوداگری کا خرید کر کر ، ایک بڑے سوداگر کے سپرد کیا ۔ نوشت و خواند سے خاطر جمع کر لی ۔ وہ تاجر ، دریا کی راہ سے ، جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہؤا ۔ فقیر نے خشکی کی راہ چلنے کی تیاری کی ۔ جب رخصت ہونے لگا ، بہن نے ایک سری پاؤ بھاری اور ایک گھوڑا ، جڑاؤ ساز سے تواضع کیا اور مٹھائی پکوان ، ایک خاصدان میں بھر کر ہرنے سے لٹکا دیا ، اور چھاگل پانی کی شکار بند میں بندھوا دی ۔ امام‌ضامن کا روپیہ میرے بازو پر باندھا ، دہی کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر آنسو پی کر بولی ”سدھارو ! تمہیں خدا کو سونپا ، پیٹھ دکھائے جاتے ہو ، اسی طرح جلد اپنا منھ دکھائیو ۔“ میں نے فاتحہ خیر کی پڑھ کر کہا ” تمہارا بھی اللہ حافظ ہے ، میں نے قبول کیا ۔“ وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہؤا ، خدا کے توکل پر بھروسہ کرکے ، دو منزل کی ایک منزل کرتا ہؤا ، دمشق کے پاس جا پہنچا ۔

غرض جب شہر کے دروازے پر گیا ، بہت رات جا چکی تھی ۔ دربان اور نگہبانوں نے دروازہ بند کیا تھا ۔ میں نے بہت منت کی کہ ” مسافر ہوں ، دور سے دھاوا مارے آتا ہوں ۔ اگر کواڑ کھول دو ، شہر میں جا کر دانے گھاس کا آرام پاؤں ۔“ اندر سے گھرک کر بولے ” اس وقت

دروازہ کھولنے کا حکم نہیں ۔ کیوں اتنی رات گئے تم آئے ؟"
جب میں نے جواب صاف اُن سے سنا ، شہرپناہ کی دیوار کے
تلے، گھوڑے پر سے اُتر، زین پوش بچھا کر بیٹھا ۔ جاگنے کی
خاطر ادھر اُدھر ٹہلنے لگا ۔ جس وقت آدھی رات ادھر اور
آدھی رات اُدھر ہوئی ، سنسان ہو گیا ۔ دیکھتا کیا ہوں
کہ ایک صندوق قلعے کی دیوار پر سے نیچے چلا آتا ہے ۔
یہ دیکھ کر میں اچنبھے میں ہؤا کہ یہ کیا طلسم ہے ؟
شاید خدا نے میری حیرانی و پریشانی پر رحم کھا کر
خزانہ ، غیب سے ، عنایت کیا ۔ جب وہ صندوق زمین پر
ٹھہرا ، ڈرتے ڈرتے میں پاس گیا ۔ دیکھا تو کاٹھ کا صندوق
ہے ۔ لالچ سے اُسے کھولا ۔ ایک معشوق ، خوب صورت ،
کامنی سی عورت (جس کے دیکھنے سے ہوش جاتا رہے)
گھایل ، لہو میں تر بتر ، آنکھیں بند کیے ، پڑی کلبلاتی
ہے آہستہ آہستہ ہونٹھ ہلتے ہیں اور یہ آواز منہ سے نکلتی
ہے ، " اے کم بخت بے وفا ! اے ظالم پر جفا ! بدلا اس
بھلائی اور محبت کا ، یہی تھا جو تو نے کیا؟ بھلا ایک زخم
اور بھی لگا ۔ میں نے اپنا تیرا انصاف خدا کو سونپا ۔" یہ
کہہ کر ، اُسی بے ہوشی کے عالم میں ، دوپٹے کا آنچل منہ
پر لے لیا ۔ میری طرف دھیان نہ کیا ۔

فقیر اُس کو دیکھ کر اور یہ بات سن کر سن ہؤا ۔ جی
میں آیا " کسی بے حیا ظالم نے کیوں ایسے نازنین صنم
کو زخمی کیا ؟ کیا اُس کے دل میں آیا ؟ اور ہاتھ اس پر
کیوں کر چلایا ؟ اُس کے دل میں تو محبت اب تلک باقی
ہے ، جو اس جان کندنی کی حالت میں اُس کو یاد کرتی

ہے ۔" میں آپ ہی آپ یہ کہہ رہا تھا ، آواز اُس کے کان میں گئی ، ایک مرتبہ کپڑا منہ سے سرکا کر مجھ کو دیکھا ۔ جس وقت اُس کی نگاہیں میری نظروں سے لڑیں ، مجھے غش آنے اور جی سنسنانے لگا ۔ بہ زور اپنے تئیں تھانبا ، جرأت کر کے پوچھا " سچ کہو ، تم کون ہو اور یہ کیا ماجرا ہے ؟ اگر بیان کرو تو میرے دل کو تسلی ہو ۔" یہ سن کر ، اگرچہ طاقت بولنے کی نہ تھی آہستے سے کہا " شکر ہے ۔ میری حالت زخموں کے مارے یہ کچھ ہو رہی ہے ، کیا خاک بولوں ؟ کوئی دم کی مہمان ہوں ، جب میری جان نکل جاوے تو خدا کے واسطے ، جواں مردی کر کے ، مجھ بد بخت کو اسی صندوق میں کسی جگہ گاڑ دیجو ، تو میں بھلے برے کی زبان سے نجات پاؤں اور تو داخل ثواب کے ہو ۔" اتنا بول کر چپ ہوئی ۔

رات کو مجھ سے کچھ تدبیر نہ ہو سکی ، وہ صندوق اپنے پاس اُٹھا لایا اور گھڑیاں گننے لگا کہ کب اتنی رات تمام ہو تو فجر کو شہر میں جا کر جو کچھ علاج اس کا ہو سکے بہ مقدور اپنے کروں ۔ وہ تھوڑی سی رات ایسی پہاڑ ہو گئی کہ دل گھبرا گیا ۔ بارے خدا خدا کر ، صبح جب نزدیک ہوئی ، مرغ بولا ۔ آدمیوں کی آواز آنے لگی ۔ میں نے فجر کی نماز پڑھ کر ، صندوق کو خورجی میں کسا ۔ جونہیں دروازہ کھلا ، میں شہر میں داخل ہؤا ۔ ہر ایک آدمی اور دکان دار سے حویلی کرائے کی تلاش کرنے لگا ۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک مکان خوش قطع ، نیا ، فراغت کا ، بھاڑے لے کر جا اُترا ۔ پہلے اُس

معشوق کو صندوق سے نکال کر روئی کے پہلوں پر ، ملائم بچھونا کر کے ، ایک گوشے میں لٹایا ، اور آدمی اعتباری وہاں چھوڑ کر فقیر جراح کی تلاش میں نکلا ۔ ہر ایک سے پوچھتا پھرتا تھا کہ اس شہر میں جراح کاریگر کون ہے اور کہاں رہتا ہے ؟ ایک شخص نے کہا " ایک حجام ، جراحی کے کسب اور حکیمی کے فن میں یکہ ہے ، اور اس کام میں نپٹ پکا ہے ۔ اگر مردے کو اُس کے پاس لے جاؤ ، خدا کے حکم سے ایسی تدبیر کرے کہ ایک بار وہ بھی جی اٹھے ۔ وہ اس محلے میں رہتا ہے اور عیسیٰ نام ہے ۔"

میں یہ مژدہ سن کر بے اختیار چلا ۔ تلاش کرتے کرتے ، پتے سے اُس کے دروازے پر پہنچا ۔ ایک مرد سفید ریش کو دہلیز پر بیٹھا دیکھا ، اورکئی آدمی مرہم کی تیاری کے لیے ، کچھ پیس پاس رہے تھے ۔ فقیر نے ، مارے خوشامد کے ، ادب سے سلام کیا اور کہا " میں تمھارا نام اور خوبیاں سن کر آیا ہوں ۔ ماجرا یہ ہے کہ میں اپنے ملک سے تجارت کے لیے چلا ۔ قبیلے کو ، بہ سبب محبت کے ، ساتھ لیا ۔ جب نزدیک اس شہر کے آیا ، تھوڑی سی دور رہا تھا کہ شام پڑ گئی ۔ اَن دیکھے ملک میں رات کو چلنا مناسب نہ جانا ۔ میدان میں ایک درخت کے تلے اُتر پڑا ۔ پچھلے پہر ڈاکا آیا ، جو کچھ مال اسباب پایا لوٹ لیا ، گہنے کے لالچ سے اس بی بی کو بھی گھایل کیا ۔ مجھ سے کچھ نہ ہو سکا ۔ رات جو باقی تھی ، جوں توں کر کاٹی ۔ فجر ہی شہر میں آن کر ایک مکان کرائے لیا ۔ اُن کو

وہاں رکھ کر میں تمہارے پاس دوڑا آیا ہوں ۔ خدا نے تمہیں یہ کمال دیا ہے ، اس مسافر پر مہربانی کرو ۔ غریب خانے تشریف لے چلو ، اس کو دیکھو ، اگر اس کی زندگی ہوئی تو تمہیں بڑا جس ہوگا ، اور میں ساری عمر غلامی کروں گا "۔ عیسیٰ جراح بہت رحم دل اور خدا پرست تھا ، میری غریبی کی باتوں پر ترس کھا کر ، میرے ساتھ اس حویلی تک آیا ۔ زخموں کو دیکھتے ہی میری تسلی کی ۔ بولا کہ " خدا کے کرم سے ، اس بی بی کے زخم چالیس دن میں بھر آویں گے ۔ غسل شفا کا کروا دوں گا ۔"

غرض اس مرد خدا نے سب زخموں کو ، نیم کے پانی سے ، دھو دھا کر ، صاف کیا ۔ جو لائق ٹانکوں کے پائے ، انہیں سیا ۔ باقی گھاؤں پر ، اپنی کھیسے سے ایک ڈبیا نکال کر ، کتنوں میں بتی رکھی ، اور کتنوں پر بھائے چڑھا کر ، پٹی سے باندھ دیا اور نہایت شفقت سے کہا " میں دونوں وقت آیا کروں گا ، تو خبردار رہیو ایسی حرکت نہ کرے جو ٹانکے ٹوٹ جائیں ۔ مرغ کا شوربا بجائے غذا اس کے حلق میں چوائیو اور اکثر عرق بید مشک گلاب کے ساتھ دیا کیجیو جو قوت رہے ۔" یہ کہہ کر رخصت چاہی ۔ میں نے بہت منت کی اور ہاتھ جوڑ کر کہا ، " تمہاری تشفی دینے سے میری بھی زندگی ہوئی ، نہیں تو سوائے مرنے کے کچھ سوجھتا نہ تھا ۔ خدا تمہیں سلامت رکھے ۔" عطر پان دے کر رخصت کیا ، میں رات دن خدمت میں اس پری کے حاضر رہتا ۔ آرام اپنے اوپر حرام کیا ۔ خدا کی درگاہ سے روز روز اس کے چنگے ہونے کی

دعا مانگتا ۔

اتفاقاً وہ سوداگر بھی آ پہنچا ، اور میرا مال امانت میرے حوالے کیا ۔ میں نے اُسے اونے پونے بیچ ڈالا ، اور دارو درمن میں خرچ کرنے لگا ۔ وہ مرد جراح ہمیشہ آتا جاتا ، تھوڑے عرصے میں سب زخم بھر کر انگور کر لائے ۔ بعد کئی دن کے غسل شفا کا کیا ۔ عجب طرح کی خوشی حاصل ہوئی ۔ خلعت اور اشرفیاں عیسیٰ حجام کے آگے دھریں اور اس پری کو، مکلف فرش بچھا کر، مسند پر بٹھایا ۔ فقیر غریبوں کو بہت سی خیر خیرات کی ۔ اُس دن ، گویا بادشاہت ہفت اقلیم کی ، اس فقیر کے ہاتھ لگی ، اور اُس پری کا شفا پانے سے ایسا رنگ نکھرا کہ مکھڑا سورج کے مانند چمکنے اور کندن کی طرح دمکنے لگا ۔ نظر کی مجال نہ تھی جو اُس کے جمال پر ٹھہرے ۔ فقیر ، بہ سروچشم ، اُس کے حکم میں حاضر رہتا ۔ جو فرماتی سو بجا لاتا ۔ وہ اپنے حسن کے غرور اور سرداری کے دماغ میں ، جو میری طرف کبھو دیکھتی تو فرماتی "خبردار ، اگر تجھے ہماری خاطر منظور ہے تو ہرگز ہماری بات میں دم نہ ماریو ۔ جو ہم کہیں ، سو بلا عذر ، کیے جائیو ۔ اپنا کسی بات میں دخل نہ کریو ، نہیں تو پچھتاوے گا ۔" اس کی وضع سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حق ، میری خدمت گزاری اور فرماں برداری کا ، اُسے البتہ منظور ہے ۔ فقیر بھی ، اس کی بے مرضی ایک کام نہ کرتا ۔ اُس کا فرمانا بہ سروچشم بجا لاتا ۔

ایک مدت اسی راز و نیاز میں کٹی ۔ جو اُس نے فرمایش

کی ، وونہیں میں نے لا کر حاضر کی ۔ اس فقیر پاس ، جو کچھ جنس اور نقد ، اصل و نفع کا تھا ، سب صرف ھؤا ۔ اس بیگانے ملک میں کون اعتبار کرے جو قرض وام سے کام چلے ؟ آخر تکلیف روز مرے کے خرچ کی ہونے لگی ۔ اس سے دل بہت گھبرایا ۔ فکر سے دبلا ہوتا چلا ۔ چہرے کا رنگ کالجھواں ہو گیا ، لیکن کس سے کہوں ؟ جو کچھ دل پر گزری سو گزری ، قہردرویش بر جان درویش ۔ ایک دن اس پری نے اپنے شعور سے دریافت کر کے کہا "اے فلانے ! تیری خدمتوں کا حق ہمارے جی میں نقش کالحجر ھے ، پر اس کا عوض بالفعل ہم سے نہیں ہوسکتا ۔ اگر واسطے خرچ ضروری کے ، کچھ درکار ہو تو اپنے دل میں اندیشہ نہ کر ۔ ایک ٹکڑا کاغذ اور قلم دوات حاضر کر ۔" میں نے تب معلوم کیا ، کسی ملک کی پادشاہ زادی ھے جو اس دل و دماغ سے گفتگو کرتی ھے ۔ فی الفور قلم دان آگے رکھ دیا ۔ اس نازنین نے ایک شقہ دستخط خاص سے لکھ کر میرے حوالے کیا اور کہا "قلعے کے پاس ترپولیا ھے ، وھاں اس کوچے میں ایک حویلی بڑی سی ھے ، اس مکان کے مالک کا نام سیدی بہار ھے ۔ تو جا کر اس رقعے کو اس تلک پہنچا دے ۔"

فقیر، موافق فرمانے اس کے، اسی نام و نشان پر منزل مقصود تک جا پہنچا ۔ دربان کی زبانی ، کیفیت خط کی ، کہلا بھیجی ۔ وونہیں سنتے ھی ایک حبشی جوان ، خوب صورت، ایک پھینٹا طرح دار سجے ہوئے ، باھر نکل آیا ۔ اگرچہ رنگ سانولا تھا پر گویا تمام نمک بھرا ھؤا ۔ میرے ھاتھ

سے خط لے لیا ۔ نہ بولا نہ کچھ پوچھا ۔ اُلٹے قدموں پھر اندر چلا گیا ۔ تھوڑی دیر میں گیارہ کشتیاں ، سر بہ مہر زربفت کی ، تورہ پوش پڑے ہوئے ، غلاموں کے سر پر دھرے ، باہر آیا ۔ کہا " اس جوان کے ساتھ جا کر چوگوشے پہنچا دو ۔" میں بھی سلام کر ، رخصت ہو ، اپنے مکان میں لایا ۔ آدمیوں کو دروازے کے باہر سے رخصت کیا ۔ دو کشتیاں ، امانت، حضور میں اس پری کے، گزرانیاں ۔ دیکھ کر فرمایا " یہ گیارہ بدرے اشرفیوں کے لے اور خرچ میں لا ۔ خدا رزاق ہے ۔" فقیر اس نقد کو لے کر ضروریات میں خرچ کرنے لگا ۔ اگرچہ خاطر جمع ہوئی ، پر دل میں یہ خلش رہی " یا الٰہی! یہ کیا صورت ہے ؟ بغیر پوچھے گچھے ، اتنا مال ، نا آشنا صورت اجنبی نے ، ایک پرزے کاغذ پر ، میرے حوالے کیا ۔" اگر اس پری سے بھید پوچھوں ، تو اس نے پہلے ہی منع کر رکھا تھا ۔ مارے ڈر کے دم نہیں مار سکتا تھا ۔

بعد آٹھ دن کے ، وہ معشوقہ مجھ سے مخاطب ہوئی "حق تعالیٰ نے آدمی کو انسانیت کا جامہ عنایت کیا ہے کہ نہ پھٹے نہ میلا ہو ۔ اگرچہ پرانے کپڑے سے اُس کی آدمیت میں فرق نہیں آتا ، پر ظاہر میں خلق اللہ کی نظروں میں اعتبار نہیں پاتا ۔ دو توڑے اشرفی کے ساتھ لے کر ، چوک کے چوراہے پر یوسف سوداگر کی دکان میں جا اور کچھ رقم جواہر کے بیش قیمت اور دو خلعتیں زرق برق کی مول لے آ ۔" فقیر وونہیں سوار ہو کر اُس کی دوکان پر گیا ۔ دیکھا تو ایک جوان شکیل ، زعفرانی جوڑا پہنے،

گدی پر بیٹھا ہے ، اور اُس کا یہ عالم ہے کہ ایک عالم دیکھنے کے لیے ، دکان سے بازار تک ، کھڑا ہے ۔ فقیر، کمال شوق سے نزدیک جا کر، سلام علیک کر کر، بیٹھا اور جو جو چیز مطلوب تھی ، طلب کی ۔ میری بات چیت اُس شہر کے باشندوں کی سی نہ تھی ۔ اُس جوان نے گرم جوشی سے کہا " جو صاحب کو چاہیے موجود ہے ، لیکن یہ فرمائیے کس ملک سے آنا ہؤا ؟ اور اس اجنبی شہر میں رہنے کا کیا باعث ہے ؟ اگر اس حقیقت سے مطلع کیجے تو مہربانی سے بعید نہیں ۔" میرے تئیں اپنا احوال ظاہر کرنا منظور نہ تھا ۔ کچھ بات بنا کر اور جواہر پوشاک لے کر اور قیمت اُس کی دے کر رخصت چاہی ۔ اُس جوان نے رو کھے پھیکے ہو کر کہا " اے صاحب! اگر تم کو ایسی ہی نا آشنائی کرنی تھی ، تو پہلے دوستی، اتنی گرمی سے ، کرنی کیا ضرور تھی ؟ بھلے آدمیوں میں صاحب سلامت کا پاس بڑا ہوتا ہے ۔" یہ بات اس مزے اور انداز سے کہی ، بے اختیار دل کو بھائی اور بے مروت ہو کر وہاں سے اُٹھنا انسانیت کے مناسب نہ جانا ۔ اُس کی خاطر پھر بیٹھا اور بولا " تمھارا فرمانا سر آنکھوں پر ، میں حاضر ہوں ۔"

اتنے کہنے سے بہت خوش ہؤا ، ہنس کر کہنے لگا " اگر آج کے دن غریب خانے پر کرم کیجیے تو تمھاری بدولت، مجلس خوشی کی جما کر، دو چار گھڑی دل بہلاویں، اور کچھ کھانے پینے کا شغل باہم بیٹھ کر کریں ۔" فقیر نے اُس پری کو، کبھو اکیلا نہ چھوڑا تھا ۔ اُس کی

تنہائی یاد کر کر، چند در چند عذر کیے، پر اُس جوان نے
ہرگز نہ مانا ۔ آخر وعدہ ، اُن چیزوں کو پہنچا کر، میرے
پھر آنے کا لے کر ، اور قسم کھلا کر رخصت دی ۔ میں
دکان سے اُٹھ کر ، جواہر اور خلعتیں اُس پری کی خدمت
میں لایا ۔ اُس نے قیمت جواہر کی اور حقیقت جوہری کی
پوچھی ۔ میں نے سارا احوال ، مول تول کا اور مہمانی کے
بجد ہونے کا ، کہہ سنایا ۔ فرمانے لگی " آدمی کو اپنا قول
قرار پورا کرنا واجب ہے ، ہمیں خدا کی نگہبانی میں چھوڑ
کر اپنے وعدے کو وفا کر ۔ ضیافت قبول کرنی ، سنت
رسول کی ہے ۔" تب میں نے کہا " میرا دل چاہتا نہیں
کہ تمہیں اکیلا چھوڑ کر جاؤں ، اور حکم یوں ہوتا
ہے ، لاچار جاتا ہوں ، جب تلک آؤں گا دل یہیں لگا رہے
گا ۔" یہ کہہ کر ، پھر اُس جوہری کی دکان پر گیا ۔ وہ
مونڈھے پر بیٹھا میرا انتظار کھینچ رہا تھا ۔ دیکھتے ہی
بولا " آؤ مہربان ، بڑی راہ دکھائی ۔"

وہیں اُٹھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور چلا ۔ جاتے جاتے
ایک باغ میں لے گیا ۔ وہ بڑی بہار کا باغ تھا ۔ حوض
اور نہروں میں فوارے چھوٹتے تھے ، میوے طرح بہ طرح
کے پھل رہے تھے ۔ ہر ایک درخت مارے بوجھ کے جھوم
رہا تھا ۔ رنگ برنگ کے جانور اُن پر بیٹھے چہچہے کر
رہے تھے، اور ہر مکان عالی شان میں، فرش ستھرا بچھا تھا۔
وہاں ، لب نہر، ایک بنگلے میں جا کر بیٹھا ۔ ایک دم کے
بعد آپ اُٹھ کر چلا گیا ۔ پھر دوسری پوشاک معقول پہن
کر آیا ۔ میں نے دیکھ کر کہا "سبحان اللہ! چشم بد دور ۔"

سن کر مسکرا دیا اور بولا " مناسب یہ ہے کہ صاحب بھی اپنا لباس بدل ڈالیں ۔" اس کی خاطر میں نے بھی دوسرے کپڑے پہنے ۔ اس جوان نے بڑی ٹیپ ٹاپ سے تیاری ضیافت کی کی ، اور سامان خوشی کا جیسا چاہیے موجود کیا اور فقیر سے صحبت بہت گرم کر ، مزے کی باتیں کرنے لگا ۔ اتنے میں ساقی ، صراحی و پیالہ بلور کا لے کر ، حاضر ہؤا اور گزک ، کئی قسم کی، لا کے رکھی ۔ نمک دان چن دئے ۔ دور شراب کا شروع ہؤا ۔ جب دو جام کی نوبت پہنچی، چار لڑکے ، امرد ، صاحب جمال ، زلفیں کھولے ہوئے مجلس میں آئے ، گانے بجانے لگے ۔ یہ عالم ہؤا اور ایسا سماں بندھا، اگر تان سین اس گھڑی ہوتا تو اپنی تان بھول جاتا اور بیجو باورا سن کر باؤلا ہو جاتا ۔ اس مزے میں ایک بارگی وہ جوان آنسو بھر لایا ۔ دو چار قطرے بے اختیار نکل پڑے اور فقیر سے بولا " اب ہماری تمھاری دوستی ، جانی ہوئی ۔ پس دل کا بھید دوستوں سے چھپانا کسو مذہب میں درست نہیں ۔ ایک بات ، بے تکلف آشنائی کے بھروسے ، کہتا ہوں ۔ اگر حکم کرو تو اپنی معشوقہ کو بلوا کر اس مجلس میں تسلی اپنے دل کی کروں ۔ اس کی جدائی سے جی نہیں لگتا ۔"

یہ بات ایسے اشتیاق سے کہی کہ بغیر دیکھے بھالے ، فقیر کا دل بھی مشتاق ہؤا ۔ میں نے کہا " مجھے تمھاری خوشی درکار ہے ، اس سے کیا بہتر ؟ دیر نہ کیجیے ، سچ ہے، معشوق بن کچھ اچھا نہیں لگتا ۔" اس جوان نے چلون کی طرف اشارت کی ، وونہیں ایک کالی کلوٹی، بھتنی

سی، جس کے دیکھنے سے انسان بے اجل مر جاوے ، جوان
کے پاس آن بیٹھی ۔ فقیر اُس کے دیکھنے سے ڈر گیا ۔
دل میں کہا ” یہی بلا ، محبوبہ ایسے جوان پری زاد کی
ہے جس کی اتنی تعریف اور اشتیاق ظاہر کیا !“ میں
لاحول پڑھ کر چپ ہو رہا ۔ اسی عالم میں تین دن رات ،
مجلس شراب اور راگ رنگ کی، جمی رہی ۔ چوتھی شب کو
غلبہ نشے اور نیند کا ہؤا ۔ میں خواب غفلت میں بے اختیار
سو گیا ۔ جب صبح ہوئی ، اُس جوان نے جگایا ۔ کئی پیالے
خمار شکنی کے پلا کر اپنی معشوقہ سے کہا ” اب زیادہ
تکلیف مہمان کو دینی خوب نہیں ۔“

دونوں ہاتھ پکڑے اُٹھے ، میں نے رخصت مانگی ۔
خوشی بہ خوشی اجازت دی ۔ تب میں نے جلد اپنے قدیمی
کپڑے پہن لیے ۔ اپنے گھر کی راہ لی ، اور اُس پری کی
خدمت میں جا حاضر ہؤا ۔ مگر ایسا اتفاق کبھو نہ ہؤا تھا
کہ اُسے تنہا چھوڑ کر شب باش کہیں ہؤا ہوں ۔ اس
تین دن کی غیر حاضری سے نہایت خجل ہو کر عذر کیا ،
اور قصہ ضیافت کا اور اُس کے نہ رخصت کرنے کا ، سارا
عرض کیا ۔ وہ ایک دانا زمانے کی تھی ، تبسم کر کے
بولی ” کیا مضائقہ ، اگر ایک دوست کی خاطر رہنا ہؤا !
ہم نے معاف کیا ۔ تیری کیا تقصیر ہے ؟ آدمی کسو کے
گھر جاتا ہے، تب اُس کی مرضی سے پھر آتا ہے ۔ لیکن یہ
مفت کی مہمانیاں کھا پی کر چپکے ہو رہو گے یا اس کا
بدلا بھی اُتارو گے ؟ اب یہ لازم ہے کہ جا کر اُس سوداگر
بچے کو اپنے ساتھ لے آؤ ، اور اُس سے دو چند ضیافت کرو ۔

اور اسباب کا کچھ اندیشہ نہیں ، خدا کے کرم سے ایک دم میں سب لوازمہ تیار ہو جاوے گا اور بہ خوبی ، مجلس ضیافت کی، رونق پاوے گی ۔'' فقیر موافق حکم کے، جوہری پاس گیا اور کہا '' تمھارا فرمانا تو میں سر آنکھوں سے بجا لایا ، اب تم بھی مہربانی کی راہ سے میری عرض قبول کرو ۔'' اُس نے کہا '' جان و دل سے حاضر ہوں ۔''

تب میں نے کہا '' اگر اس بندے کے گھر تشریف لے چلو ، عین غریب نوازی ہے ۔'' اُس جوان نے بہت عذر اور حیلے کیے ، پر میں نے پنڈ نہ چھوڑا، جب تلک وہ راضی ہؤا ۔ ساتھ ہی ساتھ اُس کو اپنے مکان پر لے چلا ۔ لیکن راہ میں یہی فکر کرتا تھا کہ اگر آج اپنے تئیں مقدور ہوتا تو ایسی تواضع کرتا کہ یہ بھی خوش ہوتا ۔ اب میں اسے لیے جاتا ہوں ، دیکھیے کیا اتفاق ہوتا ہے ۔ اسی حیص بیص میں گھر کے نزدیک پہنچا ، تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے پر دھوم دھام ہو رہی ہے ۔ گلیارے میں جھاڑو دے کر چھڑکاؤ کیا ہے ۔ یساول اور عصے بردار کھڑے ہیں ۔ میں حیران ہؤا ، لیکن اپنا گھر جان کر قدم اندر رکھا ۔ دیکھا تو تمام حویلی میں فرش مکلف ، لائق ہر مکان کے ، جا بجا بچھا ہے اور مسندیں لگی ہیں ۔ پان دان ، گلاب پوش ، عطر دان ، پیک دان ، چنگیریں، نرگس‌دان قرینے سے دھرے ہیں ۔ طاقوں پر رنگترے ، کنولے، نارنگیاں اور گلابیاں ، رنگ برنگ کی ، چنی ہیں ۔ ایک طرف رنگ آمیز ابرک کی ٹٹیوں میں چراغاں کی بہار ہے ، ایک طرف جھاڑ اور سرو ، کنول کے ، روشن ہیں ،

اور تمام دالان اور شہ نشینوں میں طلائی شمع دانوں پر کافوری شمعیں چڑھی ہیں ، اور جڑاؤ فانوسیں اوپر دھری ہیں ۔ سب آدمی اپنے اپنے عہدوں پر مستعد ہیں ، باورچی خانے میں دیگیں ڈھنٹھنا رہی ہیں ۔ آب دار خانے کی ویسی ہی تیاری ہے ۔ کوری کوری ٹھلیاں ، روپے کی گھڑونچیوں پر ، صافیوں سے بندھیں ، اور بجھروں سے ڈھکی رکھی ہیں ۔ آگے چوکی پر ڈونگے ، کٹورے ، بمع تھالی ، سرپوش دھرے ، برف کے آب خورے لگ رہے ہیں اور شورے کی صراحیاں ہل رہی ہیں ۔

غرض سب اسباب پادشاہانہ موجود ہے ، اور کنچنیاں، بھانڈ ، بھگتیے ، کلاونت ، قوال ، اچھی پوشاک پہنے ، ساز کے سر ملائے ، حاضر ہیں ۔ فقیر نے اس جوان کو لے جا کر مسند پر بٹھایا اور دل میں حیران تھا کہ یا الہی! اتنے عرصے میں یہ سب تیاری کیوں کر ہوئی ؟ ہر طرف دیکھتا پھرتا تھا لیکن اس پری کا نشان کہیں نہ پایا ۔ اسی جستجو میں ایک مرتبہ باورچی خانے کی طرف جا نکلا ، دیکھتا ہوں تو وہ نازنین ایک مکان میں ، گلے میں کرتی ، پانو میں تہہ پوشی ، سر پر سفید رومالی اوڑھے ہوئے ، سادی خوزادی بن گہنے پاتے ، بنی ہوئی :

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی
کہ جیسے خوش نما لگتا ہے دیکھو چاند بن گہنے

خبرگیری میں ضیافت کے لگ رہی ہے اور تاکید ہر ایک کھانے کی کر رہی ہے کہ خبردار بامزہ ہو اور آب و نمک، بو باس درست رہے ۔ اس محنت سے وہ گلاب سا

بدن سارا پسینے پسینے ہو رہا ہے۔

میں پاس جا کر تصدق ہؤا اور اس شعور و لیاقت کو سراہ کر دعائیں دینے لگا۔ یہ خوشامد سن کر تیوری چڑھا کر بولی " آدمی سے ایسے کام ہوتے ہیں کہ فرشتے کی مجال نہیں۔ میں نے ایسا کیا کیا ہے، جو تو اتنا حیران ہو رہا ہے؟ بس بہت باتیں بنانی مجھے خوش نہیں آتیں۔ بھلا کہہ تو، یہ کون آدمیت ہے کہ مہمان اکیلا بٹھلا کر ادھر اُدھر پڑے پھرے؟ وہ اپنے جی میں کیا کہتا ہوگا؟ جلد جا مجلس میں بیٹھ کر مہمان کی خاطر داری کر اور اُس کی معشوقہ کو بھی بلوا کر اُس کے پاس بٹھلا۔" فقیر وونہیں اُس جوان کے پاس گیا اور گرمجوشی کرنے لگا۔ اتنے میں دو غلام، صاحب جمال، صراحی اور جام جڑاؤ ہاتھ میں لیے روبرو آئے، شراب پلانے لگے۔ اس میں، میں نے اُس جوان سے کہا " میں سب طرح مخلص اور خادم ہوں، بہتر یہ ہے کہ وہ صاحب جمال کہ جس کی طرف دل صاحب کا، مائل ہے تشریف لاوے تو بڑی بات ہے، اگر فرماؤ تو آدمی بلانے کی خاطر جاوے۔" یہ سنتے ہی خوش ہو کر بولا " بہت اچھا، اس وقت تم نے میرے دل کی بات کہی۔" میں نے ایک خوجے کو بھیجا، جب آدھی رات گئی وہ چڑیل خاصی، چوڈول پر سوار ہو کر بلائے ناگہانی سی آ پہنچی۔

فقیر نے لاچار، خاطر سے مہمان کی، استقبال کر کر، نہایت تپاک سے، برابر اُس جوان کے لا بٹھایا۔ جوان اُس کو دیکھتے ہی ایسا خوش ہؤا جیسے دنیا کی نعمت

ملی ۔ وہ بھتنی بھی اُس جوان پری زاد کے گلے لپٹ گئی ۔ سچ سچ یہ تماشا ہؤا جیسے چودھویں رات کے چاند کو گہن لگتا ہے ۔ جتنے مجلس میں آدمی تھے ، اپنی اپنی انگلیاں دانتوں میں دابنے لگے کہ کیا کوئی بلا اس جوان پر مسلط ہوئی ؟ سب کی نگاہ اُسی طرف تھی ۔ تماشا مجلس کا بھول کر اُس کا تماشا دیکھنے لگے ۔ ایک شخص کنارے سے بولا ۔ ” یارو ! عشق اور عقل میں ضد ہے ، جو کچھ عقل میں نہ آوے ، یہ کافر عشق کر دکھاوے ۔ لیلیٰ کو مجنوں کی آنکھوں سے دیکھو ۔“ سبھوں نے کہا ”آمنا، یہی بات ہے ۔“

یہ فقیر ، بہ موجب حکم کے ، مہمان داری میں حاضر تھا ۔ ہر چند جوان ، ہم پیالہ ہم نوالہ ہونے کو ، مجوز ہوتا تھا ، پر میں ہرگز اس پری کے خوف کے مارے اپنا دل ، کھانے پینے یا سیر تماشے کی طرف، رجوع نہ کرتا تھا ۔ اور عذر مہمان داری کا کر کے اس کے شامل نہ ہوتا ۔ اسی کیفیت سے تین شبانہ روز گزرے ۔ چوتھی رات وہ جوان، نہایت جوشش سے مجھے بلا کر کہنے لگا ” اب ہم بھی رخصت ہوں گے ، تمھاری خاطر اپنا سب کاروبار چھوڑ چھاڑ کر تین دن تمھاری خدمت میں حاضر ہیں ، تم بھی تو ہمارے پاس ایک دم بیٹھ کر ہمارا دل خوش کرو ۔“ میں نے اپنے جی میں خیال کیا ”اگر اس وقت ، کہا اس کا ، نہیں مانتا تو آزردہ ہوگا ، پس نئے دوست اور مہمان کی خاطر رکھنی ضرور ہے ۔“ تب یہ کہا ” صاحب کا حکم بجا لانا منظور، کہ الامر فوق الادب ۔“ سنتے ہی اس کو ،

جوان نے پیالہ تواضع کیا اور میں نے پی لیا - پھر تو ایسا پیہم دور چلا کہ تھوڑی دیر میں سب آدمی ، مجلس کے ، کیفی ہو کر بے خبر ہو گئے ، اور میں بھی بے ہوش ہو گیا -

جب صبح ہوئی اور آفتاب دو نیزے بلند ہؤا ، تب میری آنکھ کھلی تو دیکھا میں نے ، نہ وہ تیاری ہے ، نہ وہ مجلس، نہ وہ پری ، فقط حویلی خالی پڑی ہے - مگر ایک کونے میں کمّل لپٹا ہؤا دھرا ہے - جو اس کو کھول کر دیکھا تو وہ جوان اور اُس کی رنڈی دونوں سر کٹے پڑے ہیں - یہ حالت دیکھتے ہی حواس جاتے رہے - عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ یہ کیا تھا اور کیا ہؤا ؟ حیرانی سے ہر طرف تک رہا تھا ، اتنے میں ایک خواجہ سرا (جسے ضیافت کے کام کاج میں دیکھا تھا) نظر پڑا - فقیر کو اُس کے دیکھنے سے کچھ تسلی ہوئی ، احوال اس واردات کا پوچھا - اُس نے جواب دیا " تجھے اس بات کی تحقیق کرنے سے کیا حاصل ، جو تو پوچھتا ہے ؟" میں نے بھی اپنے دل میں غور کی کہ سچ تو کہتا ہے - پھر ایک ذرا تامل کر کے میں بولا " خیر ، نہ کہو ، بھلا یہ تو بتاؤ ، وہ معشوقہ کس مکان میں ہے ؟" تب اُس نے کہا " البتہ جو میں جانتا ہوں سو کہہ دوں گا - لیکن تجھ سا آدمی عقل مند ، بے مرضی حضور کے ، دو دن کی دوستی پر بے محابہ بے تکلف ہو کر ، صحبت مے نوشی کی باہم گرم کرے ، یہ کیا معنی رکھتا ہے ؟"

فقیر اپنی حرکت اور اُس کی نصیحت سے بہت نادم ہؤا - سوائے اس بات کے ، زبان سے کچھ نہ نکلا " فی الحقیقت

اب تو تقصیر ہوئی معاف کیجیے۔" بارے، محلی نے مہربان ہو کر اس پری کے مکان کا نشان بتایا اور مجھے رخصت کیا۔ آپ ان دونوں زخمیوں کے گاڑنے دابنے کی فکر میں رہا۔ میں تہمت سے، اس فساد کی الگ ہؤا اور اشتیاق میں، اس پری کے ملنے کے، گھبرایا ہؤا، گرتا پڑتا، ڈھونڈتا، شام کے وقت اس کوچے میں، اسی پتے پر، جا پہنچا اور نزدیک دروازے کے، ایک گوشے میں ساری رات تلپھتے کٹی۔ کسو کی آمد و رفت کی آہٹ نہ ملی، اور کوئی احوال پرساں میرا نہ ہؤا۔ اسی بے کسی کی حالت میں صبح ہوگئی، جب سورج نکلا، اس مکان کے بالاخانے کی ایک کھڑکی سے وہ ماہ رو میری طرف دیکھنے لگی۔ اس وقت، عالم خوشی کا، جو مجھ پر گزرا، دل ہی جانتا ہے۔ شکر خدا کا کیا۔

اتنے میں ایک خوجے نے میرے پاس آ کر کہا "اس مسجد میں تو جا کر بیٹھ، شاید تیرا مطلب اس جگہ بر آوے اور اپنے دل کی مراد پاوے۔" فقیر فرمانے سے اس کے، وہاں سے اٹھ کر اسی مسجد میں جا رہا۔ لیکن آنکھیں دروازے کی طرف لگ رہی تھیں کہ دیکھیے، پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ تمام دن، جیسے روزہ دار شام ہونے کا انتظار کھینچتا ہے، میں نے بھی وہ روز ویسی ہی بے قراری میں کاٹا۔ بارے، جس تس طرح سے، شام ہوئی اور دن پہاڑ سا، چھاتی پر سے ٹلا۔ ایک بارگی وہی خواجہ سرا (جن نے اس پری کے مکان کا پتہ بتا دیا تھا) مسجد میں آیا۔ بعد فراغت نماز مغرب کے، میرے پاس آ کر اس شفیق نے

(کہ سب راز و نیاز کا محرم تھا) نہایت تسلی دے کر ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے ساتھ لے چلا ۔ رفتہ رفتہ ایک باغیچے میں مجھے بٹھا کر کہا " یہاں رہو ، جب تک تمھاری آرزو بر آوے ۔" اور آپ رخصت ہو کر شاید میری حقیقت حضور میں کہنے گیا ۔ میں اس باغ کے پھولوں کی بہار اور چاندنی کا عالم اور حوض نہروں میں فوارے ، ساون بھادوں کے ، اچھلنے کا تماشا دیکھ رہا تھا ، لیکن جب پھولوں کو دیکھتا تب اس گل بدن کا خیال آتا ، جب چاند پر نظر پڑتی تب اس مہ رو کا مکھڑا یاد کرتا ، یہ سب بہار اس کے بغیر میری آنکھوں میں خار تھی ۔

بارے خدا نے اس کے دل کو مہربان کیا ، ایک دم کے بعد وہ پری دروازے سے ، جیسے چودھویں رات کا چاند ، بناؤ کیے ، گلے میں پشواز ، بادلے کی ، سنجاف کی ، موتیوں کا در دامن ٹکا ہؤا اور سر پر اوڑھنی ، جس میں آنچل ، پلو ، لہر ، گوکھرو لگا ہؤا ، سر سے پاؤں تک موتیوں میں جڑی ، روش پر آ کر کھڑی ہوئی ۔ اس کے آنے سے تر و تازگی نئے سر سے ، اس باغ کو اور فقیر کے دل کو ، ہو گئی ۔ ایک دم ادھر ادھر سیر کر کر ، شہ نشین میں مغرق ، مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھی ۔ میں دوڑ کر پروانے کی طرح جیسے شمع کے گرد پھرتا ہے ، تصدق ہؤا اور غلام کے مانند دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہؤا ۔ اس میں وہ خوجہ میری خاطر ، بہ طور سفارش کے عرض کرنے لگا ۔ میں نے اس محلی سے کہا " بندہ گنہ گار تقصیروار ہے ۔ جو کچھ سزا میرے لائق ٹھہرے ، سو ہو ۔" وہ پری ازبسکہ ناخوش

تھی ، بد دماغی سے بولی کہ " اب اس کے حق میں یہی بھلا ہے کہ سو توڑے اشرفی کے لیوے ، اپنا اسباب درست کر کے وطن کو سدھارے ۔"

میں یہ بات سنتے ہی کاٹھ ہو گیا اور سوکھ گیا کہ اگر کوئی میرے بدن کو کاٹے تو ایک بوند لہو کی نہ نکلے ، اور تمام دنیا آنکھوں کے آگے اندھیری لگنے لگی ، اور ایک آہ نامرادی کی ، بے اختیار جگر سے نکلی۔ آنسو بھی ٹپکنے لگے۔ سوائے خدا کے اس وقت کسو کی توقع نہ رہی۔ مایوس محض ہو کر اتنا بولا " بھلا، ٹک اپنے دل میں غور فرمائیے ، اگر مجھ کم نصیب کو دنیا کا لالچ ہوتا تو اپنا جان و مال حضور میں نہ کھوتا ۔ کیا ایک بارگی حق ، خدمت گزاری اور جاں‌نثاری کا ، عالم سے اٹھ گیا ، جو مجھ سے ، کم‌بخت پر اتنی بے مہری فرمائی ؟ خیر اب میرے تئیں بھی زندگی سے کچھ کام نہیں ، معشوقوں کی بے وفائی سے بے چارے عاشق نیم جاں کا نباہ نہیں ہوتا ۔"

یہ سن کر تیکھی ہو، تیوری چڑھا کر، خفگی سے بولی " چہ خوش ! آپ ہمارے عاشق ہیں ! مینڈکی کو بھی زکام ہؤا ! اے بے وقوف ! اپنے حوصلے سے زیادہ باتیں بنانی خیال خام ہے ۔ چھوٹا منہ بڑی بات ۔ بس چپ رہ ، یہ نکمی بات چیت مت کر ۔ اگر کسی اور نے یہ حرکت بے معنی کی ہوتی، پروردگار کی سوں ، اس کی بوٹیاں کٹوا، چیلوں کو بانٹتی ۔ پر کیا کروں ؟ تیری خدمت یاد آتی ہے ۔ اب اسی میں بھلائی ہے کہ اپنی راہ لے۔ تیری قسمت کا دانہ پانی ہماری سرکار میں یہیں تلک تھا ۔" پھر میں نے

روتے بسورتے کہا " اگر میری تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ اپنے دل کے مقصد کو نہ پہنچوں اور جنگل پہاڑ میں سر ٹکراتا پھروں تو لاچار ہوں ۔" اس بات سے بھی دق ہو کہنے لگی " میرے تئیں ، یہ پھساھندے چوچلے اور رمز کی باتیں پسند نہیں آتیں ۔ اس اشارے کی گفتگو کی، جو لائق ہو ، اس سے جا کر کر ۔" پھر اسی خفگی کے عالم میں اٹھ کر اپنے دولت خانے کو چلی ۔ میں نے بہتیرا سر پٹکا ، متوجہ نہ ہوئی ۔ لاچار میں بھی اس مکان سے اداس اور نا امید ہو کر نکلا ۔

غرض چالیس دن تک یہی نوبت رہی ۔ جب شہر کی کوچہ گردی سے اکتاتا ، جنگل میں نکل جاتا ، جب وہاں سے گھبراتا ، پھر شہر کی گلیوں میں دیوانہ سا آتا ۔ نہ دن کو کھاتا نہ رات کو سوتا ، جیسے دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا ۔ زندگی انسان کی کھانے پینے سے ہے، آدمی اناج کا کیڑا ہے ۔ طاقت بدن میں مطلق نہ رہی ، اپاھج ہو کر اسی مسجد کی دیوار تلے جا پڑا کہ ایک روز وہی خواجہ سرا جمعے کی نماز پڑھنے آیا ۔ میرے پاس سے ہو کر چلا ، میں یہ شعر آہستہ ناطاقتی سے پڑھ رہا تھا :

اس درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہو الٰہی شتاب ہو

اگرچہ ظاہر میں ، صورت میری ، بالکل تبدیل ہو گئی تھی ۔ چہرے کی یہ شکل بنی تھی کہ جن نے مجھے پہلے دیکھا تھا ، وہ بھی نہ پہچان سکتا کہ یہ وہی آدمی ہے ۔ لیکن وہ محلی ، آواز درد کی سن کر متوجہ ہوا ۔ میرے

تئیں بہ غور دیکھ کر ، افسوس کیا اور شفقت سے مخاطب ہؤا کہ آخر یہ حالت اپنی پہنچائی ۔ میں نے کہا '' اب تو جو ہؤا سو ہؤا ، مال سے بھی حاضر تھا ، جان بھی تصدق کی ، اُس کی خوشی یوں ھی ہوئی تو کیا کروں ؟''

یہ سن کر ایک خدمت گار میرے پاس چھوڑ کر مسجد میں گیا ۔ نماز اور خطبے سے فراغت کر کر ، جب باھر نکلا ، فقیر کو ایک میانے میں ڈال کر اپنے ساتھ ، خدمت میں اُس پری بے پروا کی لے جا کر ، چق کے باھر بٹھایا ۔ اگرچہ میری روھٹ کچھ باقی نہ رھی تھی ، پر مدت تلک شب و روز اُس پری کے پاس اتفاق رھنے کا ہؤا تھا ، جان بوجھ کر بے گانی ھو کر پوچھنے لگی '' یہ کون ھے؟'' اُس مرد آدمی نے کہا '' یہ وھی کم بخت، بدنصیب ھے جو حضور کی خفگی اور عتاب میں پڑا تھا ۔ اسی سبب سے اس کی یہ صورت بنی ھے ۔ عشق کی آگ سے جلا جاتا ھے ، ھر چند آنسوؤں کے پانی سے بجھاتا ھے پر وہ دونی بھڑکتی ھے ۔ کچھ فائدہ نہیں ھوتا ۔ علاوہ ، اپنی تقصیر کی خجالت سے موا جاتا ھے ۔'' پری نے ٹھٹھولی سے فرمایا '' کیوں جھوٹھ بکتا ھے؟ بہت دن ھوئے اُس کی خبر ، وطن پہنچنے کی ، خبرداروں نے دی ھے ۔ واللہ اعلم ، یہ کون ھے اور تو کس کا ذکر کرتا ھے ؟'' اُس دم خواجہ سرا نے ھاتھ جوڑ کر التماس کیا '' اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں ۔'' فرمایا '' کہہ ، تیری جان تجھے بخشی ۔'' خوجا بولا '' آپ کی ذات قدردان ھے ۔ واسطے خدا کے ، چلون کو درمیان سے اٹھوا کر پہچانیے اور اس کی بے کسی

کی حالت پر رحم کیجیے ۔ نا حق شناسی خوب نہیں ۔ اب اس کے احوال پر جو کچھ ترس کھائیے ، بجا ہے اور جائے ثواب ہے ۔ آگے حد ادب ، جو مزاج مبارک میں آوے سو ہی بہتر ہے ۔"

اتنے کہنے پر مسکرا کر فرمایا " بھلا کوئی ہو ، اسے دارالشفا میں رکھو ۔ جب بھلا چنگا ہوگا تب اس کے احوال کی پرسش کی جائے گی ۔" خوجے نے کہا " اگر اپنے دست خاص سے گلاب اس پر چھڑکیے اور زبان سے کچھ فرمائیے تو اس کو اپنے جینے کا بھروسا بندھے ۔ ناامیدی بری چیز ہے ، دنیا بہ امید قائم ہے ۔" اس پر بھی اس پری نے کچھ نہ کہا ۔ یہ سوال و جواب سن کر ، میں بھی اپنے جی سے اکتا رہا تھا ، ندھڑک بول اٹھا کہ " اب اس طور کی زندگی کو دل نہیں چاہتا ۔ پاؤں تو گور میں لٹکا چکا ہوں ۔ ایک روز مرنا ہے اور علاج میرا پادشاہ زادی کے ہاتھ میں ہے ۔ کریں یا نہ کریں وہ جانیں ۔" بارے ، مقلب القلوب نے اس سنگ دل کے دل کو نرم کیا ۔ مہربان ہو کر فرمایا " جلد پادشاہی حکیموں کو حاضر کرو ۔" وونہیں طبیب آ کر جمع ہوئے ۔ نبض قارورہ دیکھ کر بہت غور کی ۔ آخرش ، تشخیص میں ٹھہرا کہ یہ شخص کہیں عاشق ہؤا ہے ۔ سوائے وصل معشوق کے اس کا کچھ علاج نہیں ۔ جس وقت وہ ملے ، یہ صحت پاوے ۔ جب حکیموں کی بھی زبانی یہی مرض میرا ثابت ہؤا ، حکم کیا " اس جوان کو گرمابے میں لے جاؤ ۔ نہلا کر ، خاصی پوشاک پہنا کر ، حضور میں لے آؤ ۔" وونہیں مجھے باہر لے گئے ۔ حمام کروا ،

اچھے کپڑے پہنا ، خدمت میں پری کی حاضر کیا ۔ تب وہ نازنین تپاک سے بولی " تو نے مجھے بیٹھے بٹھائے ، ناحق بدنام اور رسوا کیا ۔ اب اور کیا کیاچاھتا ھے؟ جو تیرے دل میں ھے ، صاف صاف بیان کر ۔"

یا فقرا ! اُس وقت یہ عالم ھؤا کہ شادی مرگ ھو جاؤں ۔ خوشی کے مارے ایسا پھولا کہ جامے میں نہ سماتا تھا اور صورت شکل بدل گئی۔ شکر خدا کا کیا اور اُس سے کہا " اس دم ساری حکیمی آپ پر ختم ھوئی کہ مجھ سے مردے کو ایک بات میں زندہ کیا ۔ دیکھو تو اُس وقت سے اس وقت تک میرے احوال میں کیا فرق ھو گیا !" یہ کہہ کر تین بار گرد پھرا اور سامنے آ کر کھڑا ھؤا اور کہا " حضور سے یوں حکم ھوتا ھے کہ 'جو تیرے جی میں ھو سو کہہ ۔' بندے کو ھفت اقلیم کی سلطنت سے زیادہ یہ ھے کہ غریب نوازی کر کر ، اس عاجز کو قبول کیجیے اور اپنی قدم بوسی سے سر فرازی دیجیے ۔" ایک لمحہ تو سن کر غوطے میں گئی ۔ پھر کن انکھیوں سے دیکھ کر کہا " بیٹھو ، تم نے خدمت اور وفاداری ایسی ھی کی ھے ۔ جو کچھ کہو سو پھبتی ھے اور اپنے بھی دل پر نقش ھے ۔ خیر، ھم نے قبول کیا ۔"

اسی دن اچھی ساعت ، شبھ لگن میں چپکے چپکے قاضی نے نکاح پڑھ دیا ۔ بعد اتنی محنت اور آفت کے، خدا نے یہ دن دکھایا کہ میں نے اپنے دل کا مدعا پایا ، لیکن جیسی دل میں آرزو اُس پری سے ھم بستر ھونے کی تھی ویسی ھی جی میں بے کلی اُس واردات عجیب کے معلوم کرنے

کی تھی کہ آج تک میں نے کچھ نہ سمجھا کہ یہ پری کون ہے ؟ اور وہ حبشی سانولا سجیلا ، جس نے ایک پرزے کاغذ پر ، اتنی اشرفیوں کے بدرے میرے حوالے کیے ، کون تھا ؟ اور تیاری ضیافت کی پادشاھوں کے لائق ایک پہر میں کیوں کر ہوئی ؟ اور وہ دونوں بے گناہ اُس مجلس میں کس لیے مارے گئے ؟ اور سبب خفگی اور بے مروتی کا (باوجود خدمت گزاری اور ناز برداری کے) مجھ پر کیا ہؤا ؟ اور پھر ایک‌بارگی عاجز کو یوں سر بلند کیا ؟ غرض اسی واسطے ، بعد رسم و رسومیات عقد کے ، آٹھ دن تلک ، باوصف اس اشتیاق کے ، قصد مباشرت کا نہ کیا ۔ رات کو ساتھ سوتا ، دن کو یونہی اُٹھ کھڑا ہوتا ۔

ایک دن غسل کرنے کے لیے میں نے خواص کو کہا کہ ” تھوڑا پانی گرم کر دے تو نہاؤں ۔“ ملکہ مسکرا کر بولی ” کس برتے پر تتا پانی؟“ میں خاموش ہورہا ۔ لیکن وہ پری میری حرکت سے حیران ہوئی ۔ بلکہ چہرے پر آثار خفگی کے نمود ہوئے ۔ یہاں تلک کہ ایک روز وہ بولی ” تم بھی عجب آدمی ہو ، یا اتنے گرم یا ایسے ٹھنڈے ، اس کو کیا کہتے ہیں ؟ اگر تم میں قوت نہ تھی تو کیوں ایسی کچی ہوس پکائی ؟“ اُس وقت میں نے بے دھڑک ہو، کہا ” اے جانی! منصفی شرط ہے ، آدمی کو چاہیے کہ انصاف سے نہ چوکے ۔“ بولی ” اب کیا انصاف رہ گیا ہے؟ جو کچھ ہونا تھا سو ہو چکا ۔“ فقیر نے کہا ” واقعی بڑی آرزو اور مراد میری یہی تھی ، سو مجھے ملی ۔ لیکن دل میرا دبدھے میں ہے اور دو دلے آدمی کی خاطر پریشان

رہتی ہے - اس سے کچھ ہو نہیں سکتا ، انسانیت سے خارج ہوجاتا ہے - میں نے اپنے دل میں یہ قول کیا تھا کہ بعد اس نکاح کے (کہ عین دل کی شادی ہے) بعضی بعضی باتیں (جو خیال میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتیں) حضور میں پوچھوں گا کہ زبان مبارک سے اُس کا بیان سنوں تو جی کو تسکین ہو -" اُس پری نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا " کیا خوب ! ابھی سے بھول گئے ؟ یاد کرو، بارہا ہم نے کہا ہے کہ ہمارے کام میں ہرگز دخل نہ کیجیو، اور کسی بات کے متعرض نہ ہوجیو - خلاف معمول یہ یہ بے ادبی کرنی کیا لازم ہے ؟" فقیر نے ہنس کر کہا " جیسی اور بے ادبیاں معاف کرنے کا حکم ہے ، ایک یہ بھی سہی -" وہ پری نظریں بدل کر، تیہے میں آ کر، آگ کا بگولہ بن گئی اور بولی " اب تو بہت سر چڑھا ! جا اپنا کام کر ، ان باتوں سے تجھے کیا فائدہ ہوگا ؟" میں نے کہا " دنیا میں اپنے بدن کی شرم سب سے زیادہ ہوتی ہے، لیکن ایک دوسرے کا واقف کار ہوتا ہے - پس جب ایسی چیز دل پر روا رکھی ، تو اور کون سا بھید چھپانے کے لائق ہے ؟"

میری اس رمز کو وہ پری ، وقوف سے دریافت کر کر ، کہنے لگی " یہ بات سچ ہے ، پر جی میں یہ سوچ آتا ہے کہ اگر مجھ نگوڑی کا راز فاش ہو تو بڑی قیامت مچے -" میں بولا " یہ کیا مذکور ہے ؟ بندے کی طرف سے یہ خیال دل میں نہ لاؤ ، اور خوشی سے ساری کیفیت جو بیتی ہے ، فرماؤ - ہرگز ہرگز ، میں دل سے زبان تک نہ

لاؤں گا ۔ کسو کے کان پڑنا کیا امکان ہے !" جب اس نے دیکھا کہ اب سوائے کہنے کے، اس عزیز کے ، چھٹکارا نہیں ، لاچار ہو کر بولی " ان باتوں کے کہنے میں بہت سی خرابیاں ہیں ۔ تو خواہ نخواہ درپے ہؤا ۔ خیر تیری خاطر عزیز ہے ، اس لیے اپنی سرگزشت بیان کرتی ہوں ۔ تجھے بھی اس کا پوشیدہ رکھنا ضرور ہے ، خبر شرط ۔"

غرض ، بہت سی تاکید کر کر ، کہنے لگی کہ " میں بدبخت ملک دمشق کے سلطان کی بیٹی ہوں اور وہ سلاطینوں سے بڑا پادشاہ ہے ۔ سوائے میرے کوئی لڑکا بالا اس کے یہاں نہیں ہؤا ۔ جس دن سے میں پیدا ہوئی ،ماں باپ کے سائے میں ناز و نعمت اور خوشی ، خرمی سے پلی ۔ جب ہوش آیا تب اپنے دل کو خوب صورتوں اور نازنینوں کے ساتھ لگایا ۔ چنانچہ ستھری ستھری ، پری زاد ہم جولی، امراء زادیاں مصاحبت میں ، اور اچھی اچھی ، قبول صورت ، ہم عمر خواصیں سہیلیاں ، خدمت میں رہتی تھیں ۔ تماشا ، ناچ اور راگ رنگ کا ، ہمیشہ دیکھا کرتی ۔ دنیا کے بھلے برے سے کچھ سروکار نہ تھا ، اپنی بے فکری کے عالم کو دیکھ کر ، سوائے خدا کے شکر کے ، کچھ منہ سے نہ نکلتا تھا ۔

" اتفاقاً طبیعت خود بخود ایسی بے مزہ ہوئی کہ نہ مصاحبت کسو کی بھاوے نہ مجلس خوشی کی خوش آوے ۔ سودائی سا مزاج ہو گیا ۔ دل اداس اور حیران ۔ نہ کسو کی صورت اچھی لگے ، نہ بات کہنے سننے کو جی چاہے ۔ میری یہ حالت دیکھ کر دائی ، ددا ، چھوچھو، انگا ۔ سب

کی سب متفکر ہوئیں اور قدم پر گرنے لگیں ۔ یہی خواجہ سرا ، نمک حلال ، قدیم سے میرا محرم اور ہم راز ہے ۔ اس سے کوئی بات مخفی نہیں ۔ میری وحشت دیکھ کر بولا کہ ' اگر پادشاہ زادی تھوڑا سا شربت ورق الخیال کا نوش جان فرماویں تو اغلب ہے کہ طبیعت بحال ہو جاوے اور فرحت مزاج میں آوے ۔' اُس کے اس طرح کے کہنے سے مجھے بھی شوق ہؤا ۔ تب میں نے فرمایا ' جلد حاضر کر ۔'

" مخلی باہر گیا اور ایک صراحی، اُسی شربت کی ، تکلف سے بنا کر، برف میں لگا کر ، لڑکے کے ہاتھ لوا کر آیا ۔ میں نے پیا اور جو کچھ اُس کا فائدہ بیان کیا تھا ، ویسا ہی دیکھا ۔ اُسی وقت ، اس خدمت کے انعام میں ، ایک بھاری خلعت خوجے کو عنایت کی اور حکم کیا کہ ایک صراحی ہمیشہ اسی وقت حاضر کیا کر ۔ اُس دن سے یہ مقرر ہؤا کہ خواجہ سرا صراحی اُسی چھوکرے کے ہاتھ لوا لاوے اور بندی پی جاوے ۔ جب اُس کا نشہ طلوع ہوتا ، تو اُس کی لہر میں اس لڑکے سے ٹھٹھا مزاخ کر کر ، دل بہلاتی تھی ۔ وہ بھی جب ڈھیٹ ہؤا ، تب اچھی اچھی میٹھی باتیں کرنے لگا ، اور اچنبھے کی نقلیں لانے ، بلکہ آہ ، اوہی بھی بھرنے اور سسکیاں لینے ۔ صورت تو اُس کی ، طرح دار ، لائق دیکھنے کے تھی ، بے اختیار جی چاہنے لگا ۔ میں دل کے شوق سے اور اٹکھیلیوں کے ذوق سے ، ہر روز انعام بخشش دینے لگی ، پر وہ کم بخت اُنھیں کپڑوں سے ، جیسے ہمیشہ پہن رہا تھا حضور میں آتا بلکہ وہ لباس بھی میلا کچیلا ہو جاتا ۔

" ایک دن پوچھا کہ ' تجھے سرکار سے اتنا کچھ ملا ، پرتو نے اپنی صورت ویسی کی ویسی ہی پریشان بنا رکھی - کیا سبب ہے ؟ وے روپے خرچ کہاں کیے ؟ یا جمع کر رکھے ؟' لڑکے نے خاطرداری کی باتیں جو سنیں ، اور مجھے احوال پرساں پایا ، آنسو ڈبڈبا کر کہنے لگا ' جو کچھ آپ نے اس غلام کو عنایت کیا ، سب اُستاد نے لے لیا - مجھے ایک پیسہ نہیں دیا - کہاں سے دوسرے کپڑے بناؤں جو پہن کر حضور میں آؤں ؟ اس میں میری تقصیر نہیں ، میں لاچار ہوں -' اس غریبی کے کہنے پر اُس کے ، ترس آیا - وونہیں خواجہ‌سرا کو فرمایا کہ ' آج سے اس لڑکے کو اپنی صحبت میں تربیت کر ، اور اچھا لباس تیار کروا کر پہنا ، اور لونڈوں میں بے فائدہ کھیلنے کودنے نہ دے - بلکہ اپنی خوشی یہ ہے کہ آداب ، لائق حضور کی خدمت کے ، سیکھے اور حاضر رہے -' خواجہ‌سرا ، موافق فرمانے کے ، بجا لایا اور میری مرضی جو اُدھر دیکھی ، نہایت اُس کی خبر گیری کرنے لگا - تھوڑے دنوں میں فراغت اور خوش‌خوری کے سبب سے اُس کا رنگ و روغن کچھ کا کچھ ہوگیا اور کینچلی سی ڈال دی - میں اپنے دل کو ہر چند سنبھالتی پر اُس کفر کی صورت جی میں ایسی کھب گئی تھی ، یہی جی چاہتا کہ مارے پیار کے اُسے کلیجے میں ڈال رکھوں اور اپنی آنکھوں سے ایک پل جدا نہ کروں -

" آخر اُس کو مصاحبت میں داخل کیا - خلعتیں طرح به طرح کی ، اور جواہر رنگ به رنگ کے ، پہنا کر دیکھا کرتی - بارے اُس کے نزدیک رہنے سے آنکھوں کو سکھ ،

کلیجے کو ٹھنڈک ہوئی ۔ ہردم اُس کی خاطرداری کرتی ، آخر کو میری یہ حالت پہنچی کہ اگر ایک دم ، کچھ ضروری کام کو ، میرے سامنے سے جاتا تو چین نہ آتا ۔ بعد کئی برس کے وہ بالغ ہؤا ۔ مسیں بھیگنے لگیں ، چھب تختی درست ہوئی ۔ تب اُس کا چرچا باھر درباریوں میں ہونے لگا ۔ دربان اور رَوتنے ، میوڑے ، باری‌دار ، اور یساول ، چوب‌دار اُس کو محل کے اندر آنے جانے سے منع کرنے لگے ۔ آخر اُس کا آنا موقوف ہؤا ۔ مجھے تو اُس بغیر کل نہ پڑتی تھی ، ایک دم پہاڑ تھا ۔ جب یہ احوال نا اُمیدی کا سنا ، ایسی بدحواس ہو گئی گویا مجھ پر قیامت ٹوٹی ۔ اور یہ حالت ہوئی کہ نہ کچھ کہہ سکتی ہوں ، نہ اُس بن رہ سکتی ہوں ۔ کچھ بس نہیں چل سکتا ، الٰہی کیا کروں ! عجب طرح کا قلق ہؤا ، مارے بے قراری کے اُسی محلی کو (جو میرا بھیدو تھا) بلا کر کہا کہ ’ مجھے غور اور پرداخت ، اُس لڑکے کی منظور ہے ، بالفعل صلاح وقت یہ ہے کہ ھزار اشرفی پونجی دے کر ، چوک کے چوراھے میں دکان جوھری کی کروا دو ، تو تجارت کر کے اُس کے نفع سے اپنی گزران فراغت سے کیا کرے ، اور میرے محل کے قریب ایک حویلی اچھے نقشے کی رھنے کے لیے بنوا دو ۔ لونڈی غلام ، نوکر چاکر ، جو ضرور ہوں ، مول لے کر ، اور درماھا مقرر کر کر ، اُس کے پاس رکھوا دو کہ کسو طرح بے آرام نہ ہو ۔‘ خواجہ‌سرا نے بود و باش کی ، اور جوھری بننے ، اور تجارت کی ، سب کی تیاری کر دی ۔ تھوڑے عرصے میں اُس کی دکان ایسی چمکی ر نمود ہوئی کہ جو خلعتیں فاخرہ اور جواھر بیش قیمت

سرکار میں پادشاہ کی ، اور امیروں کی درکار و مطلوب ہوتے ، اسی کے یہاں بہم پہنچتے ۔ آہستہ آہستہ یہ دکان جمی کہ جو تحفہ ہرایک ملک کا چاہیے ، وہیں ملے ۔ سب جوہریوں کا روزگار اس کے آگے مندا ہو گیا ۔ غرض اس شہر میں کوئی برابری اس کی نہ کر سکتا ۔ بلکہ کسی ملک میں ویسا کوئی نہ تھا ۔

" اسی کاروبار میں اس نے تو لاکھوں روپے کمائے ، پر جدائی اس کی روز بہ روز ، نقصان میرے تن بدن کا ، کرنے لگی ۔ کوئی تدبیر نہ بن آئی کہ اس کو دیکھ کر اپنے دل کو تسلی کروں ۔ ندان ، صلاح کی خاطر واقف کار محلی کو بلایا اور کہا کہ ' کوئی صورت بن نہیں آتی کہ ذرا اس کی صورت میں دیکھوں اور اپنے دل کو صبر دوں ۔ مگر یہ طرح ہے کہ ایک سرنگ اس کی حویلی سے کھدوا کر محل میں ملوا دو ۔ ' حکم کرتے ہی تھوڑے دنوں میں ایسی نقب تیار ہوئی کہ جب سانجھ ہوتی چپکے ہی وہ خواجہ سرا اس جوان کو اسی راہ سے لے آتا ۔ تمام شب شراب و کباب و عیش و عشرت میں کٹتی ، میں اس کے ملنے سے آرام پاتی ، وہ میرے دیکھنے سے خوش ہوتا ۔ جب فجر کا تارا نکلتا اور مؤذن اذان دیتا ، محلی اسی راہ سے اس جوان کو اس کے گھر پہنچا دیتا ۔ ان باتوں سے سوائے اس خوجے کے اور دو دائیوں کے (جنھوں نے مجھے دودھ پلایا اور پالا تھا) چوتھا آدمی کوئی واقف نہ تھا ۔

" مدت تلک اس طرح سے گزری ۔ ایک روز یہ اتفاق ہؤا کہ موافق معمول کے ، خواجہ سرا جو اس کو بلانے گیا ،

دیکھے تو وہ جوان فکر مند سا چپکا بیٹھا ہے۔ محلی نے پوچھا ’ آج خیر ہے کیوں ایسے دل گیر ہو رہے ہو ؟ چلو حضور میں یاد فرمایا ہے۔‘ اس نے ہرگز کچھ جواب نہ دیا ، زبان نہ ہلائی۔ خواجہ‌سرا اپنا سا منہ لے کر اکیلا پھر آیا اور احوال اس کا عرض کیا۔ میرے تئیں ، شیطان جو خراب کرے ، اس پر بھی محبت اس کی دل سے نہ بھولی ، اگر یہ جانتی کہ عشق اور چاہ ، ایسے نمک حرام بے وفا کی ، آخر کو بد نام اور رسوا کرے گی اور ننگ و ناموس سب ٹھکانے لگے گا تو اسی دم اس کام سے باز آتی اور توبہ کرتی۔ پھر اس کا نام نہ لیتی نہ اپنا دل بے حیا کو دیتی۔ پر ہونا تو یوں تھا۔ اس لیے حرکت بے جا اس کی خاطر میں نہ لائی۔ اور اس کے نہ آنے کو معشوقوں کا چوچلا اور ناز سمجھا۔ اس کا نتیجہ یہ دیکھا کہ اس سرگزشت سے، بغیر دیکھے بھالے، تو بھی واقف ہؤا ، نہیں تو میں کہاں اور تو کہاں ؟ خیر جو ہؤا سو ہؤا۔ اس خردماغی پر اس گدھے کی ، خیال نہ کر۔ دوبارہ خوجے کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ ’ اگر تو اس وقت نہیں آوے گا تو میں کسو نہ کسو ڈھب سے وہیں آتی ہوں ، لیکن میرے آنے میں بڑی قباحت ہے۔ اگر یہ راز فاش ہؤا تو تیرے حق میں بہت برا ہے۔ تب ایسا کام نہ کر جس میں سوائے رسوائی کے اور کچھ پھل نہ ملے۔ بہتر یہی ہے کہ جلد چلا آ نہیں تو مجھے پہنچا جان۔‘ جب یہ سندیسا گیا اور اشتیاق میرا نپٹ دیکھا ، بھونڈی سی صورت بنائے ہوئے ناز نخرے سے آیا۔

”جب میرے پاس بیٹھا تب میں نے اس سے پوچھا کہ

' آج رکاوٹ اور خفگی کا کیا باعث ہے ؟ اتنی شوخی اور گستاخی تو نے کبھو نہ کی تھی ، ہمیشہ بلا عذر حاضر ہوتا تھا ۔' تب اس نے کہا کہ ' میں گم نام غریب ، حضور کی توجہ سے اور دامن دولت کے باعث ، اس مقدور کو پہنچا ۔ بہت آرام سے زندگی کٹتی ہے ، آپ کی جان و مال کو دعا کرتا ہوں ۔ یہ تقصیر ، پادشاہزادی کے معاف کرنے کے بھروسے ، اس گنہ گار سے سر زد ہوئی ، امیدوار عفو کا ہوں ۔" میں تو جان و دل سے اسے چاہتی تھی ۔ اس کی بناوٹ کی باتوں کو مان لیا اور شرارت پر نظر نہ کی ، بلکہ پھر دلداری سے پوچھا کہ ' کیا تجھ کو ایسی مشکل کٹھن پیش آئی ، جو ایسا متفکر ہو رہا ہے ؟ اس کو عرض کر، اس کی بھی تدبیر ہو جائے گی ۔'

"غرض اس نے اپنی خاکساری کی راہ سے یہی کہا کہ ' مجھ کو سب مشکل ہے ، آپ کے روبرو سب آسان ہے ۔' آخر اس کے فحوائے کلام اور بت کہاؤ سے ، یہ کھلا کہ ' ایک باغ نہایت سر سبز اور عمارت عالی ، حوض تالاب کنوئیں پختہ سمیت ، غلام کی حویلی کے نزدیک ، ناف شہر میں بکاؤ ہے ۔ اور اس باغ کے ساتھ ایک لونڈی بھی گائن ، کہ علم موسیقی میں خوب سلیقہ رکھتی ہے ۔ یہ دونوں باہم بکتے ہیں نہ اکیلا باغ ، جیسے اونٹ کے گلے میں بلی ۔ جو کوئی وہ باغ لیوے اس کنیز کی بھی قیمت دیوے اور تماشا یہ ہے کہ باغ کا مول پانچ ہزار روپے اور باندی کا بہا پانچ لاکھ ۔ فدوی سے اتنے روپے بالفعل سرانجام نہیں ہوسکتے ۔' میں نے اس کا دل بہت بے اختیار،

شوق میں اُن کی خریداری کے ، پایا کہ اسی واسطے دل حیران اور خاطر پریشان تھا ۔ بادجودیکہ روبرو میرے بیٹھا تھا ، تب بھی اُس کا چہرہ ملیّن ، اور جی اُداس تھا ۔ مجھے تو خاطرداری اُس کی ہر گھڑی اور ہر پل منظور تھی ، اُسی وقت خواجہ سرا کو حکم کیا کہ کل صبح کو قیمت اُس باغ کی ، لونڈی سمیت ، چکا کر قبالہ باغ کا ، اور خط کنیزک کا ، لکھوا کر اس شخص کے حوالے کرو اور مالک کو زر قیمت خزانۂ عامرہ سے دلوا دو ۔

" اس پروانگی کے سنتے ہی ، جوان نے آداب بجا لایا اور منہ پر رونق آئی ۔ ساری رات اسی قاعدے سے، جیسے ہمیشہ گزرتی تھی، ہنسی خوشی سے کٹی ۔ فجر ہوتے ہی وہ رخصت ہؤا ۔ خوجے نے موافق فرمانے کے اُسی باغ کو اور لونڈی کو خرید کر دیا ۔ پھر وہ جوان رات کو موافق معمول کے آیا جایا کرتا ۔ ایک روز بہار کے موسم میں مکان بھی دلچسپ تھا ، بدلی گھمنڈ رہی تھی ، پھوئیاں پڑ رہی تھیں ، بجلی بھی کوند رہی تھی ، اور ہوا نرم نرم بہتی تھی ۔ غرض عجب کیفیت اُس دم تھی ۔ جونہی رنگ بہ رنگ کے حباب اورگلابیاں ، طاقوں پر چنی ہوئیں ، نظر پڑیں ، دل للچایا کہ ایک گھونٹ لوں ۔ جب دو تین پیالوں کی نوبت پہنچی وونہیں خیال اُس باغ نوخرید کا گزرا ۔ کمال شوق ہؤا کہ ایک دم ، اس عالم میں ، وہاں کی سیر کیا چاہیے ۔ کم بختی جو آوے ، اونٹ چڑھے کتا کاٹے ۔ اچھی طرح بیٹھے بٹھائے ایک دائی کو ساتھ لے کر سرنگ کی راہ سے اُس جوان کے مکان کو گئی ، وہاں سے

باغ کی طرف چلی۔ دیکھا تو ٹھیک اُس باغ کی بہار، بہشت کی برابری کر رہی ہے۔ قطرے مینہ کے، درختوں کے سبز سبز پتوں پر، جو پڑے ہیں، گویا زمرد کی پٹریوں پر موتی جڑے ہیں، اور سرخی پھولوں کی، اُس ابر میں، ایسی چہچہی لگتی ہے جیسے شام کو شفق پھولے ہے۔ اور نہریں لبالب، مانند فرش آئینے کے، نظر آتی ہیں اور موجیں لہراتی ہیں۔

" غرض اُس باغ میں ہر طرف سیر کرتی پھرتی تھی کہ دن ہو چکا۔ سیاہی شام کی نمود ہوئی۔ اتنے میں وہ جوان ایک روش پر نظر آیا، اور مجھے دیکھ کر بہت ادب اورگرم جوشی سے آگے بڑھ کے، میرے ھاتھ کو اپنے ھاتھ پر دھر کر، بارہ دری کی طرف لے چلا۔ جب وھاں میں گئی تو وھاں کے عالم نے سارے باغ کی کیفیت کو دل سے بھلا دیا۔ یہ روشنی کا ٹھاٹھ تھا۔ جا بجا قمقمے، سرو چراغاں، کنول، اور فانوس خیال، شمع مجلس حیراں، اور فانوسیں روشن تھیں کہ شب برات، باوجود چاندنی اور چراغاں کے، اُس کے آگے اندھیری لگتی۔ ایک طرف آتش بازی، پھلجھڑی، انار داؤدی، بھچنپا، مروارید، مہتابی، ھوائی، چرخی، ھتھ پھول، جاھی، جوھی، پٹاخے، ستارے چھٹتے تھے۔

" اس عرصے میں بادل پھٹ گیا اور چاند نکل آیا بعینہ جیسے نافرمانی جوڑا پہنے ہوئے کوئی معشوق نظر آ جاتا ہے۔ بڑی کیفیت ہوئی۔ چاندنی چھٹکتے ھی جوان نے کہا کہ 'اب چل کر باغ کے بالاخانے پر بیٹھیے۔' میں ایسی

احمق ہو گئی تھی کہ جو وہ نگوڑا کہتا ، سو میں مان لیتی - اب یہ ناچ نچایا کہ مجھ کو اوپر لے گیا - وہ کوٹھا ایسا بلند تھا کہ تمام شہر کے مکان اور بازار کے چراغاں گویا اُس کے پائیں باغ تھے - میں اُس جوان کے گلے میں بانہہ ڈالے ہوئے ، خوشی کے عالم میں بیٹھی تھی - اتنے میں ایک رنڈی نہایت بھونڈی سی ، صورت نہ شکل ، چولھے میں سے نکل ، شراب کا شیشہ ہاتھ میں لیے ہوئے ، آ پہنچی - مجھے اُس وقت اُس کا آنا نپٹ برا لگا اور اُس کی صورت دیکھنے سے دل میں ہول اُٹھی -

" تب میں نے گھبرا کر جوان سے پوچھا کہ 'یہ تحفہ علت کون ہے ؟ تو نے کہاں سے پیدا کی ؟' وہ جوان ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ ' یہ وہی لونڈی ہے جو اس باغ کے ساتھ ، حضور کی عنایت ، سے خرید ہوئی -' میں نے معلوم کیا کہ اس احمق نے بڑی خواہش سے اس کو لیا ہے ، شاید اس کا دل اس پر مائل ہے - اسی خاطر سے پیچ تاب کھا کر میں چپکی ہو رہی - لیکن دل اُسی وقت سے مکدر ہؤا اور ناخوشی مزاج پر چھا گئی - تس پر قیامت ، اُس ایسے تیسے نے ، یہ کی کہ ساقی اُسی چھنال کو بنایا - اُس وقت میں اپنا لہو پیتی تھی - اور ، جیسے طوطی کو کوئی کوے کے ساتھ ایک پنجرے میں بند کرتا ہے ، نہ جانے کی فرصت پاتی تھی اور نہ بیٹھنے کو جی چاہتا تھا - قصہ مختصر وہ شراب ، بوند کی بوند تھی جس کے پینے سے دمی حیوان ہوجاوے - دوچار جام ، پے در پے ، اُسی تیزآب کے ، جوان کو دئے اور آدھا پیالہ ، جوان کی منت سے ، میں

نے زہر مار کیا ۔ آخر وہ پلشت بے حیا بھی، بدمست ہو کر، اُس مردود سے بیہودہ ادائیں کرنے لگی ۔ اور وہ چبلّا بھی نشے میں بے لحاظ ہو چلا اور نا معقول حرکتیں کرنے لگا ۔

” مجھے یہ غیرت آئی ، اگر اس وقت زمین دیائے تو تو میں سما جاؤں ۔ لیکن اس کی دوستی کے باعث میں بلّلی اس پر بھی چپ ہو رہی ۔ پر وہ تو اصل کا پاجی تھا ، میرے اس درگزر کرنے کو نہ سمجھا ۔ نشے کی لہر میں اور بھی دو پیالے چڑھا گیا کہ رہتا سہتا ہوش جو تھا، وہ بھی گم ہؤا ۔ اور میری طرف سے مطلق دھڑکا جی سے اٹھا دیا ۔ بے شرمی سے ، شہوت کے غلبے میں ، میرے رو برو اُس بے حیا نے اُس بندوڑ سے صحبت کی ۔ اور وہ بچھل پائی بھی، اُس حالت میں ، نیچے پڑی ہوئی، نخرے تلے کرنے لگی اور دونوں میں چوما چاٹی ہونے لگی ۔ نہ اُس بے وفا میں وفا ، نہ اُس بے حیا میں حیا ، جیسی روح ویسے فرشتے ۔ میری اُس وقت یہ حالت تھی جیسے اوسر جو کی ڈومنی، گاوے تال بے تال ۔ اپنے اوپر لعنت کرتی تھی کہ کیوں تو یہاں آئی ، جس کی یہ سزا پائی ؟ آخر کہاں تک سہوں ، میرے سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی اور انگاروں پر لوٹنے لگی ، غصے اور اس طیش میں یہ کہاوت ’ بیل نہ کودا کودی گون ، یہ تماشا دیکھے کون ، کہتی ہوئی وہاں سے اٹھی ۔

” وہ شرابی اپنی خرابی‘ دل میں سوچا کہ ’ اگر پادشاہ زادی اس وقت ناخوش ہوئی تو کل میرا کیا حال ہوگا اور صبح کو کیا قیامت مچے گی؟ اب یہ بہتر ہے کہ شاہ زادی

کو مار ڈالوں ۔' یہ ارادہ ، اُس غیبانی کی صلاح سے، جی میں ٹھہرا کر، گلے میں پٹکا ڈال ، میرے پاؤں آپڑا ، اور پگڑی سر سے اتار کر منت و زاری کرنے لگا ۔ میرا دل تو اُس پر لٹو ہو رہا تھا ، جیدھر لیے پھرتا تھا ، پھرتی تھی اور چکی کی طرح میں اُس کے اختیار میں تھی ۔ جو کہتا تھا سو کرتی تھی ، جوں توں مجھے پھسلا پنڈھلا کر پھر بٹھلایا اور اُسی شراب دو آتشہ کے دو چار پیالے بھر بھر کر ، آپ بھی پئے اور مجھے بھی دئے ۔ ایک تو غصے کے مارے جل بھن کر کباب ہو رہی تھی ، دوسرے ایسی شراب پی ۔ جلد بے ہوش ہو گئی ، کچھ حواس باقی نہ رہے ۔ تب اُس بے رحم ، نمک حرام ، کٹر ، سنگ دل نے تلوار سے مجھے گھایل کیا بلکہ اپنی دانست میں مار چکا ۔ اُس دم میری آنکھ کھلی تو منہ سے یہی نکلا — ' خیر ، جیسا ہم نے کیا ، ویسا پایا لیکن تو ، اپنے تئیں میرے اس خون سے بچائیو :

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہؤا سو ہؤا

کسی سے یہ بھید ظاہر نہ کیجیو ۔ ہم نے تجھ سے جان تک بھی درگزر نہ کی ۔' پھر اُس کو خدا کے حوالے کر کر ، میرا جی ڈوب گیا ، مجھے اپنی سدھ بدھ کچھ نہ رہی شاید اُس قصائی نے مجھے مردہ خیال کر ، اُس صندوق میں ڈال کر، قلعے کی دیوار تلے لٹکا دیا ۔ سو تو نے دیکھا، میں کسو کا برا نہ چاہتی تھی لیکن یہ خرابیاں قسمت میں لکھی تھیں ۔ مٹتی نہیں کرم کی ریکھا ، ان آنکھوں کے

سبب یہ کچھ دیکھا ۔ اگر خوبصورتوں کے دیکھنے کا دل میں شوق نہ ہوتا، تو وہ بدبخت میرے گلے کا طوق نہ ہوتا ۔ اللہ نے یہ کام کیا کہ تجھ کو وہاں پہنچا دیا اور سبب میری زندگی کا کیا ۔ اب حیا جی میں آتی ہے کہ یہ رسوائیاں کھینچ کر اپنے تئیں جیتا نہ رکھوں، یا کسو کو منہ نہ دکھاؤں ۔ پر کیا کروں، مرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں نہیں، خدا نے مار کر پھر جلایا، آگے دیکھیے کہ کیا قسمت میں بدا ہے ۔ ظاہر میں تو تیری دوڑ دھوپ اور خدمت کام آئی جو ویسے زخموں سے شفا پائی ۔ تو نے جان و مال سے میری خاطر کی اور جو اپنی بساط تھی، حاضر کی ۔ اُن دنوں تجھے بے خرچ اور دو دلا دیکھ کر وہ شقہ سیدی بہار کو (جو میرا خزانچی ہے) لکھا، اُس میں یہی مضمون تھا کہ میں خیر و عافیت سے اب فلانے مکان میں ہوں، مجھ بدطالع کی خبر، والدۂ شریفہ کی خدمت میں پہنچائیو ۔

"اُس نے تیرے ساتھ وہ کشتیاں نقد کی، خرچ کی خاطر بھیج دیں ۔ اور جب تجھے خلعت اور جواہر خریدنے کو یوسف سوداگر بچے کی دکان کو بھیجا، مجھے یہ بھروسا تھا کہ وہ کم حوصلہ ہر ایک سے جلد آشنا ہو بیٹھتا ہے، تجھے بھی اجنبی جان کر اغلب ہے کہ دوستی کرنے کے لیے، اِترا کر، دعوت اور ضیافت کرے گا ۔ سو میرا منصوبہ ٹھیک بیٹھا، جو کچھ میرے دل میں خیال آیا تھا اُس نے ویسا ہی کیا ۔ تو جب اُس سے قول اقرار، پھر آنے کا کر کر، میرے پاس آیا اور مہمانی کی حقیقت اور

اُس کا بجد ہونا مجھ سے کہا ، میں دل میں خوش ہوئی کہ جب تو اُس کے گھر جا کر کھاوے پیوے گا ، تب اگر تو بھی اُس کو مہمانی کی خاطر بلاوے گا ، وہ دوڑا چلا آوے گا ۔ اس لیے تجھے جلد رخصت کیا ۔ تین دن کے پیچھے جب تو وہاں سے فراغت کر کے آیا اور میرے رو برو عذر ، غیر حاضری کا ، شرمندگی سے لایا ، میں نے تیری تشفی کے لیے فرمایا ' کچھ مضائقہ نہیں ، جب اُس نے رضا دی تب تو آیا ، لیکن بے شرمی خوب نہیں کہ دوسرے کا احسان اپنے سر رکھیے اور اُس کا بدلہ نہ کیجیے ، اب تو جا کر اُس کی استدعا کر اور اپنے ساتھ ھی ساتھ لے آ ۔ '
جب تو اُس کے گھر کو گیا تب میں نے دیکھا کہ یہاں کچھ اسباب مہمان داری کا تیار نہیں ، اگر وہ آ جاوے تو کیا کروں ؟ لیکن یہ فرصت پائی کہ اس ملک میں قدیم پادشاھوں کا یہ معمول ھے کہ آٹھ مہینے کار و بار ملکی اور مالی کے واسطے ملک گیری میں باھر رہتے ھیں اور چار مہینے موسم برسات کے قلعۂ مبارک میں جلوس فرماتے ھیں۔ اُن دنوں دو چار مہینے سے پادشاہ یعنی ولی نعمت مجھ بد بخت کے ، بندوبست کی خاطر ، ملک میں تشریف لے گئے تھے ۔

” جب تک تو ، اُس جوان کو ساتھ لے کر آوے کہ سیدی بہار نے میرا احوال خدمت پادشاہ بیگم کی (کہ والدہ مجھ ناپاک کی ھیں) عرض کیا ۔ پھر میں اپنی تقصیر اور گناہ سے خجل ھو کر اُن کے روبرو جا کر کھڑی ھوئی اور جو سرگزشت تھی ، سب بیان کی ۔ ھر چند اُنھوں نے

میرے غائب ہونے کی کیفیت ، دور اندیشی اور مہر مادری سے ، چھپا رکھی تھی کہ خدا جانے اس کا انجام کیا ہو ، ابھی یہ رسوائی ظاہر کرنی خوب نہیں - میرے بدلے، میرے عیبوں کو، اپنے پیٹ میں رکھ چھوڑا تھا ، لیکن میری تلاش میں تھیں - جب مجھے اس حالت میں دیکھا اور سب ماجرا سنا ، آنسو بھر لائیں اور فرمایا ' اے کم بد بخت ناشدنی! تو نے جان بوجھ کر نام و نشان ، بادشاہت کا ، سارا کھو دیا۔ ہزار افسوس! اور اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھویا - کاش کہ تیرے عوض میں پتھر جنتی تو صبر آتا! اب بھی توبہ کر، جو قسمت میں تھا سو ہؤا ، اب آگے کیا کرے گی؟ جیوے گی یا مرے گی؟' میں نے نہایت شرمندگی سے کہا کہ ' مجھ بے حیا کے نصیبوں میں یہی لکھا تھا جو اس بدنامی اور خرابی میں ، ایسی ایسی آفتوں سے بچ کر ، جیتی رہوں - اس سے مرنا ہی بھلا تھا - اگرچہ کلنک کا ٹیکا میرے ماتھے پر لگا ، پر ایسا کام نہیں کیا جس میں ماں باپ کے نام کو عیب لگے - اب یہ بڑا دکھ ہے کہ وَے دونوں بے حیا ، میرے ہاتھ سے بچ جاویں اور آپس میں رنگ رلیاں مناویں اور میں اُن کے ہاتھوں سے یہ کچھ دکھ دیکھوں - حیف ہے کہ مجھ سے کچھ نہ ہو سکے - یہ امیدوار ہوں کہ خان سامان کو پروانگی ہو، تو اسباب ضیافت کا ، بخوبی تمام ، اس کم بخت کے مکان میں تیار کرے تو میں دعوت کے بہانے سے اُن دونوں بد بختوں کو بلوا کر اُن کے عملوں کی سزا دوں اور اپنا عوض لوں - جس طرح اُس نے مجھ پر ہاتھ چھوڑا اور گھایل کیا ، میں بھی دونوں کے پرزے پرزے کروں - تب میرا کلیجا ٹھنڈا

ہو ۔ نہیں تو اس غصے کی آگ میں پھک رہی ہوں ۔ آخر جل بل کر بھوبھل ہو جاؤں گی ۔' یہ سن کر اماں نے ، آتما کے درد سے مہربان ہو کر ، میری عیب پوشی کی اور سارا لوازمہ ضیافت کا ، اسی خواجہ سرا کے ساتھ (جو میرا محرم ہے) کر دیا ۔ سب اپنے اپنے کارخانے میں آ کر حاضر ہوئے ۔ شام کے وقت تُو اس موئے کو لے کر آیا ، مجھے اس قحبہ باندی کا بھی آنا منظور تھا ۔

"چنانچہ پھر تجھ کو تقیّد کر کر ، اسے بھی بلوایا ۔ جب وہ بھی آئی اور مجلس جمی ، شراب پی پی کر سب بدمست اور بے ہوش ہوئے اور ان کے ساتھ تو بھی کیفی ہو کر مردہ سا پڑا ۔ میں نے قلماقنی کو حکم کیا کہ ان دونوں کا سر تلوار سے کاٹ ڈال ۔ اس نے وونہیں ایک دم ، شمشیر نکال کر دونوں کے سر کاٹ ، بدن لال کر دئے ۔ اور تجھ پر غصے کا یہ باعث تھا کہ میں نے اجازت ضیافت کی دی تھی ، نہ دو دن کی دوستی پر اعتماد کر کے شریک ، بے خوری کا ، ہو۔ البتہ یہ تیری حماقت اپنے تئیں پسند نہ آئی، اس واسطے کہ جب تو پی پا کر بے ہوش ہؤا ، تب توقع رفاقت کی تجھ سے کیا رہی؟ پر تیری خدمت کے حق، ایسے میری گردن پر ہیں کہ تجھ سے ایسی حرکت ہوتی ہے تو معاف کرتی ہوں ۔ لے ، میں نے اپنی حقیقت ابتدا سے انتہا تک کہہ سنائی، اب بھی دل میں کچھ اور ہوس باقی ہے ؟ جیسے میں نے تیری خاطر کر کے تیرے کہنے کو سب طرح قبول کیا ، تو بھی میرا فرمانا اسی صورت سے عمل میں لا ۔ صلاح وقت یہ ہے کہ اب اس شہر میں رہنا ، میرے اور تیرے

حق میں بھلا نہیں ۔ آگے تو مختار ہے ۔"

یا معبود اللہ ! شہزادی اتنا فرما کر چپ رہی ۔ فقیر تو دل و جان سے اُس کے حکم کو سب چیز پر مقدم جانتا تھا ، اور اُس کی محبت کے جال میں پھنسا تھا ، بولا "جو مرضی مبارک میں آوے سو بہتر ہے ، یہ فدوی بے عذر بجالاوے گا ۔" جب شہزادی نے میرے تئیں ، فرماں بردار، خدمت گار اپنا ، پورا سمجھا ، فرمایا " دو گھوڑے چالاک اور جان باز (کہ چلنے میں ہوا سے باتیں کریں) بادشاہ کے خاص اصطبل سے منگوا کر،تیار رکھ ۔" میں نے ویسے ہی پری زاد ، چارگردے کے گھوڑے ، چن کر، زین بندھوا کر، منگوائے ۔ جب تھوڑی سی رات باقی رہی،بادشاہ زادی مردانہ لباس پہن، اور پانچوں ہتھیار باندھ کر، ایک گھوڑے پر سوار ہوئی ، اور دوسرے مرکب پر میں مسلح ہو کر چڑھ بیٹھا اور ایک طرف کی راہ لی ۔

جب شام تمام ہوئی اور پرچھا ہونے لگا ، تب ایک پوکھر کے کنارے پہنچے ۔ اُتر کر منہ ہاتھ دھوئے ۔ جلدی جلدی کچھ ناشتہ کر کے پھر سوار ہو کر چلے ۔ کبھو ملکہ کچھ کچھ باتیں کرتی ، اور یوں کہتی کہ "ہم نے تیری خاطر ، شرم حیا ، ملک مال ، ماں باپ — سب چھوڑا ۔ ایسا نہ ہو کہ تو بھی ، اُس ظالم بے وفا کی طرح، سلوک کرے ۔" کدھو میں کچھ احوال ، ادھر اُدھر کا ، راہ کٹنے کے لئے کہتا ، اور اُس کا بھی جواب دیتا کہ "پادشاہ زادی! سب آدمی ایک سے نہیں ہوتے ۔ اُس پاجی کے نطفے میں کچھ خلل ہو گا جو اُس سے ایسی حرکت

واقع ہوئی اور میں نے تو جان و مال تم پر تصدق کیا اور تم نے مجھے، ہرطرح ، سر فرازی بخشی - اب میں بندہ ، بغیر داموں کا ، ہوں - میرے چمڑے کی اگر جوتیاں بنوا کر پہنو تو میں آہ نہ کروں -'' ایسی ایسی باتیں باہم ہوتی تھیں - اور رات دن چلنے سے کام تھا - کبھو جو ، ماندگی کے سبب ، کہیں آترتے تو جنگل کے چرند پرند شکار کرتے - حلال کر کے، نمک دان سے لون نکال ، چکمک سے آگ جھاڑ، بھون بھان کر کھا لیتے اور گھوڑوں کو چھوڑ دیتے - وے اپنے منہ سے گھاس بات چرچگ کر اپنا پیٹ بھر لیتے -

ایک روز ایسے کف دست میدان میں جا نکلے کہ جہاں بستی کا نام نہ تھا اور آدمی کی صورت نظر نہ آتی تھی - اس پر بھی ، پادشاہ زادی کی رفاقت کے سبب سے ، دن عید اور رات شب برات معلوم ہوتی تھی - جاتے جاتے ، ان چت، ایک دریا (کہ جس کے دیکھنے سے کلیجا پانی ہو) راہ میں ملا- کنارے پر کھڑے ہو کر جو دیکھا تو جہاں تلک نگاہ نے کام کیا ، پانی ہی تھا، کچھ تھل بیڑا نہ پایا- یا الٰہی! اب اس سمندر سے کیوں کر پار آتریں ! ایک دم اسی سوچ میں کھڑے رہے - آخر یہ دل میں لہر آئی کہ ملکہ کو یہیں بٹھا کر میں تلاش میں ، ناؤ نواڑے کی جاؤں - جب تلک اسباب گزارے کا ہاتھ آوے ، تب تلک وہ نازنین بھی آرام پاوے - تب میں نے کہا '' اے ملکہ ! اگر حکم ہو تو گھاٹ باٹ، اس دریا کا ، دیکھوں -'' فرمانے لگی''میں بہت تھک گئی ہوں اور بھوکی پیاسی ہو رہی ہوں ، میں ذرا دم لے لوں - جب تئیں تو پار چلنے کی کچھ تدبیر کر -''

اُس جگہ ایک درخت پیپل کا تھا ، بڑا چھتر باندھے ہوئے کہ اگر ہزار سوار آوے تو ، دھوپ اور مینہ میں ، اُس کے تلے آرام پاوے ۔ وہاں اُس کو بٹھا کر، میں چلا اور چاروں طرف دیکھتا تھا کہ کہیں بھی زمین پر، یا دریا میں، نشان انسان کا پاؤں ۔ بہتیرا سر مارا پر کہیں نہ پایا۔ آخر مایوس ہو کر وہاں سے پھر آیا تو اُس پری کو، پیڑ کے نیچے، نہ پایا ۔ اُس وقت کی حالت کیا کہوں کہ سُرت جاتی رہی ۔ دیوانہ ، باؤلا ہو گیا ۔ کبھو درخت پر چڑھ جاتا اور ڈال ڈال، پات پات پھرتا ۔ کبھو ہاتھ پاؤں چھوڑ کر زمین میں گرتا اور اُس درخت کی جڑ کے اُس پاس تصدق ہوتا ۔ کدھو چنگھاڑ مار کر اپنی بے بسی پر روتا ۔ کبھو پچھم سے پورب کو دوڑا جاتا ، کدھو اُتر سے دکھن کو پھر آتا ۔ غرض بہتیری خاک چھانی لیکن اُس گوہر نایاب کی نشانی نہ پائی ۔ جب میرا کچھ بس نہ چلا، تب روتا اور خاک سر پر اڑاتا ہوا ، تلاش ہر کہیں کرنے لگا ۔

دل میں یہ خیال آیا کہ شاید کوئی جن اُس پری کو اُٹھا کر لے گیا اور مجھے یہ داغ دے گیا ، یا اُس کے ملک سے کوئی اُس کے پیچھے لگا چلا آیا تھا ، اُس وقت اکیلا پا کر ، منا منو کر ، پھر شام کی طرف لے اُبھرا ۔ ایسے خیالوں میں گھبرا کر، کپڑے وپڑے پھینک پھانک دئے ۔ ننگا منگا فقیر بن کر، شام کے ملک میں، صبح سے شام تلک ، ڈھونڈھتا پھرتا اور رات کو کہیں پڑ رہتا ۔ سارا جہاں روند مارا، پر اپنی بادشاہ زادی کا نام و نشان، کسی سے نہ سنا۔ نہ سبب، غایب ہونے کا، معلوم ہؤا۔ تب دل

میں یہ آیا کہ جب اس جان کا تو نے کچھ پتہ نہ پایا ، تو اب جینا بھی حیف ہے ۔ کسی جنگل میں ایک پہاڑ نظر آیا ، تب اُس پر چڑھ گیا اور یہ ارادہ کیا کہ اپنے تئیں گرادوں کہ ایک دم میں، سر منہ پتھروں سے ٹکراتے ٹکراتے ، پھوٹ جاوے گا ، تو ایسی مصیبت سے جی چھوٹ جاوے گا ۔

یہ دل میں کہہ کر چاہتا ہوں کہ اپنے تئیں گراؤں ، بلکہ پاؤں بھی اُٹھ چکے تھے کہ کسو نے میرا ہاتھ پکڑ لیا ۔ اتنے میں ہوش آ گیا ، دیکھتا ہوں تو ایک سوار سبز پوش، منہ پر، نقاب ڈالے، مجھے فرماتا ہے کہ " کیوں تو ، اپنے مرنے کا قصد کرتا ہے ؟ خدا کے فضل سے ناامید ہونا کفر ہے ۔ جب تلک سانس ہے ، تب تلک آس ہے ۔ اب تھوڑے دنوں میں، روم کے ملک میں، تین درویش تجھ سار کے ، ایسی ہی مصیبت میں پھنسے ہوئے ، اور ایسے ہی تماشے دیکھے ہوئے ، تجھ سے ملاقات کریں گے اور وہاں کے پادشاہ کا آزادبخت نام ہے ، اُس کو بھی ایک بڑی مشکل درپیش ہے۔ جب وہ بھی تم چاروں فقیروں کے ساتھ ملے گا ، تو ہر ایک کے دل کا مطلب اور مراد جو ہے ، بخوبی حاصل ہو گی ۔"

میں نے رکاب پکڑ کر بوسہ دیا ، اور کہا " اے خدا کے ولی! تمھارے اتنے ہی فرمانے سے، میرے دل پُر اضطرار کو تسلی ہوئی ، لیکن خدا کے واسطے یہ فرمائیے کہ آپ کون ہیں اور اسم شریف کیا ہے ؟" تب اُنھوں نے فرمایا کہ " مرتضیٰ علی میرا نام ہے، اور میرا یہی کام ہے کہ

جس کو جو مشکل کٹھن پیش آوے تو میں اس کو آسان کر دوں ۔" اتنا فرما کر نظروں سے پوشیدہ ہوگئے ۔ بارے اس فقیر نے ، اپنے مولا مشکل کشا کی بشارت سے، خاطر جمع کر، قصد قسطنطنیہ کا کیا ۔ راہ میں جو کچھ مصیبتیں قسمت میں لکھی تھیں ، کھینچتا ہؤا، اس پادشاہ زادی کی ملاقات کے بھروسے، خدا کے فضل سے یہاں تک آپہنچا، اور اپنی خوش نصیبی سے تمھاری خدمت میں مشرف ہؤا ۔ ہمارے تمھارے آپس میں ملاقات تو ہوئی، باہم صحبت اور بات چیت میسر آئی ، اب چاہیے کہ پادشاہ آزاد بخت سے بھی روشناس اور جان پہچان ہو ۔ بعد اس کے ، مقرر ، ہم پانچوں اپنے مقصد دلی کو پہنچیں گے ۔ تم بھی دعا مانگو اور آمین کہو ۔

یا ہادی ! اس حیران، سرگردان کی سرگزشت یہ تھی، جو حضوری میں درویشوں کی، کہہ سنائی ۔ اب آگے دیکھیے، کب یہ محنت اور غم ہمارا ، پادشاہ زادی کے ملنے سے ، خوشی و خرمی سے بدل ہو !

آزاد بخت ایک کونے میں چھپا ہؤا چپکا دھیان لگائے ، پہلے درویش کا ماجرا سن کر خوش ہؤا۔ پھر دوسرے درویش کی حقیقت کو سننے لگا۔

سیر دوسری درویش کی

جب دوسرے درویش کے کہنے کی نوبت پہنچی ، وہ چار زانو ہو بیٹھا ، اور بولا :

اے یارو! اس فقیر کا ٹک ماجرا سنو !
میں ابتدا، سے کہتا ہوں تا انتہاء ، سنو!
جس کا علاج کر نہیں سکتا کوئی حکیم
ہیگا ہمارا درد نپٹ لا دوا سنو !

اے دلق پوشو! یہ عاجز، پادشاہ زادہ فارس کے ملک کا ہے ، ہر فن کے آدمی وہاں پیدا ہوتے ہیں ، چنانچہ اصفہان نصف جہان مشہور ہے ۔ ہفت اقلیم میں، اُس اقلیم کے برابر، کوئی ولایت نہیں کہ وہاں کا ستارہ آفتاب ہے اوروہ ساتوں کواکب میں نیر اعظم ہے ۔ آب و ہوا وہاں کی خوش، اور لوگ روشن طبع اور صاحب سلیقہ ہوتے ہیں ۔ میرے قبلہ گاہ نے (جو بادشاہ اُس ملک کے تھے) لڑکپن سے قاعدے اور قانون سلطنت کی تربیت کرنے کے واسطے، بڑے بڑے دانا اُستاد ، ہر ایک علم اور کسب کے ، چن کر میری اتالیقی کے لئے مقرر کئے تھے، تو تعلیم کامل، ہر نوع کی پاکر، قابل ہوں۔ خدا کے فضل سے، چودہ برس کے سن و سال میں، سب علم سے ماہر ہؤا ۔ گفتگو معقول، نشست و برخاست پسندیدہ ، اور جو کچھ بادشاہوں کو لائق اور درکار ہے ، سب حاصل کیا ۔ اور یہی شوق شب و روز تھا کہ قابلوں

کی صحبت میں ، قصے ہر ایک ملک کے ، اور احوال آلوالعزم پادشاہوں اور نام آوروں کا ، سنا کروں ۔

ایک روز ایک مصاحب دانا نے ، کہ خوب تاریخ داں اور جہاں دیدہ تھا ، مذکور کیا کہ اگرچہ آدمی کی زندگی کا کچھ بھروسا نہیں ، لیکن اکثر وصف ایسے ہیں کہ ان کے سبب سے انسان کا نام قیامت تک زبانوں پر بخوبی چلا جائے گا ۔ میں نے کہا "اگر تھوڑا سا احوال اس کا مفصل بیان کرو تو میں بھی سنوں اور اس پر عمل کروں ۔" تب وہ شخص حاتم طائی کا ماجرا اس طرح کہنے لگا کہ "حاتم کے وقت میں ، ایک بادشاہ عرب کا ، نوفل نام تھا ۔ اس کو حاتم کے ساتھ ، بہ سبب نام آوری کے ، دشمنی نہال ہوئی ۔ بہت سا لشکر فوج جمع کر کر ، لڑائی کی خاطر چڑھ آیا ۔ حاتم تو خدا ترس اور نیک مرد تھا ، یہ سمجھا کہ 'اگر میں بھی جنگ کی تیاری کروں تو خدا کے بندے مارے جائیں گے اور بڑی خوں ریزی ہوگی ۔ اس کا عذاب میرے نام لکھا جائے گا ۔' یہ بات سوچ کر تن تنہا ، اپنی جان لے کر ، ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپا ۔ جب حاتم کے غائب ہونے کی خبر نوفل کو معلوم ہوئی ، سب اسباب گھر بار حاتم کا ، قرق کیا اور منادی کروا دی کہ جو کوئی ڈھونڈ ڈھانڈ کر ، پکڑ لاوے ، پانسے اشرفی ، پادشاہ کی سرکار سے ، انعام پاوے ۔ یہ سن کر سب کو لالچ آیا اور جستجو حاتم کی کرنے لگے ۔

" ایک دن ایک بوڑھا اور اس کی بڑھیا ، دو تین بچے چھوٹے چھوٹے ساتھ لئے ہوئے ، لکڑیاں توڑنے کے واسطے اس غار کے پاس ، جہاں حاتم پوشیدہ تھا ، پہنچے اور لکڑیاں

اُس جنگل سے چننے لگے ۔ بڑھیا بولی ' اگر ہمارے دن کچھ بھلے آتے تو حاتم کو کہیں دیکھ پاتے ، اور اُس کو پکڑ کر نوفل کے پاس لے جاتے تو وہ پانچ سو اشرفی دیتا ، اور ہم آرام سے کھاتے ، اس دکھ دھندے سے چھوٹ جاتے ۔' بوڑھے نے کہا ' کیا ٹر ٹر کرتی ہے ؟ ہمارے طالع میں یہی لکھا ہے کہ روز لکڑیاں توڑیں اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں ، تب لون روٹی میسر آوے ، یا ایک روز جنگل سے باگھ لے جاوے ۔ لے اپنا کام کر ۔ ہمارے ہاتھ حاتم کاہے کو آوے گا اور بادشاہ اتنے روپے دلاوے گا ؟' عورت نے ٹھنڈی سانس بھری اور چپکی ہو رہی ۔

" یہ دونوں کی باتیں حاتم نے سنیں ۔ مردمی اور مروت سے بعید جانا کہ اپنے تئیں چھپائے اور جان کو بچائے اور ان دونوں بے چاروں کو مطلب تک نہ پہنچائے ۔ سچ ہے اگر آدمی میں رحم نہیں تو وہ انسان نہیں ۔ اور جس کے جی میں درد نہیں ، وہ قصائی ہے :

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّو بیاں

"غرض حاتم کی جواں مردی نے نہ قبول کیا کہ اپنے کانوں سے سن کر چپکا ہو رہے ۔ وونہیں باہر نکل آیا اور اُس بوڑھے سے کہا کہ ' اے عزیز! حاتم میں ہی ہوں ، میرے تئیں نوفل کے پاس لے چل ، وہ مجھے دیکھے گا اور جو کچھ روپے دینے کا اقرار کیا ہے ، تجھے دیوے گا ۔' پیر مرد نے کہا سچ ہے کہ ' اس صورت میں بھلائی اور بہبودی میری ، البتہ ہے ۔ لیکن وہ ، کیا جانے ، تجھ سے کیا سلوک

کرے؟ اگر مار ڈالے تو میں کیا کروں ؟ یہ مجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ تجھ کو ، اپنی طمع کی خاطر ، دشمن کے حوالے کروں ۔ وہ مال کَے دن کھاؤں گا اور کب تک جیوں گا ؟ آخر مر جاؤں گا ۔ تب خدا کو کیا جواب دوں گا ؟' حاتم نے بہتیری منت کی کہ ' مجھے لے چل ، میں اپنی خوشی سے کہتا ہوں اور ہمیشہ اسی آرزو میں رہتا ہوں کہ میرا جان و مال ، کسو کے کام آوے، تو بہتر ہے ۔' لیکن وہ بوڑھا کسی طرح راضی نہ ہؤا کہ حاتم کو لے جاوے اور انعام پاوے ۔ آخر لاچار ہو کر حاتم نے کہا ' اگر تو مجھے یوں نہیں لے جاتا تو میں آپ سے آپ پادشاہ پاس جا کر کہتا ہوں کہ اس بوڑھے نے مجھے جنگل میں ، ایک پہاڑ کی کھوہ میں ، چھپا رکھا تھا۔' وہ بوڑھا ہنسا اور بولا ' بھلائی کے بدلے برائی ملی تو یا نصیب !' اس رد و بدل کے سوال جواب میں ، آدمی اور بھی آپہنچے۔ بھیڑ لگ گئی۔ اُنھوں نے معلوم کیا کہ حاتم یہی ہے ۔ ترت پکڑ لیا اور حاتم کو لے چلے ۔ وہ بوڑھا بھی افسوس کرتا ہؤا پیچھے پیچھے ہو لیا ۔ جب نوفل کے روبرو لے گئے ، اُس نے پوچھا کہ ' اس کو کون پکڑ کر لایا ؟ ' ایک بد ذات سنگ دل بولا کہ ' ایسا کام سوائے ہمارے اور کون کر سکتا ہے؟ یہ فتح ہمارے نام ہے ، ہم نے عرش پر جھنڈا گاڑا ہے ۔' ایک اور لن ترانی والا ڈینگ مارنے لگا کہ 'میں کئی دن سے دوڑ دھوپ کر جنگل سے پکڑ لایا ہوں، میری محنت پر نظر کیجیے اور جو قرار ہے سو دیجیے ۔' اسی طرح اشرفیوں کے لالچ سے ہر کوئی کہتا تھا کہ یہ کام مجھ سے ہؤا ۔ وہ بوڑھا ، چپکا ایک کونے میں لگا ہؤا ،

سب کی شیخیاں سن رہا تھا اور حاتم کی خاطر کھڑا روتا تھا ۔ جب اپنی اپنی دلاوری اور مردانگی سب کہہ چکے، تب حاتم نے پادشاہ سے کہا ' اگر سچ بات پوچھو تو یہ ہے کہ وہ بوڑھا جو الگ سب سے کھڑا ہے مجھ کو لایا ہے ۔ اگر قیافہ پہچان جانتے ہو تو دریافت کرو اور میرے پکڑنے کی خاطر جو قول کیا ہے، پورا کرو کہ سارے ڈیل میں زبان حلال ہے؛ مرد کو چاہیے: جو کہے سو کرے ۔ نہیں تو جیبھ حیوان کو بھی خدا نے دی ہے، پھر حیوان اور انسان میں کیا تفاوت ہے؟'

"نوفل نے، اس لکڑھارے بوڑھے کو پاس بلا کر، پوچھا کہ ' سچ کہہ، اصل کیا ہے؟ حاتم کو کون پکڑ لایا؟' اس بچارے نے، سر سے پاؤں تک جو گزرا تھا، راست کہہ سنایا اور کہا 'حاتم میری خاطر آپ چلا آیا ہے ۔' نوفل، یہ همت حاتم کی سن کر، متعجب ہؤا کہ ' بل بے، تیری سخاوت! اپنی جان کا بھی خطرہ نہ کیا؟' جتنے، جھوٹ دعوے، حاتم کے پکڑ لانے کے کرتے تھے، حکم کیا کہ ' ان کی ٹنڈیاں کس کر، پان سو اشرفی کے بدلے، پان سو جوتیاں ان کے سر پر لگاؤ کہ ان کی بھی جان نکل پڑے ۔' وونہیں، تڑ تڑ پیزاریں پڑنے لگیں کہ ایک دم میں، سر ان کے، گنجے ہوگئے ۔ سچ ہے، جھوٹ بولنا ایسا ہی گناہ ہے کہ کوئی گناہ اس کو نہیں پہنچتا ۔ خدا سب کو اس بلا سے محفوظ رکھے اور جھوٹ بولنے کا چسکا نہ دے ۔ بہت آدمی جھوٹ موٹ بکے جاتے ہیں لیکن آزمائش کے وقت سزا پاتے ہیں ۔

" غرض اُن سب کو ، سوافق اُن کے ، انعام دے کر ، نوفل نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حاتم سے شخص سے (کہ ایک عالم کو اُس سے فیض پہنچتا ہے اور محتاجوں کی خاطر جان اپنی دریغ نہیں کرتا ، اور خدا کی راہ میں سرتاپا حاضر ہے) دشمنی رکھنی اور اُس کا مدعی ہونا، مرد آدمیت اور جواں مردی سے بعید ہے ۔ وونہیں حاتم کا ہاتھ بڑی دوستی اور گرم جوشی سے پکڑ لیا اور کہا 'کیوں نہ ہو ، جب ایسے ہو تب ایسے ہو ۔' تواضع تعظیم کر کر ، پاس بٹھلایا اور حاتم کا ملک و املاک اور مال و اسباب جو کچھ ضبط کیا تھا ، وونہیں چھوڑ دیا ۔ نئے سر سے سرداری قبیلۂ طے کی اُسے دی اور اُس بوڑھے کو پانچ سو اشرفیاں اپنے خزانے سے دلوا دیں ۔ وہ دعا دیتا ہؤا چلا گیا ۔"

جب یہ ماجرا حاتم کا ، میں نے تمام سنا، جی میں غیرت آئی اور یہ خیال گزرا کہ حاتم اپنی قوم کا فقط رئیس تھا، جن نے ایک سخاوت کے باعث یہ نام پیدا کیا کہ آج تلک مشہور ہے ۔ میں خدا کے حکم سے، بادشاہ تمام ایران کا ہوں، اگر اس نعمت سے محروم رہوں تو بڑا افسوس ہے۔ فی الواقع، دنیا میں کوئی کام، بڑا داد و دہش سے نہیں ، اس واسطے کہ آدمی جو کچھ دنیا میں دیتا ہے ، اس کا عوض عاقبت میں لیتا ہے ۔ اگر کوئی ایک دانہ بوتا ہے تو اس سے کتنا کچھ پیدا ہوتا ہے ! یہ بات دل میں ٹھہرا کر ، میر عمارت کو بلوا کر حکم کیا کہ ایک مکان عالی شان ، جس کے چالیس دروازے ، بلند اور بہت کشادہ ہوں ، باہر

شہر سے جلد بنواؤ ۔ تھوڑے عرصے میں ، ویسی ھی عمارت وسیع ، جیسا دل چاھتا تھا ، بن کر تیار ھوئی اور اُس مکان میں ھر روز ، ھر وقت ، فجر سے شام تک ، محتاجوں اور بےکسوں کے تئیں ، روپے اشرفیاں دیتا ، اور جو کوئی جس چیز کا سوال کرتا ، میں اُسے مالا مال کرتا ۔

غرض چالیسوں دروازے سے ، حاجت مند آتے اور جو چاھتے ، سو لے جاتے ۔ ایک روز کا ذکر ھے کہ ایک فقیر سامنے کے دروازے سے آیا اور سوال کیا ۔ میں نے اُسے ایک اشرفی دی ۔ پھر وھی دوسرے دروازے سے ھو کر آیا ، دو اشرفیاں مانگیں ، میں نے پہچان کر درگزر کی اور دیں ۔ اسی طرح اُن نے ، ھر ایک دروازے سے آنا اور ایک ایک اشرفی بڑھانا، شروع کیا اور میں بھی جان بوجھ کر ان جان ھؤا ، اور اُس کے سوال کے موافق دیا کیا ۔ آخر چالیسویں دروازے کی راہ سے آ کر چالیس اشرفیاں مانگیں ۔ وہ بھی میں نے دلوا دیں ۔ اتنا کچھ لے کر ، وہ درویش پھر پہلے دروازے سے گھس آیا اور سوال کیا ۔ مجھے بہت برا معلوم ھؤا ، میں نے کہا " سن اے لالچی ! تو کیسا فقیر ھے کہ ھرگز فقر کے تینوں حرفوں سے بھی واقف نہیں ؟ فقیر کا عمل اُن پر چاھیے ۔" فقیر بولا " بھلا داتا ! تمہیں بتاؤ ۔" میں نے کہا ، " ف سے فاقہ، ق سے قناعت ، ر سے ریاضت نکلتی ھے ۔ جس میں یہ باتیں نہ ھوں ، وہ فقیر نہیں ۔ اتنا جو تجھے ملا ھے ، اس کو کھا پی کر پھر آئیو اور جو مانگے گا ، لے جائیو ۔ یہ خیرات ، احتجاج رفع کرنے کے واسطے ھے ، نہ جمع کرنے کے لئے ۔ اے حریص ! چالیس

دروازوں سے تو نے ، ایک اشرفی سے چالیس اشرفیوں تک لیں ، اس کا حساب تو کر کہ ریوڑی کے پھیر کی طرح کتنی اشرفیاں ہوئیں ، اس پر بھی تجھے حرص پہلے دروازے سے لے آئی - اتنا مال جمع کر کر ، کیا کرے گا ؟ فقیر کو چاھیے کہ ایک روز کی فکر کرے - دوسرے دن پھر نئی روزی ، رزاق دینے والا موجود ہے - اب حیا و شرم پکڑ ، اور صبر و قناعت کو کام فرما - یہ کیسی فقیری ہے جو تجھے مرشد نے بتائی ہے ؟"

یہ میری بات سن کر خفا اور بددماغ ہؤا اور جتنا مجھ سے لے کر جمع کیا تھا ، سب زمین میں ڈال دیا اور بولا " بس بابا ! اتنے گرم مت ہو - اپنی کائنات لے کر رکھ چھوڑو - پھر سخاوت کا نام نہ لیجو - سخی ہونا بہت مشکل ہے - تم سخاوت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے ، اس منزل کو کب پہنچوگے ؟ ابھی دلی دور ہے - سخی کے بھی تین حرف ہیں ، پہلے ان پر عمل کرو ، تب سخی کہلاؤ -" تب تو میں ڈرا اور کہا " بھلا داتا ! اس کے معنے مجھے سمجھاؤ -" کہنے لگا ، " س سے سمائی ، اور خ سے خوف الٰہی ، اور ی سے ، یاد رکھنا اپنی پیدایش اور مرنے کو - جب تلک اتنا نہ ہو لے تو سخاوت کا نام نہ لے اور سخی کا یہ درجہ ہے کہ اگر بدکار ہو ، تو بھی دوست خدا کا ہے - اس فقیر نے بہت ملکوں کی سیر کی ہے ، لیکن سوائے بصرے کی پادشاہ زادی کے کوئی سخی دیکھنے میں نہ آیا - سخاوت کا جامہ خدا نے اس عورت پر قطع کیا ہے - اور سب ، نام چاھتے ہیں ، پر ویسا کام نہیں کرتے -" یہ سن

کر میں نے بہت منت کی اور قسمیں دیں کہ ''میری تقصیر معاف کرو اور جو چاہیے سو لو ۔'' میرا دیا ہرگز نہ لیا ، اور یہ بات کہتا ہؤا چلا '' اب اگر اپنی ساری پادشاہت مجھے دے تو اس پر بھی نہ تھوکوں ، اور نہ دھر ماروں ۔'' وہ تو چلا گیا پر بصرے کی بادشاہ زادی کی یہ تعریف سننے سے دل بے کل ہؤا ، کسی طرح کل نہ تھی ۔ اب یہ آرزو ہوئی کہ کسو صورت سے بصرے چل کر اس کو دیکھا چاہیے ۔

اس عرصے میں بادشاہ نے وفات پائی ، اور تخت پر میں بیٹھا ۔ سلطنت ملی ، پر وہ خیال نہ گیا ۔ وزیر اور امیروں سے (جو پائے ، تخت سلطنت کے، اور ارکان مملکت کے تھے) مشورت کی کہ '' سفر بصرے کا کیا چاہتا ہوں ، تم اپنے کام میں مستعد رہو ۔ اگر زندگی ہے تو سفر کی عمر کوتاہ ہوتی ہے ، جلد پھر آتا ہوں ۔'' کوئی میرے جانے پر راضی نہ ہؤا ۔ لاچار ، دل تو اداس ہورہا تھا ، ایک دن ، بغیر سب کے کہے سنے ، چپکے وزیر باتدبیر کو بلا کر ، مختار اور وکیل مطلق اپنا کیا اور سلطنت کا مدارالمہام بنایا ۔ پھر میں نے گیروا بستر پہن ، فقیری بھیس کر ، اکیلے ، راہ بصرے کی لی ۔ تھوڑے دنوں میں اس کی سرحد میں جا پہنچا ۔ تب سے یہ تماشا دیکھنے لگا کہ جہاں رات کو جا کر مقام کرتا ، نوکر چاکر اسی ملکہ کے استقبال کر کر، ایک مکان معقول میں آتارتے اور جتنا لوازمہ ضیافت کا ہوتا ہے ، بخوبی موجود کرتے اور خدمت میں دست بستہ تمام رات حاضر رہتے ۔ دوسرے دن ، دوسری منزل میں یہی

صورت پیش آتی ۔ اس آرام سے سہینوں کی راہ طے کی ۔ آخر بصرے میں داخل ہؤا ۔ وونہیں ایک جوان شکیل ، خوش لباس، نیک خو ، صاحب مروت (کہ دانائی اُس کے قیافے سے ظاہر تھی) میرے پاس آیا اور نپٹ شیریں زبانی سے کہنے لگا کہ " میں فقیروں کا خادم ہوں ، ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہوں کہ جو کوئی مسافر، فقیر یا دنیادار اس شہر میں آوے ، میرے گھر میں قدم رنجہ فرماوے ۔ سوائے ایک مکان کے یہاں اور بدیسی کے رہنے کی جگہ نہیں ہے ، آپ تشریف لے چلیے اور اُس مقام کو زینت بخشیے اور مجھے سرفراز کیجیے ۔"

فقیر نے پوچھا "صاحب کا اسم شریف کیا ہے؟ " بولا " اس گمنام کا نام ، بیداربخت کہتے ہیں ۔" اُس کی خوبی اور تملق دیکھ کر، یہ عاجز اُس کے ساتھ چلا اور اُس کے مکان میں گیا ۔ دیکھا تو ایک عمارت عالی ، لوازم شاہانہ سے تیار ہے ۔ ایک دالان میں ، اُس نے لے جا کر ، بٹھایا اور گرم پانی منگوا کر ہاتھ پاؤں دھلوائے اور دستر خوان بچھوا کر، مجھ تن تنہا کے روبرو، بکاول نے ایک تورے کا تورا چن دیا ۔ چار مشقاب : ایک میں یخنی پلاؤ ، دوسری میں قورمہ پلاؤ، تیسری میں متنجن پلاؤ اورچوتھی میں کوکو پلاؤ ، اور ایک قاب زردے کی ۔ اور کئی طرح کے قلیے : دو پیازہ ، نرگسی ، بادامی ، روغن جوش ۔ اور روٹیاں ہرقسم کی: باقرخانی ، تنکی، شیرمال ، گاؤدیدہ ، گاؤزبان ، نان نعمت، پراٹھے ۔ اور کباب: کوفتے کے ، تکے کے ، مرغ کے ۔ خاگینہ ، ملغوبہ ، شب دیگ دم پخت ، حلیم، ہریسہ،

سموسے ، ورق قبولی ، فرنی ، شیر برنج ، ملائی ، حلوہ ، فالودہ ، پن بھتا ، نمش ، آب شورہ ، ساق عروس ، لوزیات ، مربہ ، اچاردان ، دھی کی قلفیاں ــ یہ نعمتیں دیکھ کر روح بھر گئی ۔ جب ایک ایک نوالا ہر ایک سے لیا ، پیٹ بھر گیا ۔ تب ہاتھ کھانے سے کھینچا ۔

وہ شخص مجوّز ہوا کہ " صاحب نے کیا کھایا؟ کھانا تو سب امانت دھرا ہے ، بے تکلف اور نوش جان فرمائیے ۔" میں نے کہا " کھانے میں شرم کیا ہے؟ خدا تمھارا خانہ آباد رکھے ، جو کچھ میرے پیٹ میں سمایا ، سو میں نے کھایا اور ذائقے کی اس کے کیا تعریف کروں ؟ کہ اب تک زبان چاٹتا ہوں ، اور جو ڈکار آتی ہے سو معطر ۔ لو اب مزید کرو ۔" جب دستر خوان اٹھا ، زیر انداز ، کاشانی مخمل کا ، مقیشی بچھا کر ، چلمچی آفتابۂ طلائی لا کر ، بیسن دان میں سے خوشبو بیسن دے کر ، گرم پانی سے میرے ہاتھ دھلائے ۔ پھر پان دان جڑاؤ میں گلوریاں ، سونے کے پکھروٹوں میں بندھی ہوئیں ، اور چوگھروں میں کھلوریاں اور چکنی سپاریاں اور لونگ الاچیاں ، روپے کے ورقوں میں مڑھی ہوئیں ، لا کر رکھیں ۔ جب میں پانی پینے کو مانگتا ، تب صراحی برف میں لگی ہوئی آبدار لے آتا ۔ جب شام ہوئی ، فانوسوں میں کافوری شمعیں روشن ہوئیں ۔ وہ عزیز بیٹھا ہوا باتیں کرتا رہا ۔ جب پہر رات گئی ، بولا " اب اس چھپر کھٹ میں (کہ جس کے آگے دلدا پیش گیر کھڑا ہے) آرام کیجیے ۔" فقیر نے کہا " اے صاحب ! ہم فقیروں کو ، ایک بوریا ، مرگ چھالا ، بستر کے لئے بہت

ہے، یہ خدا نے تم دنیا داروں کے واسطے بنایا ہے۔"

کہنے لگا " یہ سب اسباب درویشوں کی خاطر ہے، کچھ میرا مال نہیں۔" اس کے بجد ہونے پر، ان بچھونوں پر (کہ پھولوں کی سیج سے بھی نرم تھے) جا کر لیٹا۔ دونوں پٹیوں کی طرف گلدان اور چنگیریں، پھولوں کی چنی ہوئیں، اور عود سوز اور لخلخے روشن تھے۔ جیدھر کی کروٹ لیتا، دماغ معطر ہو جاتا۔ اس عالم میں سو رہا۔ جب صبح ہوئی، ناشتے کو بھی بادام، پستے، انگور، انجیر، ناشپاتی، انار، کشمش، چھہارے اور میوے کا شربت، لا حاضر کیا۔ اسی طور سے تین دن رات رہا۔ چوتھے روز میں نے رخصت مانگی۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا " شاید اس گنہ گار سے صاحب کی خدمت گاری میں کچھ قصور ہؤا کہ جس کے باعث مزاج تمھارا مکدر ہؤا!" میں نے حیران ہو کر کہا " برائے خدا، یہ کیا مذکور ہے! لیکن مہمانی کی شرط تین دن تلک ہے، سو میں رہا۔ زیادہ رہنا خوب نہیں۔ اور علاوہ، یہ فقیر واسطے سیر کے نکلا ہے، اگر ایک ہی جگہ رہ جاوے تو مناسب نہیں۔ اس لئے اجازت چاہتا ہے، نہیں تو تمھاری خوبیاں ایسی نہیں کہ جدا ہونے کو جی چاہے۔"

تب وہ بولا " جیسی مرضی، لیکن ایک ساعت توقف کیجیے کہ بادشاہزادی کے حضور میں جا کر عرض کروں۔ اور تم جو جایا چاہتے ہو تو جو کچھ اسباب، اوڑھنے بچھانے کا، اور کھانے کے باسن، روپے سونے کے، اور جڑاؤ کے، اس مہمان خانے میں ہیں، یہ سب تمھارا مال ہے۔ اس کے

ساتھ لے جانے کی خاطر جو فرماؤ تدبیر کی جائے۔" میں نے کہا " لاحول پڑھو، ہم فقیر نہ ہوئے بھاٹ ہوئے۔ اگر یہی حرص دل میں ہوتی تو فقیر کاھے کو ہوتے، دنیاداری کیا بری تھی؟" اُس عزیز نے کہا " اگر یہ احوال ملکہ سنے تو خدا جانے مجھے اس خدمت سے تغیر کر کر، کیا سلوک کرے! اگر تمھیں ایسی ھی بےپروائی ھے تو ان سب کو ایک کوٹھڑی میں امانت بند کر کر، دروازے کو سر بہ مہر کر دو۔ پھر جو چاھو سو کیجو۔"

میں نہ قبول کرتا تھا، اور وہ بھی نہ مانتا تھا، لاچار یہی صلاح ٹھہری کہ سب اسباب کو بند کر کر قفل کر دیا اور منتظر رخصت کا ھوا۔ اتنے میں ایک خواجہ سرا معتبر، سر پر سر پیچ اور گوشں پیچ اور کمر میں بندی باندھے، ایک عصا سونے کا جڑاؤ ھاتھ میں، اور ساتھ اُس کے کئی خدمت گار، معقول عہدے لئے ہوئے، اس شان و شوکت سے میرے نزدیک آیا، ایسی ایسی مہر بانگی اور ملائمت سے گفتگو کرنے لگا جس کا بیان نہیں کر سکتا۔ پھر بولا کہ " اے میاں، اگر توجہ اور کرم کر کر، اس مشتاق کے غریب خانے کو اپنے قدم کی برکت سے رونق بخشو، تو بندہ نوازی اور غریب پروری سے بعید نہیں۔ شاید شہزادی سنے کہ کوئی مسافر یہاں آیا تھا، اُس کی تواضع مدارات کسو نے نہ کی، وہ یونہیں چلا گیا۔ اس واسطے، واللہ‌اعلم، مجھ پر کیا آفت لاوے اور کیسی قیامت آٹھاوے، بلکہ حرف زندگی پر ھے۔" میں نے ان باتوں کو نہ مانا، تب خواہ مخواہ منتیں کر کے، میرے تئیں اور ایک

حویلی میں (کہ پہلے مکان سے بہتر تھی) لے گیا ، آسی پہلے میزبان کی مانند ، تین دن رات ، دونوں وقت ، ویسے ہی کھانے ، اور صبح اور تیسرے پہر شربت ، اور تفنن کی خاطر میوے کھلائے ، اور باسن ، نقرئی و طلائی اور فرش فروش اور اسباب ، جو کچھ وہاں کا تھا ، مجھ سے کہنے لگا کہ ان سب کے تم مالک مختار ہو جو چاہو سو کرو ۔

میں یہ باتیں سن کر حیران ہؤا اور چاہا کہ کسی نہ کسی طرح ، یہاں سے رخصت ہو کر بھاگوں ، میرے بشرے کو دیکھ کر وہ محلی بولا " اے خدا کے بندے ! جو تیرا مطلب یا آرزو ہو سو مجھ سے کہہ ، تو حضور میں ملکہ کے جا کر عرض کروں ۔" میں نے کہا " میں فقیری کے لباس میں دنیا کا مال کیا مانگوں کہ تم بغیر مانگے دیتے ہو اور میں انکار کرتا ہوں ؟ " تب وہ کہنے لگا کہ حرص دنیا کی ، کسی کے جی سے نہیں گئی ۔ چنانچہ کسو کب نے یہ کبت کہا ہے :

نکھ بن کٹا دیکھے ، سیس دھاری جٹا دیکھے ،
جوگی کن پھٹا دیکھے ، چھار لائے تن میں
منی ان بول دیکھے ، سیوڑا سرچھول دیکھے ،
کرت کلول دیکھے ، بن کھنڈی بن میں
بیر دیکھے ، سور دیکھے ، سب گنی اور کوڑھ دیکھے ،
مایا کے پور دیکھے ، بھول رہے دھن میں
ادی انت سکھی دیکھے ، جنم ہی کے دکھی دیکھے ،
پر وے نہ دیکھے ، جن کے لوبھ نہیں من میں

میں نے یہ سن کر جواب دیا کہ "یہ سچ ہے ، پر میں

کچھ نہیں چاہتا ۔ اگر فرماؤ تو ایک رقعہ ، سربہ مہر ، اپنے مطلب کا ، لکھ کر دوں ، جو حضور ملکہ کے پہنچا دو تو بڑی مہربانی ہے ، گویا تمام دنیا کا مال مجھ کو دیا ۔" بولا " بہ سر و چشم! کیا مضائقہ ؟ " میں نے ایک رقعہ لکھا ، پہلے شکر خدا کا ، پھر احوال کہ :

" یہ بندہ خدا کا کئی روز سے اس شہر میں وارد ہے اور سرکار سے سب طرح کی خبر گیری ہوتی ہے ۔ جیسی خوبیاں اور نیک نامیاں، ملکہ کی سن کر، اشتیاق دیکھنے کا ہؤا تھا ، اُس سے چار چند پایا ۔ اب حضور کے ارکان دولت یوں کہتے ہیں کہ جو مطلب اور تمنا تیری ہو ، سو ظاہر کر ۔ اس واسطے بے حجابانہ ، جو دل کی آرزو ہے ، سو عرض کرتا ہوں کہ میں دنیا کے مال کا محتاج نہیں ۔ اپنے ملک کا میں بھی پادشاہ ہوں ۔ فقط یہاں تلک آنا اور محنت اُٹھانا ، آپ کے اشتیاق کے سبب سے ہؤا ، جو تن تنہا اس صورت سے آ پہنچا ہوں ۔ اب اُمید ہے کہ حضور کی توجہ سے ، یہ خاک نشین ، مطلب دلی کو پہنچے تو لائق ہے ۔ آگے جو مرضی مبارک ۔ لیکن اگر یہ التماس خاکسار کا قبول نہ ہوگا ، تو اسی طرح خاک چھانتا پھرے گا اور اس جان بے قرار کو آپ کے عشق میں نثار کرے گا ۔ مجنوں اور فرہاد کی مانند جنگل میں یا پہاڑ پر مر رہے گا ۔"

یہی مدعا لکھ کر اُس خوجے کو دیا ۔ اُس نے بادشاہزادی تلک پہنچایا ۔ بعد ایک دم کے پھر آیا اور میرے تئیں بلایا اور اپنے ساتھ محل کی ڈیوڑھی پر لے گیا ۔ وہاں جا کر

دیکھا تو ایک بوڑھی سی عورت ، صاحب لیاقت ، سنہری کرسی پر ، گہنا پاتا پہنے ہوئے ، بیٹھی ہے اور کئی خوجے خدمت گار، تکلف کے لباس پہنے ہوئے ، ہاتھ باندھے سامنے کھڑے ہیں ۔ میں اُسے مختارکار جان کر اور دیرینہ سمجھ کر دست بسر ہؤا ۔ اُس ماما نے بہت مہربانی سے سلام کیا اور حکم کیا کہ " آؤ بیٹھو ۔ خوب ہؤا ، تم آئے ۔ تمھیں نے ، ملکہ کے اشتیاق کا ، رقعہ لکھا تھا؟ " میں شرم کھا کر چپ ہو رہا اور سر نیچا کر کے بیٹھا ۔

ایک ساعت کے بعد بولی کہ " اے جوان! پادشاہ زادی نے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ ' مجھ کو خاوند کرنے سے عیب نہیں ۔ تم نے میری درخواست کی ، لیکن اپنی بادشاھت کا بیان کرنا اور اس فقیری میں ، اپنے تئیں پادشاہ سمجھنا اور اُس کا غرور کرنا ، نپٹ بیجا ہے ، اس واسطے کہ سب آدمی ، آپس میں فی‌الحقیقت ایک ہیں لیکن فضیلت دین اسلام کی البتہ ہے ۔ اور میں بھی ایکِ مدت سے شادی کرنے کی آرزومند ہوں اور جیسے تم دولت دنیا سے بے پروا ہو ، میرے تئیں بھی حق تعالیٰ نے اتنا مال دیا ہے کہ جس کا کچھ حساب نہیں ۔ پر ایک شرط ہے کہ پہلے مہر ادا کر لو ۔' اور مہر شہزادی کا ایک بات ہے جو تم سے ہو سکے ۔" میں نے کہا " میں سب طرح حاضر ہوں ، جان و مال سے دریغ نہیں کرنے کا ، وہ بات کیا ہے؟ کہو تو میں سنوں! " تب اُس نے کہا " آج کے دن رہ جاؤ ، کل تمھیں کہہ دوں گی ۔" میں نے خوشی سے قبول کیا اور رخصت ہو کر باہر آیا ۔

دن توگزرا ۔ جب شام ہوئی مجھے ایک خواجہ‌سرا ، محل میں بلا کر لے گیا ۔ جا کر دیکھا تو اکابر عالم اور فاضل ، صاحب شرع حاضر ہیں ۔ میں بھی اُسی جلسے میں جا کر بیٹھا کہ اتنے میں دستر خوان بچھایا گیا اور کھانے ، اقسام اقسام کے ، شیریں اور نمکین چنے گئے ۔ وے سب کھانے لگے اور مجھے بھی تواضع کر کر شریک کیا ۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی ، ایک دائی اندر سے آئی اور بولی کہ " بہرور کہاں ہے ؟ اُسے بلاؤ ۔" یساولوں نے وونہیں حاضر کیا ۔ اُس کی صورت بہت مردآدمی کی سی اور بہت سی کنجیاں ، روپے سونے کی کمر میں لٹکتیں ہوئیں ، سلام علیک کر کر میرے پاس آ کر بیٹھا ۔ وہی دائی کہنے لگی کہ " اے بہرور ! تو نے جو کچھ دیکھا ہے ، مفصل اس کا بیان کر ۔"

بہرور نے یہ داستان کہنی شروع کی اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا " اے عزیز ! ہماری پادشاہ زادی کی سرکار میں ہزاروں غلام ہیں کہ سوداگری کے کام میں متعین ہیں ، ان میں سے ایک میں بھی ادنیٰ‌خانہ‌زاد ہوں ۔ ہر ایک ملک کی طرف لاکھوں روپے کا اسباب اور جنس دے کر رخصت فرماتی ہیں ۔ جب وہ وہاں سے پھر آتا ہے ، تب اُس سے اُس دیس کا احوال اپنے حضور میں پوچھتی ہیں اور سنتی ہیں ۔ ایک بار یہ اتفاق ہؤا کہ یہ کم‌ترین تجارت کی خاطر چلا اور شہر نیم روز میں پہنچا ۔ وہاں کے باشندوں کو دیکھا تو سب کا لباس سیاہ ہے ، اور ہر دم نالہ و آہ ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُن پر ، کچھ بڑی

مصیبت پڑی ہے ۔ اس کا سبب جس سے میں پوچھتا ، کوئی جواب میرا نہ دیتا ۔ اسی حیرت میں کئی روز گزرے ۔ ایک دن جونہیں صبح ہوئی ، تمام آدمی چھوٹے بڑے ، لڑکے بوڑھے ، غریب غنی ، شہر کے باہر چلے ۔ ایک میدان میں جا کر جمع ہوئے ، اور اُس ملک کا پادشاہ بھی سب امیروں کو ساتھ لے کر سوار ہؤا ، اور وہاں گیا ۔ تب، سب برابر قطار باندھ کر کھڑے ہوئے۔

” میں بھی اُن کے درمیان کھڑا تماشا دیکھتا تھا ، پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وے سب ، کسو کا انتظار کھینچ رہے ہیں ۔ ایک گھڑی کے عرصے میں ، دور سے ایک جوان پری‌زاد ، صاحب جمال ، پندرہ سولہ برس کا سن و سال، غل اور شور کرتا ہؤا ، اور کف منہ سے جاری ، زرد بیل کی سواری ، ایک ہاتھ میں کچھ لئے مقابل خلق‌اللہ کے آیا اور اپنے بیل پر سے اُترا ۔ ایک ہاتھ میں ناتھ اور اور ایک ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر ، دو زانو بیٹھا ۔ ایک گل‌اندام پری‌چہرہ اُس کے ہمراہ تھا ، اُس کو اُس جوان نے وہ چیز جو ہاتھ میں تھی ، دی ۔ وہ یتیم لے کر ایک سرے سے ہر ایک کو دکھاتا جاتا تھا ۔ لیکن یہ حالت تھی کہ جو کوئی دیکھتا تھا ، بے اختیار داڑھ مار کر روتا تھا۔ اسی طرح سب کو دکھاتا اور رلاتا ہؤا سب کے سامنے سے ہو کر اپنے خاوند کے پاس پھر گیا ۔

” اُس کے جاتے ہی وہ جوان اُٹھا اور اُس غلام کا سر شمشیر سے کاٹ کر، اور سوار ہو کر، جیدھر سے آیا تھا، اُودھر کو چلا ۔ سب کھڑے دیکھا کئے ۔ جب نظروں سے

غائب ہؤا ، لوگ شہر کی طرف پھرے ۔ میں ہر ایک سے اس ماجرے کی حقیقت پوچھتا تھا بلکہ روپوں کا لالچ دیتا اور خوشامد منت کرتا کہ ' مجھے ذرا بتا دو کہ یہ جوان کون ہے ؟ اور اس نے یہ کیا حرکت کی ؟ اور کہاں سے آیا اور کہاں گیا ؟' ہرگز کسی نے نہ بتلایا اور نہ کچھ میرے خیال میں آیا۔ یہ تعجب دیکھ کر،جب میں یہاں آیا اور ملکہ کے روبرو اظہار کیا ، تب سے پادشاہ زادی بھی حیران ہو رہی ہے اور اس کے تحقیق کرنے کی خاطر دو دلی ہو رہی ہے ۔ لہذا مہر اپنا یہی مقرر کیا ہے کہ جو شخص اس عجوبے کی ، کماحقہ ، خبر لاوے ، اس کو پسند فرماوے اور وہی مالک ، سارے ملک کا اور ملکہ کا ، ہووے ۔

" یہ ماجرا تم نے سب سنا ۔ اپنے دل میں غور کرو، اگر تم اس جوان کی خبر لا سکو تو قصد، ملک نیم روز کا، کرو اور جلد روانہ ہو ۔ نہیں تو انکار کر کر ، اپنے گھر کی راہ لو ۔" میں نے جواب دیا کہ " اگر خدا چاہے تو جلد اس کا احوال، سر سے پاؤں تک، دریافت کر کر، پادشاہ‌زادی کے پاس آ پہنچتا ہوں اور کامیاب ہوتا ہوں ، اور جو میری قسمت بد ہے تو اس کا کچھ علاج نہیں ۔ لیکن ملکہ اس کا قول و قرار کریں کہ اپنے کہنے سے نہ پھریں ۔ اور بالفعل ، ایک اندیشۂ مشکل میرے دل میں خلش کر رہا ہے، اگر ملکہ غریب‌نوازی اور مسافر پروری سے حضور میں بلاویں اور پردے کے باہر بٹھلاویں اور میرا التماس اپنے کانوں سنیں اور اس کا جواب اپنی زبان سے فرماویں

تو میری خاطر جمع ہو اور مجھ سے سب کچھ ہو سکے ۔"
یہ میرے مطلب کی بات ماما نے روبرو اُس پری پیکر کے عرض کی ، بارے قدردانی کی راہ سے حکم کیا کہ انھیں بلا لو ۔

دائی پھر باہر آئی اور مجھے اپنے ساتھ ، جس محل میں پادشاہ زادی تھی ، لے گئی ۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دوروبہ صف باندھے ، دست بستہ سہیلیاں اور خواصیں اور اردابیگنیاں ، قلماقنیاں ، ترکنیاں ، حبشنیاں ، اُذبکنیاں ، کشمیرنیاں ، جواہر میں جڑی ، عہدے لئے کھڑی ہیں ۔ اندر کا اکھاڑا کہوں یا پریوں کا آتارا ؟ بے اختیار ایک آہ ، بے خودی سے زبان تک آئی اور کلیجہ تھلکنے لگا ، پر بہ‌زور اپنے تئیں تھانبا ۔ اُن کو دیکھتا بھالتا اور سیر کرتا ہؤا آگے چلا ، لیکن پاؤں سو سو من کے ہوگئے ۔ جس کو دیکھوں، پھر یہ نہ جی چاہے کہ آگے جاؤں ۔ ایک طرف چلون پڑی تھی اور مونڈھا جڑاؤ بچھوا رکھا تھا اور ایک چوکی بھی صندل کی بچھی تھی ۔ دائی نے مجھے بیٹھنے کی اشارت کی ۔ میں مونڈھے پر بیٹھ گیا اور وہ چوکی پر ۔ کہنے لگی " لو اب جو کہنا ہے ، سو جی بھر کر کہو ۔"

میں نے ملکہ کی خوبیوں کی اور عدل و انصاف ، داد و دھش کی پہلے تعریف کی ۔ پھر کہنے لگا " جب سے میں اس ملک کی سرحد میں آیا، ہر ایک منزل میں یہی دیکھا کہ جابہ جا مسافرخانے اور عمارتیں عالی بنی ہوئی ہیں اور آدمی ہر ایک عہدے کے تعینات ہیں کہ خبرگیری ، مسافروں اور محتاجوں کی، کرتے ہیں ۔ مجھے بھی تین تین دن

ہر ایک مقام میں گزرے ۔ چوتھے روز جب رخصت ہونے لگا تب بھی کسو نے خوشی سے نہ کہا کہ جاؤ ، اور جتنا اسباب اُس مکان میں تھا — شطرنجی، چاندنی ، قالینیں، سیتل پاٹی ، منگل کوٹی ، دیوارگیری ، چھت پردے ، چلونیں ، سائبان ، نم گیرے ، چھپرکھٹ مع غلاف اوقچہ ، توشک ، بالا پوش ، سیج بند ، چادر ، تکیے ، تکینی ، گل تکیے ، مسند ، گاؤ تکیے ، دیگ ، دیگچی ، پتیلی ، طباق ، رکابی ، بادیے ، تشتری ، چمچے ، بکاولی ، کف گیر ، طعام بخش ، سرپوش ، سینی ، خوان پوش ، تورا پوش ، آب خورے ، بجھرے ، صراحی ، لگن ، پان‌دان ، چوگھرے ، چنگیر ، گلاب‌پوش ، عود سوز ، آفتابہ ، چلمچی — سب میرے حوالے کئے کہ ' یہ تمھارا مال ہے ، چاہو اب لے جاؤ ، نہیں تو ایک کوٹھری میں بند کر کر اپنی مہر کرو ، جب تمھاری خوشی ہوگی پھرتے ہوئے لے جائیو ۔' میں نے یونہیں کیا ۔ پر یہ حیرت ہے کہ مجھ سے فقیر تنہا سے یہ سلوک ہؤا، تو ایسے غریب ہزاروں تمھارے ملکوں میں آتے جاتے ہوں گے ۔ پس اگر ہر ایک سے یہی مہمان داری کا طور رہتا ہو گا ، تو مبلغ بے حساب خرچ ہوتے ہوں گے ۔ پس اتنی دولت کہ جس کا یہ صرف ہے ، کہاں سے آئی اور کیسی ہے ؟ اگر گنج‌قارون ہو تو بھی وفا نہ کرے ۔ اور ظاہر میں اگر ملکہ کی سلطنت پر نگاہ کیجیے تو اُس کی آمدنی فقط باورچی خانے کے خرچ کو بھی کفایت نہ کرتی ہوگی ، اور خرچوں کا تو کیا ذکر ہے ! اگر اس کا بیان ملکہ کی زبان سے سنوں تو خاطر جمع ہو ، قصد ملک نیم روز کا کروں ، اور جوں توں وہاں جا پہنچوں ۔ پھر

سب احوال دریافت کر کے ملکہ کی خدمت میں ، بہ شرط زندگی ، بار دگر حاضر ہوں ، اپنے دل کی مراد پاؤں ۔"

یہ سن کر ملکہ نے اپنی زبان سے کہا کہ "اے جوان ! اگر تجھے آرزو کمال ہے کہ یہ ماہیت دریافت کرے تو آج کے دن بھی مقام کر ، شام کو تجھے ، حضور میں طلب کر کر، جو کچھ احوال اس دولت بے زوال کا ہے ، بے کم و کاست کہا جائے گا ۔" میں یہ تسلی پا کر اپنی استقامت کے مکان پر آ کر منتظر تھا کہ کب شام ہو جو میرا مطلب تمام ہو ۔ اتنے میں خواجہ سرا ، کئی چوگوشے ، تورا پوش پڑے ، بھوئیوں کے سر پر دھرے ، آ کر موجود ہؤا اور بولا کہ "حضور سے آلش خاص عنایت ہؤا ہے ، اس کو تناول کرو ۔" جس وقت میرے سامنے کھولے، بوباس سے دماغ معطر ہؤا اور روح بھر گئی ، جتنا کھا سکا کھا لیا ، باقی آن سبھوں کو اٹھا دیا اور شکر نعمت کہہ بھجایا ۔ بارے جب آفتاب ، تمام دن کا مسافر، تھکا ہؤا، گرتا پڑتا ، اپنے محل میں داخل ہؤا اور ماہتاب ، دیوان خانے میں ، مصاحبوں کو ساتھ لے کر، نکل بیٹھا ، اُس وقت دائی آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ "چلو ، پادشاہ زادی نے یاد فرمایا ہے ۔"

میں اُس کے ہمراہ ہو لیا ، خلوت خاص میں لے گئی ۔ روشنی کا یہ عالم تھا کہ شب قدر کو وہاں قدر نہ تھی اور پادشاہی فرش پر مسند مغرق بچھی ، مرصع کا تکیہ لگا ہؤا، اور اُس پر ایک شمیانہ، موتیوں کی جھالر کا، جڑاؤ استادوں پر کھڑا ہؤا ، اور سامنے مسند کے ، جواہر کے

درخت ، پھول پات لگے ہوئے ، (گویا عین مین قدرتی ھیں) سونے کی کیاریوں میں جمے ہوئے ، اور دونوں طرف ، دست راست اور دست چپ ، شاگرد پیشے اور مجرائی ، دست بستہ ، با ادب ، آنکھیں نیچے کئے ہوئے ، حاضر تھے۔ اور طوائف اورگائنیں ، سازوں کے سر بنائے ، منتظر ۔ یہ سماں اور یہ تیاری ، کروفر کی ، دیکھ کر عقل ٹھکانے نہ رہی ۔ دائی سے پوچھا کہ ” دن کو وہ زیبایش اور رات کو یہ آرایش کہ دن عید اور رات شب برات کہا چاہیے بلکہ دنیا میں بادشاہ ہفت اقلیم کو یہ عیش میسر نہ ہو گا ، ہمیشہ یہی صورت رہتی ہے؟“ دائی کہنے لگی کہ ”ہماری ملکہ کا جتنا کارخانہ تم نے دیکھا ، یہ سب اسی دستور سے جاری ہے ۔ اس میں ہرگز خلل نہیں بلکہ افزوں ہے ۔ تم یہاں بیٹھو ، ملکہ دوسرے مکان میں تشریف رکھتی ہیں ۔ جا کر خبر کروں ۔“

دائی یہ کہہ کر گئی ، اور اُنھیں پاؤں ، پھر آئی کہ ’چلو حضور میں ۔‘ بہ مجرد اُس مکان میں جاتے ہی، بھیچک رہ گیا ۔ نہ معلوم ہؤا کہ دروازہ کہاں اور دیوار کیدھر ہے ۔ اس واسطے کہ حلبی آئینے، قد آدم ، چاروں طرف لگے، اور اُن کی پردازوں میں ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے۔ ایک کا عکس ایک میں نظر آتا تو یہ معلوم ہوتا کہ جواہر کا سارا مکان ہے ۔ ایک طرف پردہ پڑا تھا ، اُس کے پیچھے ملکہ بیٹھیں تھیں ۔ وہ دائی پردے سے لگ کر بیٹھی اور مجھے بھی بیٹھنے کو کہا ۔ تب دائی ، ملکہ کے فرمانے سے، اس طور بیان کرنے لگی کہ ”سن اے جوان دانا!

سلطان اس اقلیم کا ، بڑا پادشاہ تھا - اُن کے گھر میں سات
بیٹیاں پیدا ہوئیں - ایک روز پادشاہ نے جشن فرمایا - یہ
ساتوں لڑکیاں ، سولہ سنگر ، بارہ ابھرن ، بال بال گج موتی
پرو کر ، بادشاہ کے حضور میں کھڑی تھیں - سلطان کے
کچھ جی میں آیا تو بیٹیوں کی طرف دیکھ کر فرمایا
' اگر تمھارا باپ بادشاہ نہ ہوتا اور کسی غریب کے گھر
تم پیدا ہوتیں ، تو تمھیں پادشاہ زادی اور ملکہ کون کہتا؟
خدا کا شکر کرو کہ شہزادیاں کہلاتی ہو - تمھاری یہ
ساری خوبی میرے دم سے ہے!'

" چھ لڑکیاں ایک زبان ہو کر بولیں کہ ' جہاں پناہ
جو فرماتے ہیں بجا ہے اور آپ ہی کی سلامتی سے ہماری
بھلائی ہے -' لیکن یہ ملکہ جہاں ، سب بہنوں سے چھوٹی
تھیں ، پر عقل و شعور میں اُس عمر میں بھی گویا سب سے
بڑی تھیں ، چپکی کھڑی رہیں - اس گفتگو میں بہنوں کی
شریک نہ ہوئیں ، اس واسطے کہ یہ کلمہ کفر کا ہے -
بادشاہ نے نظر غضب سے ان کی طرف دیکھا اور کہا
' کیوں بی بی ! تم کچھ نہ بولیں ، اس کا کیا باعث ہے ؟'
تب ملکہ نے دونوں ہاتھ اپنے، رومال سے باندھ کر، عرض
کی کہ ' اگر جان کی امان پاؤں اور تقصیر معاف ہو تو یہ
لونڈی اپنے دل کی بات گزارش کرے -' حکم ہؤا کہ
' کہہ ، کیا کہتی ہے؟' تب ملکہ نے کہا کہ ' قبلۂ عالم!
آپ نے سنا ہے کہ سچی بات کڑوی لگتی ہے ، سو اس
وقت میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر عرض کرتی ہوں ،
اور جو کچھ میری قسمت میں لکھنے والے نے لکھا ہے ،

اُس کا مٹانے والا کوئی نہیں ، کسو طرح نہیں ٹلنے کا :

خواہ تم پاؤں گھسو یا کہ رکھو سر بسجود
بات پیشانی کی جو کچھ ہے سو پیش آتی ہے

' جس بادشاہ علی‌الا طلاق نے آپ کو بنایا ، اُنھیں نے مجھے بھی بادشاہ زادی کہوایا ۔ اُس کی قدرت کے کارخانے میں کسو کا اختیار نہیں چلتا ۔ آپ کی ذات ، ہماری ولی‌نعمت اور قبلہ و کعبہ ہے ۔ حضرت کے قدم مبارک کی خاک کو اگر سرمہ کروں تو بجا ہے ، مگر نصیب ہر ایک کے ہر ایک کے ساتھ ہیں ۔' پادشاہ یہ سن کر طیش میں آئے اور یہ جواب دل پر سخت گراں معلوم ہؤا ، بیزار ہو کر فرمایا ' چھوٹا منہ بڑی بات ، اب اس کی یہی سزا ہے کہ گہنا پاتا ، جو کچھ اس کے ہاتھ گلے میں ہے ، اُتار لو اور ایک سیانے میں چڑھا کر، ایسے جنگل میں کہ جہاں نام‌ونشان آدمی نہ آدم‌زاد کا ہو، پھینک آؤ ۔ دیکھیں، اس کے نصیبوں میں کیا لکھا ہے ؟'

"بہ موجب حکم پادشاہ کے ، اُس آدھی رات میں کہ (عین اندھیری‌تھی) ملکہ کو(جو جونرے بھونرے میں پلی تھیں اور سوائے اپنے محل کے، دوسری جگہ نہ دیکھی‌تھی) بھوئی لے جا کر ایک میدان میں (کہ وہاں پرندہ پر نہ مارتا ، انسان کا تو کیا ذکر ہے) چھوڑ کر چلے آئے ۔ ملکہ کے دل پر عجب حالت گزرتی تھی کہ ایک دم میں کیا تھا اور کیا ہو گیا ؟ پھر اپنے خدا کی جناب میں شکر کرتیں اور کہتیں ' تو ایسا ھی بے نیاز ہے ! جو چاھا سو کیا ، اور جو چاھتا ہے سو کرتا ہے ، اور جو چاہے گا

سو کرے گا ۔ جب تلک نتھنوں میں دم ہے ، تجھ سے نا اُمید نہیں ہوتی ۔' اسی اندیشے میں آنکھ لگ گئی ۔ جس وقت صبح ہونے لگی ، ملکہ کی آنکھ کھل گئی ۔ پکاریں کہ وضو کو پانی لانا ، پھر ایک بارگی رات کی بات چیت یاد آئی کہ تو کہاں اور یہ بات کہاں ؟ یہ کہہ کر اُٹھ کر تیمم کیا اور دوگانہ شکر کا پڑھا ۔ اے عزیز ! ملکہ کی اس حالت کے ، سننے سے چھاتی پھٹتی ہے اس بھولے بھالے جی سے پوچھا چاہیے کہ کیا کہتا ہوگا ۔

"غرض اُس میانے میں بیٹھی ہوئی ، خدا سے لو لگائے رہیں تھیں ، اور یہ کبت اُس دم پڑھتی تھیں :

جب دانت نہ تھے ، تب دودھ دیو ،
جب دانت دئے ، کہا : ان نہ دئے ہے
جو جل میں ، تھل میں ، پنچھی پشو
کی سدھ لیت ، سو تیری بھی لئے ہے
کا ہے کو سوچ کرے ، من مورکھ ،
سوچ کرے کچھ ہاتھ نہ آئے ہے
جان کو دیت ، اجان کو دیت ،
جہان کو دیت ، سو توکو بھی دئے ہے

"سچ ہے جب کچھ بن نہیں آتا ، تب خدا ہی یاد آتا ہے ۔ نہیں تو اپنی اپنی تدبیر میں ، ہر ایک لقمان اور بو علی سینا ہے ۔ اب خدا کے کارخانے کا تماشا سنو ۔ اسی طرح تین دن رات صاف گزر گئے کہ ملکہ کے منہ میں ، ایک کھیل بھی اُڑ کر نہ گئی ۔ وہ پھول سا بدن ، سو کھ کر کانٹا ہو گیا اور وہ رنگ جو کندن سا دمکتا تھا ، ہلدی سا بن گیا ۔ منہ میں پھپھڑی بندھ گئی ، آنکھیں پتھرا گئیں ،

مگر ایک دم اٹک رہا تھا کہ وہ آتا جاتا تھا ۔ جب تلک سانس تب تلک آس ۔ چوتھے روز صبح کو ، ایک درویش ، خضر کی سی صورت ، نورانی چہرہ ، روشن دل آ کر پیدا ہؤا ۔ ملکہ کو اس حالت میں دیکھ کر بولا ' اے بیٹی ! اگرچہ تیرا باپ بادشاہ ہے لیکن تیری قسمت میں یہ بھی بدا تھا۔ اب اس فقیر بوڑھے کو اپنا خادم سمجھ ، اور اپنے پیدا کرنے والے کا رات دن دھیان رکھ ، خدا خوب کرے گا ۔' اور فقیر کے کچکول میں جو ٹکڑے بھیک کے موجود تھے، ملکہ کے روبرو رکھے اور پانی کی تلاش میں پھرنے لگا ۔ دیکھے تو ایک کنواں تو ہے ، پرڈول رسی کہاں ، جس سے پانی بھرے ؟ تھوڑے پتے درخت سے توڑ کر ، دونا بنایا اور اپنی سیلی کھول کر، اُس میں باندھ کر نکالا اور ملکہ کو کچھ کھلایا پلایا ۔ بارے ٹک ہوش آیا ۔ اُس مرد خدا نے بے کس اور بے بس جان کر، بہت سی تسلی دی ، خاطر جمع کی اور آپ بھی رونے لگا ۔ ملکہ نے جب ، غم خواری اور دل داری اُس کی بے حد دیکھی ، تب ان کے بھی مزاج کو استقلال ہؤا ۔ اُس روز سے اُس پیرمرد نے یہ مقرر کیا کہ صبح کو بھیک مانگنے کے لئے شہر میں نکل جاتا ۔ جو ٹکڑا پارچہ پاتا ، ملکہ کے پاس لے آتا اور کھلاتا ۔

" اس طور سے تھوڑے روزگزرے ۔ ایک دن ملکہ نے ، تیل سر میں ڈالنے اور کنگھی چوٹی کرنے کا قصد کیا ۔ جونہیں مباف کھولا ، چٹلے میں سے ایک موتی کا دانہ ، گول آبدار نکل پڑا ۔ ملکہ نے اُس درویش کو دیا اور کہا ' شہر میں سے اس کو بیچ لاؤ ۔' وہ فقیر ، اس گوہر کو

پہنچ کر ، اُس کی قیمت پادشاہ زادی کے پاس لے آیا ۔ تب ملکہ نے حکم کیا کہ 'ایک مکان ، موافق گزران کے، اس جگہ بنواؤ ۔' فقیر نے کہا ' اے بیٹی! نیو دیوار کی ، کھود کر تھوڑی سی مٹی جمع کرو ۔ ایک دن میں پانی لا کر ، گارا کر کر ، گھر کی بنیاد درست کر دوں گا ۔' ملکہ نے اُس کے کہنے سے مٹی کھودنی شروع کی ۔ جب ایک گز عمیق گڑھا کھودا گیا ، زمین کے نیچے سے ایک دروازہ نمودار ہؤا ۔ ملکہ نے اس در کو صاف کیا ۔ ایک بڑا گھر جواھر اور اشرفیوں سے معمور نظر آیا ۔ ملکہ نے پانچ چار لپ ، اشرفیوں کی لے کر، پھر بند کیا ، اور مٹی دے کر اوپر سے ھموار کر دیا ۔ اتنے میں فقیر آیا ۔ ملکہ نے فرمایا کہ 'راج اور معمار، کاری گر اور اپنے کام کے اُستاد اور مزدور جلد دست، بلاؤ جو اس مکان پر ایک عمارت پادشاھانہ کہ طاق کسریٰ کا جفت ہو، اور قصر نعمان سے سبقت لے جائے ، اور شہر پناہ ، اور قلعہ ، باغ اور باؤلی ، اور ایک مسافر خانہ کہ لاثانی ہو ، جلد تیار کریں ۔ لیکن پہلے نقشہ ان کا ، ایک کاغذ پر درست کر کے ، حضور میں لاویں جو پسند کیا جائے ۔'

" فقیر نے ایسے ھی کار کن ، کار کردہ ، ذی ھوش لا کر حاضر کئے ۔ موافق فرمانے کے ، تعمیر عمارت کی ھونے لگی ۔ اور نوکر چاکر ھر ایک کارخانہ جات کی خاطر، چن چن کر، فہمیدہ اور بادیانت ملازم ھونے لگے ۔ اس عمارت عالی شان کی تیاری کی خبر ، رفتہ رفتہ پادشاہ ظل سبحانی کو (جو قبلہ گاہ ملکہ کے تھے) پہنچی ۔ سن کر بہت متعجب ھوئے ، اور ھر ایک سے پوچھا کہ ' یہ کون شخص ہے جن نے

یہ محلات بنانے شروع کئے ہیں ؟' اس کی کیفیت سے کوئی واقف نہ تھا جو عرض کرے - سبھوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ ' کوئی غلام نہیں جانتا کہ اس کا بانی کون ہے !' تب پادشاہ نے ایک امیر کو بھیجا اور پیغام دیا کہ ' میں ان مکانوں کے دیکھنے کو آیا چاہتا ہوں ، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کہاں کی پادشاہ زادی ہو اور ، کس خاندان سے ہو - یہ سب کیفیت دریافت کرنی اپنے تئیں منظور ہے -'

" جونہیں ملکہ نے یہ خوش خبری سنی ، دل میں بہت شاد ہو کر عرضی لکھی کہ :

' جہاں پناہ ، سلامت ! حضور کے تشریف لانے کی خبر ، طرف غریب خانے کی ، سن کر نہایت خوشی حاصل ہوئی اور سبب حرمت اور عزت ، اس کم‌ترین کا ہؤا - زہے طالع اس مکان کے ! کہ جہاں قدم مبارک کا نشان پڑے اور وہاں کے رہنے‌والوں پر دامن دولت سایہ کرے اور نظر توجہ سے وے دونوں سرفراز ہوویں - یہ لونڈی امیدوار ہے کہ کل روز پنج‌شنبہ روزمبارک ہے اورسیرے نزدیک ، بہتر روز نو روز سے ہے ، آپ کی ذات مشابہ آفتاب کے ہے ، تشریف فرما کر ، اپنے نور سے اس ذرۂ بے مقدار کو قدر و منزلت بخشیے اور جو کچھ اس عاجزہ سے میسر ہوسکے ، نوش جان فرمائیے - یہ عین غریب نوازی اور مسافر پروری ہے ، زیادہ حدادب -' اور اس عمدہ کو بھی ، کچھ تواضع کر کر ، رخصت کیا -

" پادشاہ نے عرضی پڑھی اور کہلا بھیجا کہ ' ہم

نے تمھاری دعوت قبول کی ، البتہ آویں گے ۔' ملکہ نے نوکروں اور سب کارباریوں کو حکم کیا کہ ' لوازمہ ضیافت کا ، ایسے سلیقے سے تیار ہو کہ پادشاہ ، دیکھ کر اور کھا کر، بہت محظوظ ہوں ۔ اور ادنیٰ اعلیٰ، جو پادشاہ کی رکاب میں آویں ، سب کھا پی کر خوش ہو کر جاویں۔' ملکہ کے فرمانے اور تاکید کرنے سے، سب قسم کے کھانے ، سلونے اور میٹھے ، اس ذائقے کے تیار ہوئے کہ اگر باھمن کی بیٹی کھاتی تو کلمہ پڑھتی ۔ جب شام ہوئی ، بادشاہ سنڈے تخت پرسوار ہو کر ، ملکہ کے مکان کی طرف تشریف لائے ۔ ملکہ ، اپنی خان خواص سہیلیوں کو لے کر، استقبال کے واسطے چلیں ۔ جوں بادشاہ کے تخت پر نظر پڑی ، اس آداب سے مجرا شاہانہ کیا کہ یہ قاعدہ دیکھ کر پادشاہ کو اور بھی حیرت نے لیا اور آسی انداز سے، جلوہ کر کر، پادشاہ کو تخت مرصع پر لا بٹھایا ۔ ملکہ نے سوا لاکھ روپے کا، چبوترہ تیار کروا رکھا تھا اور ایک سوایک کشتی جواھر، اور اشرفی، اور پشمینہ،اور نوربافی، اور ریشمی، اور طلابافی، اور زردوزی کی لگا رکھی تھی ۔ اور دو زنجیر فیل، اور دس راس اسپ، عراقی اور یمنی مرصع کے ساز سے، تیار کر رکھے تھے، نذر گزرانے اور آپ ، دونوں ھاتھ باندھے روبرو کھڑی رھیں ۔ پادشاہ نے بہت مہربانی سے فرمایا کہ ' تم کس ملک کی شہزادی ہو، اور یہاں کس صورت سے آنا ہؤا؟'

''ملکہ نے آداب بجا لا کر التماس کیا کہ 'یہ لونڈی وھی گنہ گار ھے جو غضب سلطانی کے باعث ، اس جنگل میں پہنچی اور یہ سب تماشے خدا کے ھیں جو آپ دیکھتے

ھیں ۔' یہ سنتے ھی پادشاہ کے لھو نے جوش مارا ، آٹھ کر محبت سے گلے لگا لیا اور ھاتھ پکڑ کے ، اپنے تخت کے پاس کرسی بچھوا کر، حکم بیٹھنے کا کیا ۔ لیکن پادشاہ حیران اور متعجب بیٹھے تھے ۔ فرمایا کہ ' پادشاہ بیگم کو کھو کہ پادشاہ زادیوں کو اپنے ساتھ لے کر جلد آویں ۔' جب وے آئیں ، بہنوں نے پہچانا ، اور گلے مل کر روئیں اور شکر کیا ۔ ملکہ نے ، اپنی والدہ اور چھیوں ھمشیروں کے روبرو، اتنا کچھ نقد اور جواھر رکھا کہ خزانہ تمام عالم کا ، اس کے پاسنگ میں نہ چڑھے ۔ پھر بادشاہ نے سب کو ساتھ بٹھا کر خاصہ نوش جان فرمایا ۔

" جب تلک جہاں پناہ جیتے رھے ، اسی طرح گزری ۔ کبھو کبھو آپ آتے اور کبھی ملکہ کو بھی اپنے ساتھ محلوں میں لے جاتے ۔ جب پادشاہ نے رحلت فرمائی ، سلطنت اس اقلیم کی ، ملکہ کو پہنچی کہ ان کے سوا دوسرا کوئی ، لائق اس کام کے نہ تھا۔ اے عزیز! سرگزشت یہ ھے جو تو نے سنی ۔ پس دولت خدا داد کو ھرگز زوال نہیں ھوتا ۔ مگر آدمی کی نیت درست چاھیے بلکہ جتنی خرچ کرو اس میں آتنی ھی برکت ھوتی ھے ۔ خدا کی قدرت میں تعجب کرنا کسی مذھب میں روا نہیں!"

دائی نے یہ بات کہہ کر کہا " اب اگر، قصد وھاں کے جانے کا اور اس کی خبر لانے کا ، دل میں مقرر رکھتے ھو تو جلد روانہ ھو۔" میں نے کہا "اسی وقت میں جاتا ھوں اور خدا چاھے تو جلد پھر آتا ھوں ۔" آخر رخصت ھو کر، فضل الٰھی پر نظر رکھ کر، اس سمت کو چلا ۔

برس دن کے عرصے میں، ہرج مرج کھینچتا ہؤا، شہر نیمروز میں جا پہنچا۔ جتنے وہاں کے آدمی، ہزاری اور بزاری نظر پڑے، سیاہ پوش تھے، جیسا احوال سنا تھا، اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کئی دنوں کے بعد چاند رات ہوئی۔ پہلی تاریخ، سارے لوگ اُس شہر کے، چھوٹے بڑے لڑکے بالے، اُمراء پادشاہ، عورت مرد، ایک میدان میں جمع ہوئے۔ میں بھی اپنی حالت میں حیران و سرگردان اُس کثرت کے ساتھ، اپنے مال ملک سے جدا، فقیر کی صورت بنا ہؤا، کھڑا دیکھتا تھا کہ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اتنے میں ایک نوجوان گاؤسوار، منہ میں کف بھرے، جوش خروش کرتا ہؤا جنگل سے باہر نکلا۔ یہ عاجز جو اتنی محنت کرکے اُس کا احوال دریافت کرنے کی خاطر گیا تھا، دیکھتے ہی اُسے حواس باختہ ہو کر حیران کھڑا رہ گیا۔ وہ جوان مرد، قدیم قاعدے پر جو جو کام کرتا تھا، کر کر پھر گیا اور خلقت شہر کی، شہر کی طرف متوجہ ہوئی۔ جب مجھے ہوش آیا تب میں پچھتایا کہ یہ کیا تجھ سے حرکت ہوئی۔ اب مہینے بھر، پھر راہ دیکھنی پڑی۔ لاچار سب کے ساتھ چلا آیا اور اُس مہینے کو، ماہ رمضان کے مانند، ایک ایک دن گن گن کر کاٹا۔ بارے دوسری چاندرات آئی، مجھے گویا عید ہوئی۔ غرّے کو پھر پادشاہ، خلقت سمیت، وہیں جا کر اکٹھے ہوئے۔ تب میں نے دل میں مصمم ارادہ کیا کہ اب کی بار جو ہو سو ہو، اپنے تئیں سنبھال کر اس ماجرائے عجیب کو معلوم کیا چاہیے۔

ناگاہ جوان بدستور، زرد بیل پر زین باندھے، سوار ہو

آ پہنچا ، اور اُتر کر دوزانو بیٹھا ۔ ایک ہاتھ میں ننگی سیف
اور ایک ہاتھ میں بیل کی ناتھ پکڑی اور مرتبان غلام کو
دیا ۔ غلام ہر ایک کو دکھا کر لے گیا ، آدمی دیکھ کر
رونے لگے ، اُس جوان نے مرتبان پھوڑا اور غلام کو ایک
تلوار ایسی ماری کہ سر جدا ہو گیا اور آپ سوار ہو کر
مڑا ۔ میں اُس کے پیچھے قدم اُٹھا کر چلنے لگا ۔ شہر کے
آدمیوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا '' یہ کیا کرتا
ہے ، کیوں جان بوجھ کر مرتا ہے ؟ اگر ایسا ہی تیرا
دم ناک میں آیا ہے تو بہتیری طرحیں مرنے کی ہیں ،
مر رہیو ۔'' ہر چند میں نے منت کی اور زور بھی کیا کہ
کسو صورت سے اُن کے ہاتھ سے چھوٹوں ، چھٹکارا نہ
ہؤا ۔ دو چار آدمی لپٹ گئے اور پکڑے ہوئے بستی
کی طرف لے آئے ۔ عجب طرح کا قلق پھر مہینے بھر گزرا ۔

جب وہ بھی مہینا تمام ہؤا اور سلخ کا دن آیا ۔ صبح
کواسی صورت سے سارے عالم، وہاں کا ازدحام ہؤا ۔ میں ،
الگ سب سے ، نماز کے وقت اُٹھ کر، آگے ہی جنگل میں
(جو عین اُس جوان کی راہ پر تھا) گھس کر چھپ رہا کہ
یہاں تو کوئی میرا مزاحم نہ ہوگا ۔ وہ شخص اُسی قاعدے
سے آیا اور وہی حرکتیں کر کر ، سوار ہؤا اور چلا ۔ میں
نے اُس کا پیچھا کیا اور دوڑتا دھونپتا ، ساتھ ہو لیا ۔ اُس
عزیز نے آہٹ سے معلوم کیا کہ کوئی چلا آتا ہے ۔ ایک
بارگی، باگ موڑ کر ایک نعرہ مارا اور گھرکا ۔ تلوار کھینچ
میرے سر پر آ پہنچا ۔ چاہتا تھا کہ حملہ کرے ، میں نے
نہایت ادب سے نہڑ کر سلام کیا اور دونوں ہاتھ باندھ کر

کھڑا رہ گیا ۔ وہ قاعدہ‌داں متکلم ہؤا کہ " اے فقیر ! تو ناحق مارا گیا ہوتا ، پر بچ گیا ۔ تیری حیات کچھ باقی ہے ۔ جا کہاں آتا ہے؟" اور جڑاؤ خنجر موتیوں کا اور آویزہ لگا ہؤا ، کمر سے نکال کر میرے آگے پھینکا اور کہا " اس وقت میرے پاس کچھ نقد موجود نہیں جو تجھے دوں ۔ اس کو پادشاہ پاس لے جا ۔ جو تو مانگے گا ، ملے گا ۔"

ایسی ہیبت اور رعب اُس کا مجھ پر غالب ہؤا کہ نہ بولنے کی قدرت ، نہ چلنے کی طاقت ۔ منہ میں گھگی بندھ گئی ، پاؤں بھاری ہو گئے ۔

اتنا کہہ کر وہ غازی مرد ، نعرہ بھرتا ہؤا چلا ۔ میں نے دل میں کہا " ہرچہ باداباد ، اب رہ جانا تیرے حق میں برا ہے ، پھر ایسا وقت نہ ملے گا ۔" اپنی جان سے ہاتھ دھو کر میں بھی روانہ ہؤا ۔ پھر وہ پھرا اور بڑے غصے سے ڈانٹا ، اور مقرر ارادہ میرے قتل کا کیا ۔ میں نے سر جھکا دیا اور سوگند دی کہ " اے رستم وقت کے ! ایسی ہی ایک سیف مار کہ صاف دو ٹکڑے ہو جاؤں ، ایک تسمہ باقی نہ رہے، اور اس حیرانی اور تباہی سے چھوٹ جاؤں ! میں نے اپنا خون معاف کیا !" وہ بولا کہ " اے شیطان کی صورت ! کیوں اپنا خون ناحق میری گردن پر چڑھاتا ہے اور مجھے گنہ گار بناتا ہے ؟ جا اپنی راہ لے ، کیا جان بھاری پڑی ہے؟" میں نے اُس کا کہا نہ مانا اور قدم آگے دھرا ۔ پھر اُس نے دیدہ ودانستہ آنا کانی دی اور میں پیچھے لگ لیا ۔ جاتے جاتے ، دو کوس وہ جھاڑ جنگل طے کیا ۔ ایک چار دیواری نظر آئی ۔ وہ جوان دروازے پر

گیا اور ایک نعرۂ مہیب مارا ۔ وہ در آپ سے آپ کھل گیا ۔ وہ اندر بیٹھا ، میں باہر کا باہر کھڑا رہ گیا ۔ الٰہی اب کیا کروں! حیران تھا ۔ بارے ایک دم کے بعد ، غلام آیا اور بیغام لایا کہ ” چل تجھے رو برو بلایا ہے ۔ شاید تیرے سر پر اجل کا فرشتہ آیا ہے ۔ کیا تجھے کم بختی لگی تھی؟“ میں نے کہا ” زہے نصیب ! “ اور بے دھڑک اُس کے ساتھ ، اندر باغ کے گیا ۔

آخر ایک مکان میں لے گیا ، جہاں وہ بیٹھا تھا ۔ میں نے اُسے دیکھ کر فراشی سلام کیا ۔ اُس نے اشارت بیٹھنے کی کی ۔ میں ادب سے دو زانو بیٹھا ۔ کیا دیکھتا ہوں ، کہ وہ مرد اکیلا مسند پر بیٹھا ہے اور ہتھیار زرگری کے آگے دھرے ہیں اور ایک جھاڑ زمرد کا تیار کر چکا ہے ۔ جب اُس کے اُٹھنے کا وقت آیا ، جتنے غلام اُس شہ نشیں کے گرد پیش حاضر تھے ، حجروں میں چھپ گئے ۔ میں بھی ، مارے وسواس کے ، ایک کوٹھڑی میں جا گھسا ۔ وہ جوان اُٹھ کر ، سب مکانوں کی کنڈیاں چڑھا کر ، باغ کے کونے کی طرف چلا اور اپنی سواری کے بیل کو مارنے لگا ۔ اُس کے چلانے کی آواز میرے کان میں آئی ۔ کلیجا کانپنے لگا ، لیکن، اس ماجرے کی دریافت کرنے کی خاطر، یہ سب آفتیں سہیں تھیں ۔ ڈرتے ڈرتے دروازہ کھول کر، ایک درخت کے تنے کی آڑ میں جا کر ، کھڑا ہؤا اور دیکھنے لگا ۔ جوان نے وہ سونٹا جس سے وہ مارتا تھا ، ہاتھ سے ڈال دیا اور ایک مکان کا قفل کنجی سے کھولا اور اندر گیا ۔ پھر وونہیں باہر نکل کر ، نرگاؤ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور منہ چوما ،

اور گھاس دانہ کھلا کر ایدھر کو چلا ۔ میں دیکھتے ہی جلد دوڑ کر پھر کوٹھڑی میں جا چھپا ۔

اُس جوان نے زنجیریں، سب دروازوں کی ، کھول دیں۔ سارے غلام باھر نکلے۔ زیر انداز اور سلپچی آفتابہ لے کر ، حاضر ھوئے ۔ وہ وضو کر کر، نماز کی خاطر کھڑا ھؤا ۔ جب نماز ادا کر چکا ، پکارا کہ " وہ درویش کہاں ھے؟" اپنا نام سنتے ھی، میں دوڑ کر رو برو جا کھڑا ھؤا ۔ فرمایا " بیٹھ " میں تسلیم کر کر بیٹھا ۔ خاصہ آیا، اُس نے تناول فرمایا ، مجھے بھی عنایت کیا ۔ میں نے بھی کھایا ۔ جب دسترخوان بڑھایا اور ھاتھ دھوئے ، غلاموں کو رخصت دی کہ جا کر سو رھو ۔ جب کوئی اُس مکان میں نہ رھا ، تب مجھ سے ھم کلام ھؤا اور پوچھا کہ " اے عزیز ! تجھ پر کیا ایسی آفت آئی ھے جو تو اپنی موت کو ڈھونڈتا پھرتا ھے ؟" میں نے اپنا احوال ، آغاز سے انجام تک جو گزرا تھا ، تفصیل وار بیان کیا اور کہا " آپ کی توجہ سے اُمید ھے کہ اپنی مراد کو پہنچوں ۔" اُس نے یہ سنتے ھی ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بے ھوش ھؤا اور کہنے لگا " بارے خدایا ! عشق کے درد سے ، تیرے سوا کون واقف ھے ۔ جس کی نہ پھٹی ھو بوائی ، کیا جانے پیر پرائی ۔ اس درد کی قدر ، جو درد مند ھو سو جانے :

آفتوں کو عشق کی عاشق سے پوچھا چاھیے
کیا خبر فاسق کو ھے؟ صادق سے پوچھا چاھیے "

بعد ایک لمحے کے ، ھوش میں آ کر ایک آہ جگر سوز بھری ، سارا مکان گونج گیا ۔ تب مجھے یقین ھؤا کہ یہ

بھی اسی عشق کی بلا میں گرفتار ہے اور اسی مرض کا بیمار ہے ۔ تب تو میں نے دل چلا کر کہا کہ ” میں نے اپنا احوال سب عرض کیا ۔ آپ توجہ فرما کر ، اپنی سرگزشت سے بندے کو مطلع فرمائیے تو بہ مقدور اپنے ، پہلے تمھارے واسطے سعی کروں اور دل کا مطلب ، کوشش کر کر، ھاتھ میں لاؤں ۔“ القصہ وہ عاشق صادق مجھ کو اپنا ہم راز اور ہم‌درد جان کر ، اپنا ماجرا اس صورت سے بیان کرنے لگا کہ ” سن اے عزیز ! میں پادشاہ زادۂ جگر سوز ، اس اقلیم نیمروز کا ھوں ۔ پادشاہ یعنی قبلہ گاہ نے میرے پیدا ھونے کے بعد نجومی اور رمال اور پنڈت جمع کئے اور فرمایا کہ ' احوال شہزادے کے طالعوں کا دیکھو اور جانچو اور جنم پتری درست کرو اور جو جو کچھ ھونا ہے ، حقیقت ، پل پل ، گھڑی گھڑی اور پہر پہر ، اور دن دن ، مہینے مہینے اور برس برس کی ، مفصل حضور میں عرض کرو ۔' بہ موجب حکم پادشاہ کے ، سب نے متفق ھو، اپنے اپنے علم کی رو سے ٹھہرا اور سادھ کر ، التماس کیا کہ ' خدا کے فضل سے ایسی نیک ساعت اور شبھ لگن میں ، شہزادے کا تولد اور جنم ہؤا ہے کہ چاہیے سکندر کی سی بادشاھت کرے اور نوشیرواں سا عادل ھو اور جتنے علم اور ھنر ھیں، اُن میں کامل ھو ۔ اور جس کام کی طرف دل اس کا مائل ھو ، وہ بخوبی حاصل ھو ۔ سخاوت و شجاعت میں ایسا نام کرے کہ حاتم اور رستم کو لوگ بھول جاویں ، لیکن چودہ برس تلک سورج اور چاند کے دیکھنے سے ، ایک بڑا خطرہ نظر آتا ہے بلکہ یہ وسواس ہے کہ جنونی اور سودائی ھو کر بہت آدمیوں کا خون کرے اور بستی سے گھبراوے ،

جنگل میں نکل جاوے، اور چرند و پرند کے ساتھ دل بہلاوے۔ اس کا تقید رہے کہ رات دن، آفتاب ماھتاب کو نہ دیکھے، بلکہ آسمان کی طرف بھی نگاہ نہ کرنے پاوے۔ جو اتنی مدت خیر و عافیت سے کٹے تو پھر ساری عمر سکھ اور چین سے سلطنت کرے۔'

"یہ سن کر پادشاہ نے، اسی لئے اس باغ کی بنیاد ڈالی اور مکان متعدد، ہر ایک نقشے کے بنوائے۔ میرے تئیں تہہ خانے میں پلنے کا حکم کیا اور اوپر ایک برج، نمدے کا، تیار کروا دیا تو دھوپ اورچاندنی اس میں سے نہ چھنے۔ میں، دائی، دودھ پلائی، اور انگا، چھوچھو، اور کئی خواصوں کے ساتھ، اس محافظت سے اس مکان عالی شان میں پرورش پانے لگا اور ایک استاد دانا، کار آزمودہ، واسطے میری تربیت کے متعین کیا، تو تعلیم ھرعلم اور ھنر کی، اور مشق ھفت قلم لکھنے کی کرے۔ اور جہاں پناہ ھمیشہ میرے خبرگیراں رھتے۔ دم بہ دم کی کیفیت، روزمرہ حضور میں عرض ھوتی۔ میں اس مکان ھی کو عالم دنیا جان کر، کھلونوں اور رنگ برنگ پھولوں سے کھیلا کرتا اور تمام جہان کی نعمتیں، کھانے کے واسطے موجود رھتیں۔ جو چاھتا سو کھاتا۔ دس برس کی عمر تک جتنی صنعتیں اور قابلیتیں تھیں، تحصیل کیں۔

"ایک روز اس گنبذ کے نیچے، روشن دان سے ایک پھول اچنبھے کا نظر پڑا کہ دیکھتے دیکھتے بڑا ھوتا جاتا تھا۔ میں نے چاھا کہ ھاتھ سے پکڑ لوں۔ جوں میں ھاتھ لنبا کرتا تھا، وہ اونچا ھو جاتا تھا۔ میں حیران ھو کر اسے تک رھا

تھا ، وونہیں ایک آواز قہقہے کی میرے کان میں آئی - میں نے اُس کے دیکھنے کو گردن اُٹھائی - دیکھا تو نمدا چیر کر، ایک مکھڑا چاند سا نکل رہا ہے - دیکھتے ہی اُس کے، میرے عقل و ہوش بجا نہ رہے - پھر اپنے تئیں سنبھال کر دیکھا تو ایک مرصع کا تخت پری‌زادوں کے کاندھے پر ، معلق کھڑا ہے اور ایک تخت نشیں ، تاج جواہر کا سر پر ، اور خلعت جھلابور بدن میں پہنے ، ہاتھ میں یاقوت کا پیالہ لئے اور شراب پیے ہوئے ، بیٹھی ہے - وہ تخت ، بلندی سے آہستہ آہستہ نیچے اُتر کر ، اُس برج میں آیا - تب پری نے مجھے بلایا اور اپنے نزدیک بٹھایا - باتیں پیار کی کرنے لگی اور منہ سے منہ ملا کر ایک جام شراب ،گل گلاب کا ، میرے تئیں پلایا اور کہا ' آدمی زاد بے وفا ہوتا ہے لیکن دل ہمارا تجھے چاہتا ہے -' ایک دم میں ایسی ایسی انداز و ناز کی باتیں کیں کہ دل محو ہو گیا اور ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ زندگانی کا مزا پایا ، اور یہ سمجھا کہ آج تو دنیا میں آیا -

''حاصل یہ ہے کہ میں تو کیا ہوں؟ کسو نے یہ عالم نہ دیکھا ہوگا ، نہ سنا ہوگا - اُس مزے میں ، خاطر جمع سے ، ہم دونوں بیٹھے تھے کہ کریال میں غلیلا لگا - اب اُس حادثۂ ناگہانی کا ماجرا سن کہ وونہیں، چار پری‌زاد، نے آسمان پر سے اُتر کر، کچھ اُس معشوقہ کے کان میں کہا- سنتے ہی اُس کا چہرہ تغیر ہو گیا اور مجھ سے بولی کہ 'اے پیارے! دل تو یہ چاہتا تھا کہ کوئی دم تیرے ساتھ بیٹھ کر دل بہلاؤں اور اسی طرح ہمیشہ آؤں یا تجھے اپنے

ساتھ لے جاؤں ، پر یہ آسمان، دو شخص کو ایک جگہ آرام سے اور خوشی سے رہنے نہیں دیتا۔ لے، جانان! تیرا خدا نگہبان ہے ۔' یہ سن کر میرے حواس جاتے رہے اور طوطے ہاتھ کے اڑ گئے ۔ میں نے کہا ' اجی ، اب پھر کب ملاقات ہوگی ؟ یہ کیا تم نے غضب کی بات سنائی ؟ اگر جلد آؤ گی تو مجھے جیتا پاؤ گی ، نہیں تو پچھتاؤ گی ۔ یا اپنا ٹھکانہ اور نام و نشان بتاؤ کہ میں ہی اس پتے پر، ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے، اپنے تئیں تمھارے پاس پہنچاؤں ۔' یہ سن کر وہ بولی 'دور پار، شیطان کے کان بہرے ۔ تمھاری صد و بیست سال کی عمر ہووے ۔ اگر زندگی ہے تو پھر ملاقات ہو رہے گی ۔ میں جنوں کے بادشاہ کی بیٹی ہوں اور کوہ قاف میں رہتی ہوں ۔' یہ کہہ کر تخت اٹھایا اور جس طرح اترا تھا ، وونہیں بلند ہونے لگا ۔

''جب تلک سامنے تھا ، میری اور اس کی چار آنکھیں ہو رہی تھیں ۔ جب نظروں سے غائب ہؤا ، یہ حالت ہو گئی جیسے پری کا سایہ ہوتا ہے ۔ عجب طرح کی اداسی دل پر چھا گئی، عقل و ہوش رخصت ہؤا ، دنیا آنکھوں کے تلے اندھیری ہو گئی ۔ حیران پریشان ، زار زار رونا اور سر پر خاک اڑانا ، کپڑے پھاڑنا ، نہ کھانے کی سدھ ، نہ بھلے برے کی بدھ :

اس عشق کی بدولت ، کیا کیا خرابیاں ہیں
دل میں اداسیاں ہیں اور اضطرابیاں ہیں

'' اس خرابی سے ، دائی اور معلم خبردار ہوئے ۔ ڈرتے ڈرتے پادشاہ کے روبرو گئے اور عرض کی کہ 'پادشاہ زادۂ عالمیان

کا یہ حال ہے - معلوم نہیں خود بخود کیا غضب ٹوٹا جو ان کا آرام اورکھانا پینا سب چھوٹا۔' تب پادشاہ ، وزیر ، امرائے صاحب تدبیر ، اور طبیب حاذق ، منجم صادق ، ملا سیانے خوب ، درویش ، سالک اور مجذوب ، اپنے ساتھ لے کر اس باغ میں رونق افزا ہوئے - میری بے قراری اور نالہ و زاری دیکھ کر ، ان کی بھی حالت اضطراب کی ہو گئی - آب دیدہ ہو کر بے اختیار گلے سے لگا لیا اور اس کی تدبیر کی خاطر حکم کیا - حکیموں نے، قوت دل اور خلل دماغ کے واسطے ، نسخے لکھے اور ملاؤں نے نقش و تعویذ ، پلانے اور پاس رکھنے کو دئے - دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگے - اور نجومی بولے کہ 'ستاروں کی گردش کے سبب سے یہ صورت پیش آئی ہے ، اس کا صدقہ دیجیے -' غرض ہر کوئی اپنے اپنے علم کی باتیں کہتا تھا۔ پر مجھ پر جو گزرتی تھی میرا دل ہی سہتا تھا - کسو کی سعی اور تدبیر، میری تقدیر بد کے، کام نہ آئی - دن بہ دن دیوانگی کا زور ہؤا اور میرا بدن ، بے آب و دانے کمزور ہو چلا - رات دن چلّانا اور سر پٹکنا باقی رہا - اس حالت میں تین سال گزرے - چوتھے برس ، ایک سوداگر سیر و سفر کرتا ہؤا آیا ، اور ہر ایک ملک کے تحفے تحائف ، عجیب و غریب ، جہاں پناہ کے حضور میں لایا ، ملازمت حاصل کی -

" پادشاہ نے بہت توجہ فرمائی اور احوال پرسی اس کی کر کے پوچھا کہ 'تم نے بہت ملک دیکھے ، کوئی حکیم قابل بھی نظر پڑا یا کسو سے مذکور اس کا سنا ؟' اس نے التماس

کیا کہ ' قبلۂ عالم! غلام نے بہت سیر کی، لیکن ہندوستان میں دریا کے بیچ ایک پہاڑی ہے، وہاں ایک گسائیں جٹادھاری نے بڑا منڈھپ مہادیو کا، اور سنگت اور باغ، بڑی بہار کا بنایا ہے۔ اُس میں رہتا ہے اور اُس کا یہ قاعدہ ہے کہ برسویں دن، شیورات کے روز، اپنے استھان سے نکل کر، دریا میں پیرتا ہے اور خوشی کرتا ہے۔ اشنان کے بعد جب اپنے آسن پر جانے لگتا ہے، تب بیمار اور دردمند، دیس دیس اور ملک کے، جو دور دور سے آتے ہیں، دروازے پر جمع ہوتے ہیں۔ اُن کی بڑی بھیڑ ہوتی ہے۔

' وہ مہنت (جسے اس زمانے کا افلاطون کہا چاہیے) قارورہ اور نبض دیکھتا ہؤا، اور ہر ایک کو نسخہ لکھ کر دیتا ہؤا، چلا جاتا ہے۔ خدا نے ایسا دست شفا اُس کو دیا ہے کہ دوا پیتے ہی اثر ہوتا ہے اور وہ مرض بالکل جاتا رہتا ہے۔ یہ ماجراء میں نے بہ چشم خود، دیکھا اور خدا کی قدرت کو یاد کیا کہ ایسے ایسے بندے پیدا کئے ہیں۔ اگر حکم ہو تو شہزادۂ عالمیاں کو اُس کے پاس لے جاویں۔ اُس کو ایک نظر دکھاویں، اُمید قوی ہے کہ جلد شفا کامل ہو۔ اور ظاہرمیں بھی یہ تدبیر اچھی ہے کہ ہر ایک ملک کی ہوا کھانے سے، اور جا بجا کے آب و دانے سے، مزاج میں فرحت آتی ہے۔' پادشاہ کو اُس کی صلاح پسند آئی اور خوش ہو کر فرمایا ' بہت بہتر شاید اُس کا ہاتھ راس آوے اور میرے فرزند کے دل سے وحشت جاوے۔' ایک امیر معتبر، جہاں دیدہ، کارآزمودہ کو اور اُس تاجر کو، میری رکاب میں تعینات کیا اور اسباب ضروری

ساتھ کر دیا ۔ نواڑے ، بجرے، مور پنکھی ، پلوار ، لچکے، کھیلنے ، آلاق ، پٹیلیوں پر ، معہ سرانجام ، سوار کر کر رخصت کیا ۔ منزل منزل چلتے چلتے اُس ٹھکانے پر جا پہنچے۔ نئی ھوا اور نیا دانہ پانی کھانے پینے سے کچھ مزاج ٹھہرا۔ لیکن خاموشی کا وھی عالم اور رونے سے کام ۔ دم بہ دم یاد اُس پری کی دل سے بھولتی نہ تھی ، اگر کبھو بھولتا ، تو یہ بیت پڑھتا :

نہ جانوں کس پری رو کی نظر ھوئی
ابھی تو تھا بھلا چنگا مرا دل

" بارے جب دو تین مہینے گزرے، اُس پہاڑ پر، قریب چار ھزار مریض کے ، جمع ھوئے ۔ لیکن سب یہی کہتے تھے کہ ' اب خدا چاھے تو گسائیں اپنی مٹھ سے نکلیں گے اور سب کو اُن کے فرمانے سے شفائے کلی ھوگی ۔' القصہ جس دن وہ دن آیا ، صبح کو، جوگی مانند آفتاب کے، نکل آیا اور دریا میں نہایا اور پیرا ۔ پار جا کر پھر آیا اور بھبھوت بھسم، تمام بدن میں لگایا۔ وہ گورا بدن ، مانند انگارے کے ، راکھ میں چھپایا اور ماتھے پر ملاگیر کا ٹیکا دیا ۔ لنگوٹ باندھ کر، انگوچھا کاندھے پر ڈالا ۔ بالوں کا جوڑا باندھا، موچھوں پر تاؤ دے کر، چڑھواں جوتا اِڑایا ۔ اُس کے چہرے سے یہ معلوم ھوتا تھا کہ ساری دنیا اس کے نزدیک کچھ قدر نہیں رکھتی ۔ ایک قلم دان جڑاؤ بغل میں لے کر ، ایک ایک طرف دیکھتا اور نسخہ دیتا ھؤا میرے نزدیک آ پہنچا ۔ جب میری اور اُس کی چار نظریں ھوئیں ، کھڑا رہ کر غور میں گیا اور مجھ سے کہنے

لگا کہ ' ہمارے ساتھ آؤ ۔' میں ہمراہ ہو لیا ۔

" جب سب کی نوبت ہو چکی ، میرے تئیں باغ کے اندر لے گیا اور ایک مقطّع ، خوش نقشے ، خلوت خانے میں مجھے فرمایا کہ ' یہاں تم رہا کرو ۔' اور آپ اپنے استھان میں گیا ۔ جب ایک چلّہ گزرا تو میرے پاس آیا اور آگے کی نسبت مجھے خوش پایا ۔ تب مسکرا کر فرمایا کہ 'اس باغیچے میں سیر کیا کرو۔ جس میوے پر جی چلے، کھایا کرو ۔' اور ایک قلفی چینی کی ، معجون سے بھری ہوئی ، دی کہ ' اس میں سے چھ ماشے ہمیشہ بلا ناغہ نہار نوش جان فرمایا کرو ۔' یہ کہہ کر وہ تو چلا گیا ۔ اور میں نے اس کے کہنے پر عمل کیا۔ ہر روز، قوت بدن میں ، اور فرحت دل کو، معلوم ہونے لگی ۔ لیکن حضرت عشق کو کچھ اثر نہ کیا ، اس پری کی صورت نظروں کے آگے پھرتی رہتی تھی ۔

" ایک روز طاق میں ایک جلد کتاب کی نظر آئی ، اتار کر دیکھا تو سارے ، علم دین و دنیا کے، اس میں جمع کئے تھے ، گویا دریا کو کوزے میں بھر دیا تھا ۔ ہر گھڑی اس کا مطالعہ کیا کرتا ، علم حکمت اور تسخیر میں نہایت قوت بہم پہنچائی ۔ اس عرصے میں برس دن گزر گیا، پھر وہی خوشی کا دن آیا۔ جوگی اپنے آسن پر سے اٹھ کر باہر نکلا ۔ میں نے سلام کیا ۔ اُن نے، قلم دان مجھے دے کر، کہا ساتھ چلو ۔ میں بھی ساتھ ہو لیا ۔ جب دروازے سے باہر نکلا ، ایک عالم دعا دینے لگا ۔ وہ امیر اور سوداگر مجھے ساتھ دیکھ کر ، گسائیں کے قدموں پر گرے

ور ادائے شکر کرنے لگے کہ ' آپ کی توجہ سے بارے اتنا تو ہؤا ۔' وہ اپنی عادت پر دریا کے گھاٹ تک گیا اور اشنان پوجا، جس طرح ہر سال کرتا تھا، کی ۔ پھرتی بار، بیماروں کو دیکھتا بھالتا، چلا آتا تھا ۔

''اتفاقاً سودائیوں کے غول میں ایک جوان، خوبصورت، شکیل کہ ضعف سے کھڑے ہونے کی طاقت اس میں نہ تھی ، نظر پڑا ۔ مجھ کو کہا کہ اس کو ساتھ لے آؤ ۔ سب کی دارو درمن کر کے جب خلوت خانے میں گیا ، تھوڑی سی کھوپری اس جوان کی تراش کر ، چاہا کہ کنکھجورا جو مغز پر بیٹھا تھا ، زنبور سے اٹھالیوے ، میرے خیال میں گزرا اور بول اٹھا کہ ' اگر دست پناہ ، آگ میں گرم کر کر، اس کی پیٹھ پر رکھیے تو خوب ہے ۔ آپ سے آپ نکل آوے گا ۔ اور جو یوں کھینچیے گا تو مغز کے گودے کو نہ چھوڑے گا ، پھر خوف زندگی کو ہے ۔' یہ سن کر میری طرف دیکھا اور چپکا اٹھ ، باغ کے کونے میں ایک درخت کو ، لے میں پکڑ ، جٹا کی لٹ کی، گلے میں پھانسی لگا کر رہ گیا ۔ میں نے پاس جا کر جو دیکھا تو واہ واہ یہ تو مر گیا ! یہ اچنبھا دیکھ کر نہایت افسوس ہؤا ، لاچارجی میں آیا اسے گاڑ دوں ۔ جوں درخت سے جدا کرنے لگا دو کنجیاں اس کی لٹوں میں سے گر پڑیں ۔ میں نے ان کو اٹھا لیا اور اس گنج خوبی کو زمین میں دفن کیا ۔ وے دونوں کنجیاں لے کر ، سب قفلوں میں لگانے لگا ۔ اتفاقاً دو حجرے کے تالے ان تالیوں سے کھلے ، دیکھا تو زمین سے چھت تلک جواہر بھرا ہؤا ہے اور ایک پیٹی ،

مخمل سے مڑھی ، سونے کے پتر لگی ، قفل دی ہوئی ، ایک طرف دھری ہے ۔ اُس کو جو کھولا تو ایک کتاب دیکھی کہ اس میں اسم اعظم ، اور حاضرات جن و پری کے ، اور روحوں کی ملاقات، اور تسخیرآفتاب کی ترکیب لکھی ہے ۔

" ایسی دولت کے ھاتھ لگنے سے نہایت خوشی حاصل ہوئی اور ان پر عمل کرنا شروع کیا ۔ دروازہ باغ کا کھول دیا ، اپنے اُس امیر کو اور ساتھ والوں کو کہا کہ ' کشتیاں منگوا کر، یہ سب جواہر و نقد و جنس اور کتابیں بار کر لو۔' اور ایک نواڑے پر سوار ہو کر وہاں سے بحر کو روانہ کیا ۔ آتے آتے جب نزدیک اپنے ملک کے پہنچا ، جہاں پناہ کو خبر ہوئی ۔ سوار ہو کر استقبال کیا اور اشتیاق سے بے قرار ہو کر کلیجے سے لگا لیا ۔ میں نے قدم بوسی کر کر کہا کہ ' اس خاکسار کو قدیم باغ میں رہنے کا حکم ہو۔' بولے کہ ' اے برخوردار ! وہ مکان میرے نزدیک منحوس ٹھہرا ۔ لہٰذا اُس کی مرمت اور تیاری موقوف کی ۔ اب وہ مکان ، لائق انسان کے رہنے کے ، نہیں رہا ۔ اور جس محل میں جی چاہے، آ ترو۔ بہتر یوں ہے کہ قلعے میں کوئی جگہ پسند کرکے میری آنکھوں کے روبرو رہو اور پائیں باغ ، جیسا چاہو تیار کروا کر، سیر تماشا دیکھا کرو ۔' میں نے ، بہت ضد اور ہٹ کر کر، اُس باغ کو نئے سر سے تعمیر کروا دیا اور بہشت کے مانند آراستہ کر، داخل ہؤا۔ پھر فراغت سے، جنوں کی تسخیر کی خاطر چلّے بیٹھا اور ترک حیوانات کر کر ، حاضرات کرنے لگا ۔

" جب چالیس دن پورے ہوئے ، تب آدھی رات کو ایسی آندھی آئی کہ بڑی بڑی عمارتیں گر پڑیں اور درخت جڑ سے اکھڑ کر، کہیں سے کہیں جا پڑے ، اور پری زادوں کا لشکر نمود ہؤا ۔ ایک تخت ہوا سے اترا ۔ اس پر ایک شخص ، شاندار موتیوں کا تاج اور خلعت پہنے ہوئے ، بیٹھا تھا ۔ میں نے دیکھتے ہی بہت مؤدب ہو کر سلام کیا ۔ اس نے میرا سلام لیا اور کہا کہ ' اے عزیز ! یہ کیا تو نے ناحق دند مچایا ؟ ہم سے تجھے کیا مدعا ہے ؟ ' میں نے التماس کیا کہ ' یہ عاجز بہت مدت سے تمھاری بیٹی پرعاشق ہے اور اسی لئے کہاں سے کہاں خراب وخستہ ہؤا اور جیتے جی مؤا ۔ اب زندگی سے بہ تنگ آیا ہوں اور اپنی جان پر کھیلا ہوں ، جو یہ کام کیا ہے ۔ اب آپ کی ذات سے امیدوار ہوں کہ مجھ حیران و سرگرداں کو اپنی توجہ سے سرفراز کرو ، اور اس کے دیدار سے زندگی اور آرام بخشو تو بڑا ثواب ہو گا ۔'

" یہ میری آرزو سن کر بولا کہ ' آدمی خاکی اور ہم آتشی ، ان دونوں میں موافقت آنی مشکل ہے ۔ میں نے قسم کھائی کہ ' میں اُن کے دیکھنے کا مشتاق ہوں اور کچھ مطلب نہیں ۔' پھر اس تخت نشین نے جواب دیا کہ ' انسان اپنے قول و قرار پر نہیں رہتا ۔ غرض کے وقت ، سب کچھ کہتا ہے لیکن یاد نہیں رکھتا۔ یہ بات میں تیرے بھلے کے لئے کہہ سناتا ہوں کہ اگر تو نے کبھو ، قصد کچھ اور کیا تو وہ بھی اور تو بھی ، دونوں خراب خستہ ہو گے بلکہ خوف جان کا ہے ۔' میں نے پھر دوبارہ سوگند یاد کی کہ

'جس میں طرفین کی برائی ہووے ، ویسا کام ہرگز نہ کروں گا ، مگر ایک نظر دیکھتا رہوں گا ۔' یہ باتیں ہوتیاں تھیں کہ انچت ، وہ پری (کہ جس کا مذکور تھا) نہایت ٹھسے سے بناؤ کئے ہوئے ، آ پہنچی اور پادشاہ کا تخت وہاں سے چلا گیا ۔ تب میں نے بے اختیار اُس پری کو جان کی طرح بغل میں لے لیا اور یہ شعر پڑھا :

کہاں ابرو، مرے گھر کیوں نہ آوے

کہ جس کے واسطے کھینچے ہیں چلّے

" اُسی خوشی کے عالم میں ، باہم اُس باغ میں رہنے لگے ۔ مارے ڈر کے کچھ اور خیال نہ کرتا ، بالائی مزے لیتا اور فقط دیکھا کرتا ۔ وہ پری میرے قول و قرار کے نباھنے پر دل میں حیران رہتی اور بعضے وقت کہتی ، کہ ' پیارے ! تم بھی اپنی بات کے بڑے سچے ہو ۔ لیکن ایک نصیحت میں دوستی کی راہ سے کرتی ہوں ۔ اپنی کتاب سے خبردار رہیو کہ جن ، کسی نہ کسی دن تمھیں غافل پا کر، چرا لے جائیں گے ۔' میں نے کہا ' اسے میں اپنی جان کے برابر رکھتا ہوں ۔'

" اتفاقاً ایک روز ، رات کو شیطان نے ورغلایا ، شہوت کی حالت میں یہ دل میں آیا کہ جو کچھ ہوسو ہو ، کہاں تلک اپنے تئیں تھانبوں ؟ اُسے چھاتی سے لگا لیا اور بوس و کنار کیا ۔ وونہیں ایک آواز آئی ' یہ کتاب مجھ کو دے کہ اس میں اسم اعظم ہے ۔ بے ادبی نہ کر۔' اُس مستی کے عالم میں کچھ ہوش نہ رہا ، کتاب بغل سے نکال کر، بغیر جانے پہچانے ، حوالے کر دی اور اپنے کام میں لگا ۔ وہ

نازنین ، یہ میری نادانی کی حرکت دیکھ کر، بولی کہ ' ہے ظالم ! آخر چوکا اورنصیحت بھولا ۔'

" یہ کہہ کر بے ہوش ہوگئی اور میں نے اُس کے سرھانے ایک دیو دیکھا کہ کتاب لئے کھڑا ہے ۔ چاھا کہ پکڑ کر خوب ماروں اور کتاب چھین لوں ۔ اتنے میں اُس کے ھاتھ سے کتاب دوسرا لے بھاگا ۔ میں نے جو افسوں یاد کیے تھے پڑھنے شروع کئے ۔ وہ جن جو کھڑا تھا بیل بن گیا ، لیکن افسوس کہ پری ذرا بھی ہوش میں نہ آئی اور وھی حالت بے خودی کی رھی ۔ تب میرا دل گھبرایا ، سارا عیش تلخ ہوگیا ۔ اُس روز سے آدمیوں سے نفرت ہوئی ۔ اس باغ کے گوشے میں پڑا رہتا ہوں اور دل کے بہلانے کی خاطر، یہ مرتبان زمرد کا ، جھاڑدار بنایا کرتا ہوں اور ہرمہینے ، اُس میدان میں ، اُسی بیل پر سوار ہو کر، جایا کرتا ہوں ۔ مرتبان کو توڑ کر غلام کو مار ڈالتا ہوں ، اس اُمید پر کہ سب میری یہ حالت دیکھیں اور افسوس کھاویں ۔ شاید کوئی ، ایسا خدا کا بندہ مہربان ہو کہ میرے حق میں دعا کرے تو میں بھی اپنے مطلب کو پہنچوں ۔ اے رفیق ! میرے جنون اور سودا کی یہ حقیقت ہے جو میں نے تجھے کہہ سنائی ۔"

میں سن کر آب دیدہ ہؤا اور بولا کہ " شہزادے! تو نے واقعی عشق کی بڑی محنت اُٹھائی ۔ لیکن قسم خدا کی کھاتا ہوں کہ میں اپنے مطلب سے درگزرا ۔ اب تیری خاطر ، جنگل پہاڑ میں پھروں گا اور جو مجھ سے ہو سکے گا سو کروں گا ۔" یہ وعدہ کر کر، میں اُس جوان سے رخصت

ہؤا ، اور پانچ برس تک ، سودائی سا ، ویرانے میں خاک چھانتا پھرا ، سراغ نہ ملا ۔ آخر آکتا کر ایک پہاڑ پر چڑھ گیا اور چاہا کہ اپنے تئیں گرادوں کہ ہڈی پسلی کچھ ثابت نہ رہے ، وہی سوار برقعہ پوش آ پہنچا اور بولا کہ ”اپنی جان مت کھو ۔ تھوڑے دنوں کے بعد، تو اپنے مقصد سے کامیاب ہوگا ۔“

یا سائیں اللہ! تمھارے دیدار تو میسر ہوئے ۔ اب خدا کے فضل سے آمیدوار ہوں کہ خوشی اور خرمی ہو ، اور سب نامراد اپنی مراد کو پہنچیں ۔

سر گزشت آزاد بخت پادشاہ کی

جب دوسرا درویش بھی اپنی سیر کا قصہ کہہ چکا ، رات آخر ہو گئی اور وقت صبح کا شروع ہونے پر آیا ۔ آزادبخت ، چپکا ، اپنے دولت خانے کی طرف روانہ ہؤا ۔ محل میں پہنچ کر نماز ادا کی ۔ پھر غسل خانے میں جا، خلعت فاخرہ پہن کر، دیوان عام میں تخت پر نکل بیٹھا اور حکم کیا کہ " یساول جاوے ، چار فقیر فلانے مکان پر وارد ہیں ، ان کو بہ عزت اپنے ساتھ حضور میں لے آوے ۔" بموجب حکم کے ، چوب‌دار وہاں گیا ۔ دیکھا تو چار بے نوا ، جھاڑا جھٹکا پھر ، ہاتھ منہ دھو کر ، چاہتے ہیں کہ دسا کریں اور اپنی اپنی راہ لیں ۔ چیلے نے کہا " شاہ جی ! بادشاہ نے چاروں صورتوں کو طلب فرمایا ہے ۔ میرے ساتھ چلیے ۔" چاروں درویش ، آپس میں، ایک ایک کو تکنے لگا اور چوب دار سے کہا " بابا ! ہم اپنے دل کے بادشاہ ہیں ، ہمیں دنیا کے پادشاہ سے کیا کام ہے ! " اس نے کہا " میاں اللہ ! مضائقہ نہیں ، اگر چلو تو اچھا ہے ۔"

اتنے میں چاروں کو یاد آیا کہ مولا مرتضیٰ نے جو فرمایا تھا ، سو اب پیش آیا ۔ خوش ہوئے اور یساول کے ہم‌راہ چلے ۔ جب قلعے میں پہنچے اور روبرو پادشاہ کے گئے چاروں قلندروں نے دعا دی کہ " بابا ! تیرا بھلا ہو ۔" پادشاہ دیوان خاص میں جا بیٹھے ، اور دو چار خاص امیروں

کو بلایا اور فرمایا کہ " چاروں گدڑی پوشوں کو بلاؤ ۔" جب وہاں گئے، حکم بیٹھنے کا کیا ۔ احوال پرسی فرمائی کہ " تمہارا کہاں سے آنا ہؤا ، اور کہاں کا ارادہ ہے ؟ مکان مرشدوں کے کہاں ہیں ؟ "

انہوں نے کہا کہ " پادشاہ کی عمر و دولت زیادہ رہے ! ہم فقیر ہیں ۔ ایک مدت سے اسی طرح سیر و سفر کرتے پھرتے ہیں ، خانہ بدوش ہیں ۔ وہ مثل ہے : فقیر کو جہاں شام ہوئی ، وونہیں گھر ہے ۔ اور جو کچھ اس دنیائے ناپایدار میں دیکھا ہے ، کہاں تک بیان کریں ؟"

آزاد بخت نے بہت تسلی اور تشفی کی اور کھانے کو منگوا کر، اپنے روبرو ناشتہ کروایا ۔ جب فارغ ہوئے ، پھر فرمایا کہ " اپنا ماجراء ، تمام ، بےکم و کاست ، مجھ سے کہو ۔ جو مجھ سے تمہاری خدمت ہو سکے گی ، قصور نہ کروں گا ۔" فقیروں نے جواب دیا کہ " ہم پر جو کچھ بیتا ہے ، نہ ہمیں بیان کرنے کی طاقت ہے اور نہ پادشاہ کو سننے سے فرحت ہوگی ۔ اس کو معاف کیجیے ۔" تب پادشاہ نے تبسم کیا اور کہا " شب کو جہاں تم بستروں پر بیٹھے، اپنا اپنا احوال کہہ رہے تھے ، وہاں میں بھی موجود تھا ۔ چنانچہ دو درویش کا احوال سن چکا ہوں ۔ اب چاہتا ہوں کہ دونوں جو باقی ہیں ، وے بھی کہیں اور چند روز، بہ خاطر جمع، میرے پاس رہیں کہ قدم درویشاں رد بلا ہے ۔" پادشاہ سے یہ بات سنتے ہی مارے خوف کے کانپنے لگے اور سر نیچے کر کے چپ ہو رہے ، طاقت گویائی کی نہ رہی ۔

آزادبخت نے جب دیکھا کہ اب ان میں، مارے رعب کے، حواس نہیں رہے جو کچھ بولیں ، فرمایا کہ ”اس جہان میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس پرایک نہ ایک واردات عجیب و غریب نہ ہوئی ہو گی ، باوجودیکہ میں پادشاہ ہوں لیکن میں نے بھی ایسا تماشا دیکھا ہے کہ پہلے میں ہی اس کا بیان کرتا ہوں ۔ تم بہ خاطرجمع سنو۔“ درویشوں نے کہا ”پادشاہ سلامت! آپ کا الطاف فقیروں کے حال پر ایسا ہے ، ارشاد فرمائیے ۔“ آزادبخت نے اپنا احوال شروع کیا ، اور کہا :

اے شاہو ! پادشاہ کا اب ماجراء سنو !
جو کچھ کہ میں نے دیکھا ہے ،اور ہے سنا، سنو !
کہتا ہوں میں ، فقیروں کی خدمت میں سر بسر،
احوال میرا ، خوب طرح دل لگا، سنو !

میرے قبلہ گاہ نے جب وفات پائی اور میں اس تخت پر بیٹھا ، عین عالم شباب کا تھا اور سارا یہ ملک روم کا ، میرے حکم میں تھا ۔ اتفاقاً ایک سال ، کوئی سوداگر بدخشاں کے ملک سے آیا، اور اسباب تجارت کا بہت سا لایا۔ خبرداروں نے میرے حضور میں خبر کی کہ ایسا بڑا تاجر آج تک شہر میں نہیں آیا ۔

میں نے اس کو طلب فرمایا ۔

وہ تحفے ہرایک ملک کے، لائق میری نذر کے، لے کرآیا۔ فی‌الواقع ، ہر ایک جنس بے بہا نظر آئی ۔ چنانچہ ایک ڈبیا میں لعل تھا ، نہایت خوش رنگ اور آب دار ، قد و قامت درست، اور وزن میں پانچ مثقال کا ۔ میں نے ، باوجود سلطنت

کے، ایسا جواہر کبھو نہ دیکھا تھا اور نہ کسو سے سنا تھا ۔ پسند کیا ۔ سوداگر کو بہت سا انعام و اکرام دیا اور سند راہداری کی، لکھ دی کہ اُس سے ہماری تمام قلمرومیں کوئی مزاحم محصول کا نہ ہو ، اور جہاں جاوے اُس کو آرام سے رکھیں ۔ چوکی پہرے میں حاضر رہیں ۔ اُس کا نقصان اپنا نقصان سمجھیں ۔ وہ تاجر ، حضور میں دربار کے وقت حاضر رہتا، اور آداب سلطنت سے خوب واقف تھا، اور تقریر و خوش گوئی اُس کی ، لائق سننے کے تھی، اور میں اُس لعل کو ہر روز جواہر خانے سے منگوا کر سر دربار دیکھا کرتا۔

ایک روز دیوان عام کئے بیٹھا تھا ، اور اُمراء ارکان دولت اپنے پائے پر کھڑے تھے اور ہر ملک کے پادشاہوں کے ایلچی مبارک باد کی خاطر جو آئے تھے ، وہ بھی سب حاضر تھے ۔ اُس وقت میں نے ، موافق معمول کے، اُس لعل کو منگوایا۔ جواہرخانے کا داروغہ لے کر آیا ، میں ہاتھ میں لے کر تعریف کرنے لگا اور فرنگ کے ایلچی کو دیا ۔ اُن نے دیکھ کر تبسم کیا اور زمانہ سازی سے صفت کی ۔ اسی طرح ، ہاتھوں ہاتھ ، ہرایک نے لیا اور دیکھا اور ایک زبان ہو کر بولے کہ ”قبلۂ عالم کے اقبال کے باعث ، یہ میسر ہؤا ہے ، وِالّا کسو پادشاہ کے ہاتھ آج تک ایسا رقم بے بہا نہیں لگا ۔“ اُس وقت میرے قبلہ گاہ کا وزیر کہ مرد دانا تھا اور اُسی خدمت پر سرفراز تھا، وزارت کی چوکی پر کھڑا تھا، آداب بجالایا اور التماس کیا کہ ”کچھ عرض کیا چاہتا ہوں ، اگر جان بخشی ہو ۔“

میں نے حکم کیا کہ ”کہہ ۔“ وہ بولا ”قبلۂ عالم!

آپ بادشاہ ہیں اور بادشاہوں سے بہت بعید ہے کہ ایک پتھر کی اتنی تعریف کریں ۔ اگرچہ رنگ ڈھنگ ، سنگ میں لاثانی ہے لیکن سنگ ہے ۔ اور اس دم سب ملکوں کے ایلچی، دربار میں حاضر ہیں، جب اپنے اپنے شہر میں جاویں گے البتہ یہ نقل کریں گے کہ عجب بادشاہ ہے کہ ایک لعل کہیں سے پایا ہے ، اُسے ایسا تحفہ بنایا ہے کہ ہر روز روبرو منگاتا ہے، اور آپ ، اُس کی تعریف کر کر، سب کو دکھاتا ہے ۔ پس جو بادشاہ یا راجہ یہ احوال سنے گا، اپنی مجلس میں ہنسے گا ۔ خداوند! ایک ادنیٰ سوداگر، نیشاپور میں ہے ، اُس نے بارہ دانے لعل کے کہ ہر ایک سات سات مثقال کا ہے ، پٹے میں نصب کر کر ، کتے کے گلے میں ڈال دئے ہیں ۔“ مجھے سنتے ہی غصہ چڑھ آیا اور کھسیانے ہو کر فرمایا کہ ” اس وزیر کی گردن مارو ۔“

جلادوں نے ، وونہیں اُس کا ہاتھ پکڑلیا اور چاہا کہ باہر لے جاویں ، فرنگ کے بادشاہ کا ایلچی ، دست بستہ روبروآ کھڑا ہؤا۔ میں نے پوچھا کہ ”تیرا کیا مطلب ہے؟“ اُس نے عرض کی ” اُمیدوار ہوں کہ تقصیر سے وزیر کی واقف ہوں ۔“ میں نے فرمایا کہ ” جھوٹ بولنے سے اور بڑا گناہ کون سا ہے ، خصوصاً بادشاہوں کے روبرو ؟“ اُن نے کہا ” اُس کا دروغ ثابت نہیں ہؤا ۔ شاید جو کچھ کہ عرض کی ہے، سچ ہو ۔ ابھی بےگناہ کا قتل کرنا درست نہیں ۔“ اُس کا میں نے یہ جواب دیا کہ ” ہرگز عقل میں نہیں آتا ، ایک تاجر کہ نفع کے واسطے شہر بہ شہر اور ملک بہ ملک خراب ہوتا پھرتا ہے اور کوڑی کوڑی

جمع کرتا ہے ، بارہ دانے لعل کے ، جو وزن میں سات سات
مثقال کے ہوں ، کتے کے پٹے میں لگا دے ۔" اس نے کہا
" خدا کی قدرت سے تعجب نہیں ۔ شاید کہ باشد ۔ ایسے
تحفے ، اکثر سوداگروں اور فقیروں کے ہاتھ آتے ہیں ۔ اس
واسطے کہ یہ دونوں ہر ایک ملک میں جاتے ہیں اور
جہاں سے جو کچھ پاتے ہیں ، لے آتے ہیں ۔ صلاح دولت
ہے کہ اگر وزیر ایسا ہی تقصیروار ہے تو حکم قید کا ہو۔
اس لئے کہ وزیر پادشاہوں کی عقل ہوتے ہیں اور یہ حرکت
سلاطینوں سے بدنما ہے کہ ایسی بات پر، کہ جھوٹ سچ
اس کا ابھی ثابت نہیں ہؤا ، حکم قتل کا فرمائیں اور اس
کی تمام عمر کی خدمت اور نمک حلالی بھول جائیں ۔ پادشاہ
سلامت! اگلے شہریاروں نے بندی خانہ اسی سبب سے ایجاد
کیا ہے کہ پادشاہ یا سردار، اگر کسو پر غضب ہوں، تو
اسے قید کریں ۔ کئی دن میں غصہ جاتا رہے گا اور
بےتقصیری اس کی ظاہر ہو گی ۔ پادشاہ خون ناحق سے محفوظ
رہیں گے ۔ کل کو روز قیامت میں ماخوذ نہ ہوئیں گے ۔"
میں نے جتنا اس کو قائل کرنے کو چاہا ، اس نے ایسی
معقول گفتگو کی کہ مجھے لاجواب کیا ۔ تب میں نے کہا
کہ " خیر تیرا کہنا پذیرا ہؤا ۔ میں خون سے اس کے
درگزرا لیکن زندان میں مقید رہے گا ۔ اگر ایک سال کے
عرصے میں ، اس کا سخن راست ہؤا کہ ایسے لعل ، کتے کے
گلے میں ہیں تو اس کی نجات ہو گی اور نہیں تو ، بڑے
عذاب سے مارا جائے گا ۔" فرمایا کہ "وزیر کو پنڈت خانے
میں لے جاؤ ۔" یہ حکم سن کر ایلچی نے زمین ، خدمت کی ،
چومی اور تسلیمات کی ۔

جب یہ خبر وزیر کے گھر میں گئی ، آہ واویلا مچا اور ماتم سرا ہو گیا ۔ اس وزیر کی ایک بیٹی تھی ، برس چودہ پندرہ کی، نہایت خوب صورت اور قابل ، نوشت و خواند میں درست ۔ وزیر اس کو نپٹ پیار کرتا تھا اور عزیز رکھتا تھا۔ چنانچہ اپنے دیوان خانے کے پچھواڑے ، ایک رنگ محل اس کی خاطر بنوا دیا تھا اور لڑکیاں ، عمدوں کی ، اس کی مصاحبت میں، اور خواصیں شکیل، خدمت میں رہتیں ، ان سے ہنسی خوشی کھیلا کودا کرتی ۔

اتفاقاً جس دن ، وزیر کو محبوس خانے میں بھیجا ، وہ لڑکی اپنی ہم جولیوں میں بیٹھی تھی اور خوشی سے گڑیا کا بیاہ رچایا تھا، اور ڈھولک پکھاوج لئے ہوئے، رت جگے کی تیاری کر رہی تھی ۔ اور کڑاھی چڑھا کر ، گلگلے اور رحم تلے، بنا رہی تھی کہ ایک بارگی اس کی ماں، روتی پیٹتی، سر کھلے ، پاؤں ننگے ، بیٹی کے گھر میں گئی ۔ اور دوھتڑ اس لڑکی کے سر پر ماری اور کہنے لگی " کاش کہ! تیرے بدلے خدا اندھا بیٹا دیتا تو میرا کلیجا ٹھنڈا ہوتا اور باپ کا رفیق ہوتا ۔" وزیرزادی نے پوچھا " اندھا بیٹا تمھارے کس کام آتا ؟ جو کچھ بیٹا کرتا میں بھی کر سکتی ہوں ۔" اماں نے جواب دیا " خاک تیرے سر پر ، یہ بپتا بیتی ہے کہ پادشاہ کے روبرو کچھ ایسی بات کہی کہ بندی خانے میں قید ہؤا ۔" اس نے پوچھا " وہ کیا بات تھی ؟ ذرا میں بھی سنوں ۔" تب وزیر کے قبیلے نے کہا کہ "تیرے باپ نے شاید یہ کہا کہ نیشاپور میں کوئی سوداگر ہے ، اس نے بارہ عدد لعل بے بہا، کتے کے پٹے میں ٹانکے ہیں ۔

پادشاہ کو باور نہ ہؤا، اُسے جھوٹا سمجھا اور اسیر کیا۔ اگر آج کے دن بیٹا ہوتا تو ہر طرح سے کوشش کر کر اس بات کو تحقیق کرتا، اور اپنے باپ کا اُپرالا کرتا، اور پادشاہ سے عرض معروض کر کے میرے خاوند کو پنڈت خانے سے مخلصی دلواتا۔"

وزیرزادی بولی" اماں جان! تقدیر سے لڑا نہیں جاتا۔ چاہئیے، انسان بلائے ناگہانی میں صبر کرے اور اُمیدوار فضل الٰہی کا رہے ۔ وہ کریم ہے، مشکل کسو کی اٹکی نہیں رکھتا اور رونا دھونا خوب نہیں۔ مبادا، دشمن اور طرح سے، پادشاہ کے پاس لگاویں اورلترے چغلی کھاویں کہ باعث زیادہ خفگی کا ہو۔ بلکہ جہاں پناہ کے حق میں دعا کرو۔ ہم اُس کے خانہ زاد ہیں، وہ ہمارا خداوند ہے۔ وہی غضب ہؤا ہے وہی مہربان ہوگا۔" اُس لڑکی نے عقل مندی سے، ایسی ایسی طرح، ماں کو سمجھایا کہ کچھ اُس کو صبر و قرار آیا۔ تب اپنے محل میں گئی، اور چپکی ہو رہی۔ جب رات ہوئی، وزیر زادی نے داوا کو بلایا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں پڑی۔ بہت سی منت کی اور رونے لگی اور کہا" میں یہ ارادہ رکھتی ہوں کہ اماں جان کا طعنہ مجھ پر نہ رہے اور میرا باپ مخلصی پاوے۔ جو تو میرا رفیق ہو، تو میں نیشاپور کو چلوں اور اُس تاجر کو (جس کے کتے کے گلے میں ایسے لعل ہیں) دیکھ کر، جو بن آوے، کر آؤں، اور اپنے باپ کو چھڑاؤں۔"

پہلے تو اُس مرد نے انکار کیا۔ آخر، بہت کہنے سننے سے، راضی ہؤا۔ تب وزیر زادی نے فرمایا" چپکے چپکے،

اسباب سفر کا درست کرو اور جنس تجارت کی ، لائق نذر پادشاھوں کے ، خرید کر، اور غلام و نوکر چاکر جتنے ضرور ھوں ، ساتھ لے۔ لیکن یہ بات کسو پر نہ کھلے ۔" داوا نے قبول کیا اور اس کی تیاری میں لگا ۔ جب سب اسباب مہیا کیا ، اونٹوں اور خچروں پر بار کر کر، روانہ ھؤا ۔ اور وزیر زادی بھی ، لباس مردانہ پہن کر، ساتھ جا ملی ۔ ھرگز کسو کو گھر میں نہ خبر ھوئی ۔ جب صبح ھوئی وزیر کے محل میں چرچا ھؤا کہ وزیر زادی غائب ھے ، معلوم نہیں کیا ھوئی ۔

آخر، بدنامی کے ڈر سے، ماں نے بیٹی کا گم ھونا چھپایا،اور وھاں وزیر زادی نے اپنا نام سوداگر بچہ رکھا ۔ منزل بہ منزل، چلتے چلتے نیشاپور میں پہنچی ۔ خوشی بہ خوشی کاروان سرا میں جا اتری اور سب اپنا اسباب اتارا ، رات کو رھی ۔ فجر کو حمام میں گئی اور پوشاک پاکیزہ ، جیسے روم کے باشندے پہنتے ھیں ، پہنی اور شہر کی سیر کے واسطے نکلی ۔ آتے آتے جب چوک میں پہنچی ، چوراھے پر کھڑی ھوئی ۔ ایک طرف دکان جوھری کی، نظر پڑی کہ بہت سے جواھر کا ڈھیر لگ رھا ھے اور غلام، لباس فاخرہ پہنے ھوئے ، دست بستہ کھڑے ھیں اور ایک شخص، جو سوداگر ھے ، برس پچاس ایک کے اس کی عمر ھے ، طالع مندوں کی سی خلعت ، اور نیمہ آستین پہنے ھوئے ، اور کئی مصاحب با وضع، نزدیک اس کے کرسیوں پر بیٹھے ھیں اور آپس میں باتیں کر رھے ھیں ۔

وہ وزیر زادی (جس نے اپنے تئیں ، سوداگر بچہ مشہور

کیا تھا) اُسے دیکھ کر متعجب ہوئی اور دل میں سمجھ کر خوش ہوئی کہ ''خدا جھوٹ نہ کرے، جس سوداگر کا میرے باپ نے پادشاہ سے مذکور کیا ہے، اغلب ہے کہ یہی ہو۔ بارے خدایا! اس کا احوال مجھ پر ظاہر کر۔'' اتفاقاً ایک طرف جو دیکھا تو ایک دکان ہے، اُس میں دو پنجرے آہنی لٹکے ہیں اور اُن دونوں میں دو آدمی قید ہیں۔ اُن کی مجنوں کی سی صورت ہو رہی ہے کہ چرم و استخواں باقی ہے اور سر کے بال اور ناخن بڑھ گئے ہیں۔ سر اوندھائے بیٹھے ہیں اور دو حبشی بدھیئت، مسلح، دونوں طرف کھڑے ہیں۔ سوداگر بچے کو اچنبھا آیا۔ لاحول پڑھ کر دوسری طرف جو دیکھا، تو ایک دکان میں قالیچے بچھے ہیں۔ اُن پر ایک چوکی، ہاتھی دانت کی، اُس پر گدیلا مخمل کا پڑا ہؤا، ایک کتا جواہر کا پٹا گلے میں، اور سونے کی زنجیر سے بندھا ہؤا، بیٹھا ہے۔ اور دو غلام امرد، خوبصورت اُس کی خدمت کر رہے ہیں۔ ایک تو مورچھل، جڑاؤ دستے کا، لئے جھلتا ہے۔ اور دوسرا رومال، تار کشی کا، ہاتھ میں لے کر، منہ اور پاؤں اُس کا پونچھ رہا ہے۔ سوداگر بچے نے خوب غور کر کر جو دیکھا تو پٹے میں کتے کے، بارھوں دانے لعل کے، جیسے سنے تھے، موجود ہیں۔ شکر خدا کا کیا اور فکر میں گیا کہ کس صورت سے اُن لعلوں کو پادشاہ پاس لے جاؤں اور دکھا کر اپنے باپ کو چھڑاؤں؟ یہ تو اُس حیرانی میں تھا اور تمام خلقت، چوک اور رستے کی، اُس کا حسن و جمال دیکھ کر حیران تھی اور ھکا بکا ہو رہی تھی۔ سب آدمی آپس میں یہ چرچا کرتے تھے کہ آج

تلک، اس صورت و شبیہ کا انسان نظر نہیں آیا ۔ اُس خواجہ نے بھی دیکھا ، ایک غلام کو بھیجا کہ تو جا کر، بمنت اُس سوداگر بچے کو ، میرے پاس بلا لا ۔

وہ غلام آیا اور خواجہ کا پیام لایا ،کہ " اگر مہربانی فرمائیے تو ہمارا خداوند ، صاحب کا مشتاق ہے ۔ چل کر ملاقات کیجیے ۔" سوداگر بچہ تو چاہتا ہی تھا بولا " کیا مضائقہ ؟" جونہیں خواجہ کے نزدیک آیا اور اُس پر خواجہ کی نظر پڑی ، ایک برچھی عشق کی سینے میں گڑی ۔ تعظیم کی خاطر سر و قد اُٹھا لیکن حواس باختہ ۔ سوداگر بچے نے دریافت کیا کہ اب یہ دام میں آیا ۔ آپس میں بغل گیری ہوئی ۔ خواجہ نے سوداگر بچے کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اپنے برابر بٹھایا ۔ بہت سا تملق کر کے پوچھا کہ " اپنے نام و نسب سے مجھے آگاہ کرو۔ کہاں سے آنا ہؤا اور کہاں کا ارادہ ہے؟" سوداگر بچہ بولا کہ " اس کم ترین کا وطن روم ہے اور قدیم سے استنبول زادبوم ہے ۔ میرے قبلہ گاہ سوداگر ہیں ۔ اب بہ سبب پیری کے ، طاقت سیر و سفر کی نہیں رہی ۔ اس واسطے مجھے رخصت کیا ہے کہ کاربار تجارت کا سیکھوں۔ آج تلک میں نے ، قدم گھر سے باہر نہ نکالا تھا ۔ یہ پہلا ہی سفر درپیش ہؤا ۔ دریا کی راہ ہواؤ نہ پڑا ۔ خشکی کی طرف سے قصد کیا ۔ لیکن اس عجم کے ملک میں ، آپ کے اخلاق اور خوبیوں کا جو شور ہے ، محض صاحب کی ملاقات کی آرزو میں یہاں تلک آیا ہوں ۔ بارے ، فضل الٰہی سے ، خدمت شریف میں مشرف ہؤا ، اور اس سے زیادہ پایا ۔ تمنا دل کی بر آئی ۔ خدا سلامت

رکھیے - اب یہاں سے کوچ کروں گا -"

یہ سنتے ہی خواجہ کے عقل و ہوش جاتے رہے - بولا کہ " اے فرزند ! ایسی بات مجھے نہ سناؤ - کوئی دن غریب خانے میں کرم فرماؤ - بھلا یہ تو بتاؤ کہ تمہارا اسباب اور نوکر چاکر کہاں ہیں ؟ " سوداگر بچے نے کہا کہ " مسافر کا گھر سرا ہے - انہیں وہاں چھوڑ کر میں آپ کے پاس آیا ہوں -" خواجہ نے کہا کہ " بھٹیار خانے میں رہنا مناسب نہیں - میرا اس شہر میں اعتبار ہے اور بڑا نام ہے - جلد انہیں بلوا لو - میں ایک مکان، تمہارے اسباب کے لئے، خالی کر دیتا ہوں - جو کچھ جنس لائے ہو، میں دیکھوں - ایسی تدبیر کروں گا کہ یہیں تمھیں بہت سا نفع ملے - تم بھی خوش ہو گے اور سفر کے ہرج مرج سے بچو گے اور مجھے بھی، چندروز رہنے سے، اپنا احسان مند کرو گے -" سوداگر بچے نے اوپری دل سے عذر کیا لیکن خواجہ نے پذیرا نہ کیا ، اور اپنے گماشتے کو فرمایا کہ بار بردار جلد بھیجو ، اور کاروان سرا سے ان کا اسباب منگوا کر ، فلانے مکان میں رکھواؤ -

سوداگر بچے نے ، ایک زنگی غلام کو ، ان کے ساتھ کر دیا کہ سب مال متاع لدوا کر لے آ ، اور آپ شام تلک خواجہ کے ساتھ بیٹھا رہا - جب گذری کا وقت ہو چکا اور دکان بڑھائی ، خواجہ گھر کو چلا - تب دونوں غلاموں میں سے ، ایک نے کتے کو بغل میں لیا ، دوسرے نے کرسی اور قالیچہ اٹھا لیا - اور ان دونوں حبشی غلاموں نے ، اس پنجرے کو، مزدوروں کے سر پر دھر دیا ، اور آپ،

پانچوں ھتھیار باندھے، ساتھ ہوئے ۔ خواجہ ، سوداگر بچے کا ھاتھ ، ھاتھ میں لئے ، باتیں کرتا ھؤا ، حویلی میں آیا ۔

سوداگر بچے نے دیکھا کہ مکان عالی شان ، لائق پادشاھوں یا امیروں کے ھے ۔ لب نہر، فرش چاندنی کا بچھا ھےاور مسند کے روبرو ، اسباب عیش کا چنا ھے ۔ کتے کی صندلی بھی، اُسی جگہ بچھائی اور خواجہ ، سوداگر بچے کو لے کر، بیٹھا ۔ بے تکلف ، تواضع شراب کی ، کی ۔ دونوں پینے لگے۔ جب سرخوش ہوئے تب خواجہ نے کھانا مانگا ۔ دسترخوان بچھا اور دنیا کی نعمت چنی گئی ۔ پہلے ایک لنگری میں ، کھانا لے کر ، سرپوش طلائی ڈھانپ کر ، کتے کے واسطے لے گئے اور ایک دسترخوان زربفت کا بچھا کر، اُس کے آگے دھر دی ۔ کتا صندلی سے نیچے اُتر ، جتنا چاھا ، اُتنا کھایا اور سونے کی لگن میں پانی پیا ۔ پھر چوکی پر جا بیٹھا ۔ غلاموں نے رومال سے ھاتھ منہ اُس کا پاک کیا ۔ پھر اُس طباق اور لگن کو ، غلام پنجرے کے نزدیک لے گئے اور خواجہ سے کنجی مانگ کر ، قفل قفس کا کھولا ۔

اُن دونوں انسانوں کو باھر نکال کر، کئی سونٹے مار کر کتے کا جھوٹا اُنھیں کھلایا اور وھی پانی پلایا ۔ پھر تالا بند کر کر ، تالی خواجہ کے حوالے کی ۔ جب یہ سب ھوچکا ، تب خواجہ نے آپ کھانا شروع کیا ۔ سوداگر بچے کو یہ حرکت پسند نہ آئی ، گھن کھا کر ھاتھ کھانے میں نہ ڈالا ۔ ھرچند خواجہ نے منت کی پر اُس نے انکار ھی کیا ۔ تب خواجہ نے سبب اُس کا پوچھا کہ " تم کیوں نہیں کھاتے ؟" سوداگر بچے نے کہا "یہ حرکت تمھاری ، اپنے

تئیں ، بدنما معلوم ہوئی ۔ اس لئے کہ انسان اشرف‌المخلوقات ہے اور کتا نجس‌العین ہے ۔ پس خدا کے دو بندوں کو ، کتے کا جھوٹا کھلانا ، کس مذہب و ملت میں روا ہے ؟ فقط یہ غنیمت نہیں جانتے کہ وے تمھاری قید میں ہیں ؟ نہیں تو تم اور وے برابر ہیں ۔ اب میرے تئیں شک آئی کہ تم مسلمان نہیں ۔ کیا جانوں کون ہو کہ کتے کو پوجتے ہو؟ مجھے ، تمھارا کھانا کھانا ، مکروہ ہے جب تلک یہ شبہ دل سے دور نہ ہو ۔"

خواجہ نے کہا " اے بابا ! جو کچھ تو کہتا ہے ، میں یہ سب سمجھتا ہوں ۔ اور اسی خاطر بدنام ہوں کہ اس شہر کی خلقت نے میرا نام خواجۂ سگ پرست رکھا ہے ۔ اسی طرح پکارتے ہیں اور مشہور کیا ہے ۔ لیکن خدا کی لعنت ، کافروں اور مشرکوں پر ہوجیو ۔" کلمہ پڑھا اور سوداگر بچے کی خاطر جمع کی ۔ تب سوداگر بچے نے پوچھا کہ " اگر مسلمان بہ دل ہو تو اس کا کیا باعث ہے؟ ایسی حرکت کر کے اپنے تئیں بدنام کیا ہے ۔" خواجہ نے کہا " اے فرزند ! نام میرا بدنام ہے اور دگنا محصول اس شہر میں بھرتا ہوں ۔ اسی واسطے کہ یہ بھید کسو پر ظاہر نہ ہو ۔ عجب یہ ماجرا ہے کہ جو کوئی سنے ، سوائے غم اور غصے کے ، اسے کچھ اور حاصل نہ ہو ۔ تو بھی مجھے معاف رکھ کہ نہ مجھ میں قدرت کہنے کی ، اور نہ تجھ میں طاقت سننے کی ، رہے گی ۔" سوداگر بچے نے اپنے دل میں غور کی کہ مجھے اپنے کام سے کام ہے ، کیا ضرور ہے جو ناحق میں زیادہ مجوز ہوں ؟ بولا " خیر ، اگر

لائق کہنے کے ، نہیں تو نہ کہئے ۔" کھانے میں ہاتھ ڈالا ، اور نوالہ اُٹھا کر کھانے لگا ۔ دو مہینے تک اس ہوشیاری اور عقلمندی سے، سوداگر بچے نے خواجہ کے ساتھ گزران کی کہ کسو پر ہرگز نہ کھلا کہ یہ عورت ہے ۔ سب یہی جانتے تھے کہ مرد ہے ۔ اور خواجہ سے روز بروز ایسی محبت زیادہ ہوئی کہ ایک دم اپنی آنکھوں سے جدا نہ کرتا ۔

ایک دن ، عین مے نوشی کی صحبت میں ، سوداگر بچے نے رونا شروع کیا ۔ خواجہ نے دیکھتے ہی خاطر داری کی اور رومال سے آنسو پونچھنے لگا اور سبب گریہ کا پوچھا ۔ سوداگر بچے نے کہا " اے قبلہ! کیا کہوں ؟ کاش کہ ، تمھاری خدمت میں بندگی پیدا نہ کی ہوتی اور یہ شفقت ، جو صاحب میرے حق میں کرتے ہیں ، نہ کرتے ! اب دو مشکلیں میرے پیش آئی ہیں ، نہ تمھاری خدمت سے جدا ہونے کو جی چاہتا ہے اور نہ رہنے کا اتفاق یہاں ہوسکتا ہے ۔ اب جانا ضرور ہؤا ، لیکن آپ کی جدائی سے ، اُمید زندگی کی ، نظر نہیں آتی ۔"

یہ بات سن کر، خواجہ بے اختیار ایسا رونے لگا کہ ہچکی بندھ گئی اور بولا کہ " اے نور چشم! ایسی جلدی ، اس اپنے بوڑھے خادم سے، سیر ہوئے کہ اسے دل گیر کئے جاتے ہو ؟ قصد روانہ ہونے کا دل سے دور کرو ۔ جب تلک میری زندگی ہے ، رہو ۔ تمھاری جدائی سے ، ایک دم ، میں جیتا نہ رہوں گا ۔ بغیر اجل کے مر جاؤں گا ۔ اور اس ملک فارس کی آب و ہوا ، بہت خوب اور موافق ہے ، بہتر تو

یوں ہے کہ ایک آدمی معتبر بھیج کر، اپنے والدین کو، مع اسباب، یہیں بلوا لو۔ جو کچھ ، سواری اور برداری درکار ہو ، میں موجود کروں ۔ جب ماں باپ تمھارے اور گھر بار، سب آیا ، اپنی خوشی سے کاربار ، تجارت کا ، کیا کریو ۔ میں نے بھی اس عمر میں ، زمانے کی بہت سختیاں کھینچی ہیں اور ملک ملک پھرا ہوں ۔ اب بوڑھا ہؤا ۔ فرزند نہیں رکھتا ۔ میں تجھے، بہتر اپنے بیٹے سے ، جانتا ہوں اور اپنا ولی عہد و مختار کرتا ہوں ۔ میرے کارخانے سے بھی ہوشیار اور خبردار ہو۔ جب تلک جیتا ہوں ایک ٹکڑا کھانے کو اپنے ہاتھ سے دو ۔ جب مر جاؤں، گاڑ داب دیجو ۔ اور سب مال و متاع میرا لیجو ۔"

تب سوداگر بچے نے جواب دیا کہ " واقعی ، صاحب نے زیادہ باپ سے ، میری غم‌خواری اور خاطرداری کی کہ مجھے ماں باپ بھول گئے ۔ لیکن اس عاصی کے والد نے ایک سال کی رخصت دی تھی ۔ اگر دیر لگاؤں گا، تو وے اس پیری میں ، روتے روتے مر جائیں گے ۔ پس ، رضامندی پدر کی ، خوشنودی خدا کی ہے ۔ اور اگر وہ مجھ سے ناراضی ہوں گے تو میں ڈرتا ہوں کہ شاید دعائے بد نہ کریں کہ دونوں جہان میں خدا کی رحمت سے محروم رہوں ۔ اب آپ کی یہی شفقت ہے کہ بندے کو حکم کیجیے کہ فرمانا قبلہ گاہ ، کا بجا لاوے اور حق پدری سے ادا ہووے ۔ اور صاحب کی توجہ کا ادائے شکر ، جب تلک دم میں دم ہے ، میری گردن پر ہے ۔ اگر اپنے ملک میں بھی جاؤں گا تو ہر دم دل و جان سے یاد کروں گا ۔ خدا مسبب الاسباب

ہے، شاید پھر کوئی ایسا سبب ہو کہ قدم بوسی حاصل کروں ۔"

غرض ، سوداگر بچے نے ایسی ایسی باتیں ، لون مرچیں لگا کر خواجہ کو سنائیں کہ وہ بچارا، لاچار ہوکر ہونٹ چاٹنے لگا ۔ ازبسکہ اُس پر شیفتہ اور فریفتہ ہو رہا تھا کہنے لگا " اچھا، اگر تم نہیں رہتے، تو میں ھی تمھارے ساتھ چلتا ہوں ۔ میں تجھ کو اپنی جان کے برابر جانتا ہوں ۔ پس ، جب جان چلی جاوے تو خالی بدن کس کام آوے ؟ اگر تو اسی میں رضامند ہے ، تو چل اور مجھے بھی لے چل ۔" سوداگر بچے سے یہ کہہ کر اپنی تیاری سفر کی کرنے لگا ، اور گماشتوں کو حکم کیا کہ بار برداری کی فکر جلدی کرو ۔

جب خواجہ کے چلنے کی خبر مشہور ہوئی ۔ وہاں کے سوداگروں نے سن کر ، سب نے تہیہ سفر کا ، کیا ۔ خواجۂ سگ پرست نے ، گنج اورجواھر بے شمار ، نوکر اور غلام ان گنت ، تحفے اور اسباب شاھانہ بہت سا ، ساتھ لے کر شہر کے باھر، تنبو اور قنات اور بے چوبے اور سرا پردے اور کندلے کھڑے کروا کر ، اُن میں داخل ہؤا ۔ جتنے تجار تھے ، اپنی اپنی بساط موافق، مال سوداگری کا لے کر، ھمراہ ہوئے ۔ برائے خود ایک لشکر ہو گیا ۔

ایک دن جوگنی کو پیٹھ دے کر وہاں سے کوچ کیا ، ھزاروں اونٹوں پر شلیتے اسباب کے ، اور خچروں پر صندوق، نقد جواھر کے لاد کر ، پانچ سو غلام، دشت قبچاق اور زنگ و روم کے، مسلح ، صاحب شمشیر ، تازی اور ترکی و عراق و عربی گھوڑوں پر چڑھ کر چلے ۔ سب کے

پیچھے، خواجہ اور سوداگر بچہ ، خلعت فاخرہ پہنے ، سکھپال پر سوار اور ایک تخت بغدادی آونٹ پر کسا ، اس پر کتا مسند پر سویا ہؤا ، اور ان دونوں قیدیوں کے قفس ایک شتر پر لٹکائے ہوئے ، روانہ ہوئے۔ جس منزل میں پہنچتے ، سب سوداگر خواجہ کی بارگاہ میں آ کر حاضر ہوتے ، اور دسترخوان پر کھانا کھاتے اورشراب پیتے۔ خواجہ ، سوداگر بچے کے ساتھ ہونے کی خوشی میں ، شکر خدا کا کرتا اور کوچ در کوچ چلا جاتا تھا ۔ بارے ، بہ خیر و عافیت ، نزدیک قسطنطنیہ کے آ پہنچے ، باہر شہر کے مقام کیا ۔ سوداگر بچے نے کہا " اے قبلہ ! اگر رخصت دیجیے تو میں جا کر ، ماں باپ کو دیکھوں ۔ اور مکان صاحب کے واسطے خالی کروں ، جب مزاج ساسی میں آوے شہر میں داخل ہوجیے ۔"

خواجہ نے کہا "تمھاری خاطر تو میں یہاں آیا۔ اچھا، جلد مل جل کر، میرے پاس آؤ اور اپنے نزدیک میرے اترنے کو مکان دو ۔" سوداگر بچہ رخصت ہو کر اپنے گھر میں آیا ، سب وزیر کے محل کے آدمی حیران ہوئے کہ یہ مرد کون گھس آیا ۔ سوداگر بچہ (یعنی بیٹی وزیر کی) اپنی ماں کے پاؤں پر جا گری اور روئی اور بولی کہ " میں تمھاری جائی ہوں ۔" سنتے ہی وزیر کی بیگم، گالیاں دینے لگی کہ " اے تتری! تو بڑی شتا ہو نکلی، اپنا منہ تونے کالا کیا اور خاندان کو رسوا کیا ، ہم تو ، تیری جان کو رو پیٹ کر، صبر کرکے ، تجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے ۔ جا دفع ہو ۔"

تب وزیر زادی نے سر سے پگڑی اتار کر پھینک دی اور بولی " اے اماں جان ! میں بری جگہ نہیں گئی - کچھ بدی نہیں کی - تمھارے بموجب فرمانے کے ، بابا کو قید سے چھڑانے کی خاطر ، یہ سب فکر کی - الحمدللہ ! کہ تمھاری دعا کی برکت سے ، اور اللہ کے فضل سے، پورا کام کر کے آئی ہوں کہ نیشاپور سے اس سوداگر کو بمعہ کتے (جس کے گلے میں وے لعل پڑے ہیں) اپنے ساتھ لائی ہوں اور تمھاری امانت میں بھی خیانت نہیں کی - سفر کے لئے مردانہ لباس کیا ہے - اب ایک روز کا کام باقی ہے وہ کر کر ، قبلہ گاہ کو پنڈت خانے سے چھڑاتی ہوں اور اپنے گھر میں آتی ہوں - اگر حکم ہو تو پھر جاؤں اور ایک روز باہر رہ ، خدمت میں آؤں -" ماں نے جب خوب معلوم کیا کہ میری بیٹی نے مردوں کا کام کیا اور اپنے تئیں سب طرح سلامت و محفوظ رکھا ہے ، خدا کی درگاہ میں نک گھسنی کی، اور خوش ہوکر بیٹی کو چھاتی سے لگا لیا اور منہ چوما ، بلائیں لیں ، دعائیں دیں اور رخصت کیا کہ " تو جو مناسب جان سو کر ، میری خاطر جمع ہوئی -"

وزیر زادی ، پھر سوداگر بچہ بن کر، خواجۂ سگ‌پرست پاس چلی - وہاں خواجہ کو ، جدائی اس کی ، از بسکہ شاق ہوئی ، بے اعتبار ہو کر کوچ کیا - اتفاقاً نزدیک شہر کے ، ایدھر سے سوداگر بچہ جاتا تھا ، اور ادھر سے خواجہ آتا تھا، عین راہ میں ملاقات ہوئی - خواجہ نے دیکھتے ہی کہا " بابا! مجھ بوڑھے کو اکیلا چھوڑ کر کہاں گیا تھا؟"

سوداگر بچہ بولا ” آپ سے اجازت لے کر اپنے گھر گیا تھا ۔ آخر ملازمت کے اشتیاق نے وہاں رہنے نہ دیا ، آ کر حاضر ہؤا ۔“ شہر کے دروازے پر دریا کے کنارے ، ایک باغ سایہ دار دیکھ کر ، خیمہ استاد کیا اور وہیں آترے ۔ خواجہ اور سوداگر بچہ ، باہم بیٹھ کر ، شراب و کباب پینے لگے ۔ جب عصر کا وقت ہؤا ، سیر تماشے کی خاطر ، خیمے سے نکل کر، صندلیوں پر بیٹھے۔ اتفاقاً ، ایک قراول بادشاہی آدھر آ نکلا ۔ آن کا لشکر اور نشست برخاست دیکھ کر ، اچنبھے ہو رہا اور دل میں کہا ، شاید ایلچی کسو بادشاہ کا آیا ہے ۔ کھڑا تماشا دیکھتا تھا ۔

خواجہ کے شاطر نے آس کو آگے بلایا اور پوچھا کہ ” تو کون ہے ؟ “ آس نے کہا ” میں بادشاہ کا میر شکار ہوں ۔“ شاطر نے خواجہ سے آس کا احوال کہا ۔ خواجہ نے ایک غلام کافری کو کہا کہ ’ جا کر بازدار سے کہہ کہ ہم مسافر ہیں ۔ اگر جی چاہے تو آؤ، بیٹھو ۔ قہوہ قلیان حاضر ہے ۔‘ جب میر شکار نے نام سوداگر کا سنا ، زیادہ متعجب ہؤا ۔ اور یتیم کے ساتھ خواجہ کی مجلس میں آیا ۔ لوازم اور شان و شوکت اور سپاہ و غلام دیکھے ۔ خواجہ اور سوداگر بچے کو سلام کیا اور مرتبہ سگ کا نگاہ کیا ۔ خواجہ نے آسے بٹھا کر ، قہوے کی ضیافت کی ، قراول نے نام و نشان خواجہ کا پوچھا ۔ جب رخصت مانگی ، خواجہ نے کئی تھان اور کچھ تحفے آسے دے کر اجازت دی ۔ صبح کو جب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہؤا ، درباریوں سے خواجہ سوداگر کا ذکر کرنے لگا ۔ رفتہ رفتہ مجھ کو

خبر ہوئی ۔ میر شکار کو ، میں نے روبرو طلب کیا اور سوداگر کا احوال پوچھا ۔

اُس نے جو کچھ دیکھا تھا عرض کیا ۔ سننے سے، کتے کے تجمل کے ، اور دو آدمیوں کے پنجرے میں قید ہونے کے ، مجھ کو خفگی آئی ۔ میں نے فرمایا " وہ مردود تاجر واجب القتل ہے ۔" نسقچیوں کو حکم کیا کہ " جلد جاؤ ۔ اُس بے دین کا سرکاٹ لاؤ ۔" قضاکار ، وہی ایلچی فرنگ کا دربار میں حاضر تھا ، مسکرایا ۔ مجھے اور بھی غضب زیادہ ہؤا ۔ "اے بے ادب! بادشاہوں کے حضور میں، بے سبب دانت کھولنے ، ادب سے باہر ہیں ۔ بے محل ہنسنے سے رونا بہتر ہے ۔" اُس نے التماس کیا " جہاں پناہ ! کئی باتیں خیال میں گزریں ، لہذا فدوی متبسم ہؤا ۔ پہلے یہ کہ وزیر سچا ہے ، اب قید خانے سے رہائی پاوے گا ۔ دوسرے یہ کہ پادشاہ خون ناحق سے اُس وزیر کے بچے ۔ تیسرے یہ کہ قبلۂ عالم نے بے سبب اور بے تقصیر ، اُس سوداگر کو حکم قتل کا کیا ۔ ان حرکتوں سے تعجب آیا کہ بے تحقیق ، ایک بے وقوف کے کہنے سے ، آپ ہر کسو کو حکم قتل کا کر بیٹھتے ہیں ۔ خدا جانے فی الحقیقت اُس خواجہ کا احوال کیا ہے ! اُسے حضور میں طلب کیجیے اور اُس کی واردات پوچھیے ۔ اگر تقصیر وار ٹھہرے، تب مختار ہو جو مرضی میں آوے ، اُس سے سلوک کیجیے ۔"

جب ایلچی نے اس طرح سے سمجھایا ، مجھے بھی وزیر

کا کہنا یاد آیا۔ فرمایا ” سوداگر کو، اُس کے بیٹے کے ساتھ، اور وہ سگ اور قفس حاضر کرو۔“ قورچی، اُس کے بلانے کو، دوڑائے۔ ایک دم میں، سب کو حضور میں لے آئے۔ روبرو طلب کیا۔ پہلے خواجہ اور اُس کا پسر آیا، دونوں لباس فاخرہ پہنے ہوئے۔ سوداگر بچے کا جمال دیکھنے سے، سب ادنیٰ اعلیٰ، حیران اور بھیچک ہوئے۔ ایک خوان طلائی، جواہر سے بھرا ہوا (کہ ہر ایک رقم کی چھوٹ نے، سارے مکان کو روشن کر دیا) سوداگر بچہ ہاتھ میں لئے آیا اور میرے تخت کے آگے نچھاور کیا۔ آداب کورنشات بجا لا کر کھڑا ہوا، خواجہ نے بھی زمین چومی اور دعا کرنے لگا۔ اس گویائی سے بولتا تھا کہ گویا بلبل ہزار داستاں ہے۔ میں نے اُس کی لیاقت کو بہت پسند کیا، لیکن عتاب کے رو سے کہا ” اے شیطان، آدمی کی صورت! تو نے یہ کیا جال پھیلایا ہے اور اپنی راہ میں کنواں کھودا ہے؟ تیرا کیا دین ہے اور یہ کون آئین ہے؟ کس پیغمبر کی اُمت ہے؟ اگر کافر ہے تو یہ کیسی مت ہے، اور تیرا کیا نام ہے کہ تیرا یہ کام ہے؟“

اُن نے کہا ” قبلۂ عالم کی عمر و دولت بڑھتی رہے! غلام کا دین یہ ہے کہ خدا واحد ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں اور محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا کلمہ پڑھتا ہوں، اور اُس کے بعد، بارہ امام کو اپنا پیشوا جانتا ہوں۔ اور آئین میری یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہوں، اور حج بھی کر آیا ہوں۔ اور اپنے مال سے خمس زکواۃ دیتا ہوں اور مسلمان کہاتا ہوں۔ لیکن ظاہر

میں ، یہ سارے عیب ، جو مجھ میں بھرے ہیں جن کے سبب سے آپ ناخوش ہوئے ہیں اور تمام خلق اللہ میں بد نام ہو رہا ہوں ، اس کا ایک باعث ہے کہ ظاہر نہیں کر سکتا ۔ ہر چند سگ پرست مشہور ہوں اور مضاعف محصول دیتا ہوں ، یہ سب قبول کیا ہے ، پر دل کا بھید کسو سے نہیں کہا ۔" اس بہانے سے میرا غصہ زیادہ ہؤا اور کہا " مجھے تو باتوں میں پھسلاتا ہے؟ میں نہیں ماننے کا ، جب تلک ، اس اپنی گم راہی کی دلیل معقول ، عرض نہ کرے کہ میرے دل نشین ہو، تب تو جان سے بچے گا ۔ نہیں تو، اس کے قصاص میں ، تیرا پیٹ چاک کراؤں گا ، تو سب کو عبرت ہو کہ بار دیگر کوئی دین محمدی میں رخنہ نہ کرے ۔"

خواجہ نے کہا " اے پادشاہ ! مجھ کم بخت کے خون سے درگزر کر، اور جتنا مال میرا ہے کہ گنتی اور شمار سے باہر ہے ، سب کو لے اور مجھے اور میرے بیٹے کو ، اپنے تخت کے تصدق کر کر ، چھوڑ دے اور جان بخشی کر ۔" میں نے تبسم کر کے کہا " اے بے وقوف ! اپنے مال کی طمع مجھے دکھاتا ہے؟ سوائے سچ بولنے کے اب تیری مخلصی نہیں ۔" یہ سنتے ہی خواجہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے ، اور بیٹے کی طرف دیکھ کر ایک آہ بھری اور بولا " میں تو پادشاہ کے روبرو گنہ گار ٹھہرا ۔ مارا جاؤں گا ، اب کیا کروں ؟ تجھے کس کو سونپوں ؟ " میں نے ڈانٹا کہ " اے مکار ! بس اب ، عذر بہت کئے ۔ جو کہنا ہے ، جلد کہہ ۔"

تب تو اُس مرد نے قدم بڑھا کر، تخت کے پاس آ کر، پائے کو بوسہ دیا اور صفت و ثنا کرنے لگا اور بولا "اے شہنشاہ! اگر حکم قتل کا میرے حق میں نہ ہوتا تو سب سیاستیں سہتا اور اپنا ماجرا نہ کہتا ۔ لیکن جان سب سے عزیز ہے ، کوئی آپ سے کنویں میں نہیں گرتا ۔ پس جان کی محافظت واجب ہے اور ترک واجب کا ، خلاف حکم خدا کے ہے ۔ خیر، جو مرضی مبارک یہی ہے تو سرگزشت اس پیر ضعیف کی سنیے ۔ پہلے حکم ہو کہ وہ دونوں قفس ، جن میں دو آدمی قید ہیں ، حضور میں لا کر رکھیں ۔ میں اپنا احوال کہتا ہوں ۔ اگر کہیں جھوٹ کہوں تو اُن سے پوچھ کر مجھے قائل کیجیے اور انصاف فرمائیے ۔" مجھے یہ بات اُس کی بہت پسند آئی ۔ پنجروں کو منگوا کر، اُن دونوں کو نکلوا کر خواجہ کے پاس کھڑا کیا ۔

خواجہ نے کہا "اے پادشاہ ! یہ مرد جو داہنی طرف ہے ، غلام کا بڑا بھائی ہے ، اور جو بائیں کو کھڑا ہے منجھلا برادر ہے ۔ میں ان دونوں سے چھوٹا ہوں ۔ میرا باپ ملک فارس میں سوداگر تھا ۔ جب میں چودہ برس کا ہؤا ، قبلہ گاہ نے رحلت کی ۔ جب تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی اور پھول اٹھ چکے ، ایک روز ان دونوں بھائیوں نے مجھے کہا کہ 'اب باپ کا مال جو کچھ ہے تقسیم کر لیں ، جس کا دل جو چاہے سو کام کرے ۔' میں نے سن کر کہا 'اے بھائیو! یہ کیا بات ہے ؟ میں تمھارا غلام ہوں ۔ بھائی چاری کا دعویٰ نہیں رکھتا ۔ ایک باپ مر گیا ، تم دونوں میرے پدر کی

جگہ میرے سر پر قائم ہو ۔ ایک نان خشک چاہتا ہوں جس میں زندگی بسر کروں اور تمھاری خدمت میں حاضر رہوں ۔ مجھے حصے بخرے سے کیا کام ہے ؟ تمھارے آگے کے جھوٹے سے اپنا پیٹ بھر لوں گا اور تمھارے پاس رہوں گا ۔ میں لڑکا ہوں ، کچھ پڑھا لکھا بھی نہیں ، مجھ سے کیا ہو سکے گا ؟ ابھی تم مجھے تربیت کرو ۔'

" یہ سن کر جواب دیا کہ ' تو چاہتا ہے کہ اپنے ساتھ ہمیں بھی خراب اور محتاج کرے ؟' میں چپکا ایک گوشے میں جا کر رونے لگا ، پھر دل کو سمجھایا کہ بھائی آخر بزرگ ہیں ، میری تعلیم کی خاطر چشم نمائی کرتے ہیں کہ کچھ سیکھے ۔ اسی فکر میں سو گیا ۔ صبح کو ایک پیادہ قاضی کا آیا اور مجھے دارالشرع میں لے گیا ۔ وہاں دیکھا تو یہی دونوں بھائی حاضر ہیں ۔ قاضی نے کہا ' کیوں اپنے باپ کا ورثہ بانٹ چونٹ نہیں لیتا ؟' میں نے گھر میں جو کہا تھا ، وہاں بھی جواب دیا ۔ بھائیوں نے کہا ' اگر یہ بات اپنے دل سے کہتا ہے تو ہمیں لا دعویٰ لکھ دے کہ باپ کے مال و اسباب سے ، مجھے کچھ علاقہ نہیں ۔' تب بھی میں نے یہی سمجھا کہ یہ دونوں میرے بزرگ ہیں ، میری نصیحت کے واسطے کہتے ہیں کہ باپ کا مال لے کر بے جا تصرف نہ کرے ۔ بہ موجب ان کی مرضی کے ، فارغ خطی بہ مہر قاضی ، میں نے لکھ دی ۔ یہ راضی ہوئے ، میں گھر میں آیا ۔

" دوسرے دن مجھ سے کہنے لگے ' اے بھائی ! یہ مکان جس میں تو رہتا ہے ، ہمیں درکار ہے ۔ تو اپنی

بود و باش کی خاطر، اور جگہ لے کر جا رہ ۔" تب میں نے دریافت کیا کہ یہ باپ کی حویلی میں بھی رہنے سے خوش نہیں ، لاچار ارادہ اٹھ جانے کا کیا ۔ جہاں پناہ ! جب میرا باپ جیتا تھا تو جس وقت سفر سے آتا ، ہر ایک ملک کا تحفہ بہ طریق سوغات کے لاتا اور مجھے دیتا ، اس واسطے کہ چھوٹے بیٹے کو ہر کوئی زیادہ پیار کرتا ہے ۔ میں نے اُن کو بیچ بیچ کر ، تھوڑی سی اپنی بخ کی پونجی بہم پہنچائی تھی، اُسی سے کچھ خرید فروخت کرتا ۔ ایک بار لونڈی ، میری خاطر ، ترکستان سے میرا باپ لایا اور ایک دفعہ گھوڑے لے کر آیا ۔ اُن میں سے ایک بچھڑا ناکند کہ ہونہار تھا ، وہ بھی مجھے دیا ۔ میں اپنے پاس سے دانہ گھاس اُس کا کرتا تھا ۔

" آخر ان کی بےمروتی دیکھ کر ایک حویلی خرید کی ، وہاں جا رہا ۔ یہ کتا بھی میرے ساتھ چلا آیا ۔ واسطے ضروریات کے ، اسباب خانہ داری کا ، جمع کیا اور دو غلام خدمت کی خاطر مول لئے اور باقی پونجی سے، ایک دکان بزازی کی ، کرکے خدا کے توکل پر بیٹھا ۔ اپنی قسمت پر راضی تھا ۔ اگرچہ بھائیوں نے بد خلقی کی ۔ پر خدا جو مہربان ہؤا ، تین برس کے عرصے میں ایسی دکان جمی کہ میں صاحب اعتبار ہؤا ۔ سب سرکاروں میں جو تحفہ جاہتا ، میری ہی دکان سے جاتا ۔ اُس میں ، بہت سے روپے کمائے اور نہایت فراغت سے گزرنے لگی ۔ ہر دم ، جناب باری میں شکرانہ کرتا اور آرام سے رہتا ۔ یہ کبت اکثر اپنے احوال پر پڑھتا :

روٹھے کیوں نہ راجا؟ وا تئیں کچھو نہیں کاجا۔
ایک تو ہے سہاراجا، اور کون کو سراہیے؟
روٹھے کیوں نہ بھائی؟ وا تئیں کچھو نہ بسائی۔
ایک تو ہی ہے سہائی، اور کون پاس جائیے؟
*روٹھے کیوں نہ متر، شترو؟ آٹھوں جام ایک۔
راؤ رہے، چرن کے نیہ کو نبھائیے
سنسار ہے روٹھا، ایک تو ہے انوٹھا۔
سب چومیں گے انگوٹھا، ایک تو نہ روٹھا چاہیے!

"اتفاقاً جمعے کے روز میں اپنے گھر بیٹھا تھا کہ ایک غلام میرا، سودے سلف کو بازار گیا تھا، بعد ایک دم کے روتا ہؤا آیا۔ میں نے سبب پوچھا کہ 'تجھے کیا ہؤا؟' خفا ہو کر بولا کہ 'تمھیں کیا کام ہے؟ تم خوشی مناؤ۔ لیکن قیامت میں کیا جواب دو گے؟' میں نے کہا 'اے حبشی! ایسی کیا بلا تجھ پر نازل ہوئی؟' اس نے کہا 'یہ غضب ہے کہ تمھارے بڑے بھائیوں کی، چوک کے چوراہے میں، ایک یہودی نے مشکیں باندھی ہیں، اور قمچیاں مارتا ہے، اور ہنستا ہے کہ اگر میرا روپیہ نہ دوگے تو مارتے مارتے مار ہی ڈالوں گا۔ بھلا مجھے ثواب تو ہوگا! پس تمھارے بھائیوں کی یہ نوبت اور تم بے فکر ہو۔ یہ بات اچھی ہے؟ لوگ کیا کہیں گے؟' یہ بات

* دوسرے مصرعوں کی طرح یہ بھی مرصع ہونا چاہیے اور اس صورت میں مفہوم بھی واضح نہیں۔ معلوم نہیں اصل میں ایسے ہی ہو، میرامن نے یوں لکھ دیا ہو یا چھاپنے والوں کی غلطی ہو۔

غلام سے سنتے ہی ، لہو نے جوش کیا ۔ ننگے پاؤں بازار کی طرف دوڑا اور غلاموں کو کہا ’ جلد روپے لے کر آؤ ۔‘ جونہی وہاں گیا ، دیکھا تو جو کچھ غلام نے کہا تھا سچ ہے ۔ اُن پر مار پڑ رہی ہے ۔ حاکم کے پیادوں کو کہا ’ واسطے خدا کے ذرا ٹھہر جاؤ ، میں یہودی سے پوچھوں کہ ایسی کیا تقصیر کی ہے ، جس کے بدلے یہ تعزیر کی ہے ؟‘

’’ یہ کہہ کر میں یہودی کے نزدیک گیا اور کہا ’ آج روز آدینہ ہے ، ان کو کیوں ضرب شلاق کر رہا ہے؟‘ اُس نے جواب دیا ’ اگر حمایت کرتے ہو تو پوری کرو ۔ ان کے عوض روپے حوالے کرو ، نہیں تو اپنے گھر کی راہ لو ۔‘ میں نے کہا ’ کیسے روپے ؟ دستاویز نکال ، میں روپے گن دیتا ہوں ۔‘ اُن نے کہا ’ تمسک حاکم کے پاس دے آیا ہوں ۔‘ اس میں ، میرے دونوں غلام ، دو بدرے روپے لے کر آئے ۔ ہزار روپے میں نے یہودی کو دئے اور بھائیوں کو چھڑایا ۔ ان کی یہ صورت ہو رہی تھی کہ بدن سے ننگے ، اور بھوکے پیاسے ۔ اپنے ہمراہ گھر میں لایا ۔ وونہیں حمام میں نہلوایا ۔ نئی پوشاک پہنائی ، کھانا کھلایا ۔ ہرگز ان سے یہ نہ کہا کہ ’ اتنا مال باپ کا ، تم نے کیا کیا ؟‘ شاید شرمندہ ہوں ۔ اے پادشاہ ! یہ دونوں موجود ہیں ، پوچھیے کہ سچ کہتا ہوں یا کوئی بات جھوٹ بھی ہے؟ خیر ، جب کئی دن میں ، مار کی کوفت سے بحال ہوئے ، ایک روز میں نے کہا کہ ’ اے بھائیو ! اب اس شہر میں تم بے اعتبار ہو گئے ہو ۔ بہتر یہ ہے کہ چند روز

سفر کرو ۔' یہ سن کر چپ ہو رہے ۔ میں نے معلوم کیا کہ راضی ہیں ، سفر کی تیاری کرنے لگا ۔ پال پرتل، باربرداری اور سواری کی فکر کر کے ، بیس ہزار روپے کی جنس تجارت کی ، خرید کی ۔ ایک قافلہ سوداگروں کا بخارے کو جاتا تھا، اُن کے ساتھ کر دیا ۔

" بعد ایک سال کے وہ کارواں پھر آیا ۔ ان کی خیر خبر کچھ نہ پائی ۔ آخر ایک آشنا سے قسمیں دے کر پوچھا ۔ اُس نے کہا ' جب بخارے میں گئے ، ایک نے جوئے خانے میں اپنا تمام مال ہار دیا ۔ اب وہاں کی جاروب کشی کرتا ہے اور پھڑ کو لیپتا پوتتا ہے ۔ جواری جو جمع ہوتے ہیں اُن کی خدمت کرتا ہے ۔ وہ ، بہ طریق خیرات کے ، کچھ دیتے ہیں ۔ وہاں گرگا بنا پڑا رہتا ہے ۔ اور دوسرا ، بوزہ‌فروش کی لڑکی پر عاشق ہو، اپنا مال سارا صرف کیا ۔ اب وہ بوزہ‌خانے کی ٹہل کیا کرتا ہے ۔ قافلے کے آدمی اس لئے نہیں کہتے کہ تو شرمندہ ہوگا ۔'

" یہ احوال ، اُس شخص سے سن کر ، میری عجب حالت ہوئی ، مارے فکر کے نیند بھوک جاتی رہی ۔ زاد راہ لے کر ، قصد بخارے کا کیا ۔ جب وہاں پہنچا دونوں کو ڈھونڈ ڈھانڈ کر اپنے مکان میں لایا ۔ غسل کروا کر نئی پوشاک پہنائی ۔ اور ان کی خجالت کے ڈر سے ، ایک بات منہ پر نہ رکھی ۔ پھر مال سوداگری کا ان کے واسطے خریدا ، اور ارادہ گھر کا کیا ۔ جب نزدیک نیشاپور کے آیا ، ایک گاؤں میں بہ معہ مال اسباب ، ان کو چھوڑ کر گھر میں آیا ۔ اس لئے کہ میرے آنے کی کسو کو خبر

نہ ہو ۔ بعد دو دن کے مشہور کیا کہ میرے بھائی سفر سے آئے ہیں ، کل اُن کے استقبال کی خاطر جاؤں گا ۔ صبح کو چاہا کہ جاؤں ، ایک گرہست اُسی موضع کا میرے پاس آیا اور فریاد کرنے لگا ۔ میں اُس کی آواز سن کر باہر آیا ، اُسے روتا دیکھ کر پوچھا کہ ' کیوں زاری کرتا ہے ؟' وہ بولا ' تمھارے بھائیوں کے سبب سے ہمارے گھر لوٹے گئے ، کاش کہ اُن کو تم ، وہاں نہ چھوڑ آتے !'

" میں نے پوچھا ' کیا مصیبت گزری ؟' بولا کہ ' رات کو ڈاکا آیا ، اُن کا مال و اسباب لوٹا اور ہمارے گھر بھی لوٹ لے گئے ۔' میں نے افسوس کیا اور پوچھا کہ ' اب وے دونوں، کہاں ہیں؟ ' کہا ' شہر کے باہر ننگے منگے ، خراب خستہ ، بیٹھے ہیں ۔' وونہیں دو جوڑے کپڑوں کے ساتھ لے کر گیا ۔ پہنا کر گھر میں لا دیا ۔ لوگ سن کر اُن کے دیکھنے کو آتے تھے ۔ اور یہ مارے شرمندگی کے باہر نہ نکلتے تھے ۔ تین مہینے اسی طرح گزرے ، تب میں نے اپنے دل میں غور کی کہ کب تلک یہ کونے میں دبکے بیٹھے رہیں گے ؟ بہتر تو ، ان کو اپنے ساتھ سفر میں لے جاؤں ۔

" بھائیوں سے کہا ' اگر فرمائیے تو یہ فدوی آپ کے ساتھ چلے ۔' یہ خاموش رہے ۔ پھر لوازمہ سفر کا ، اور جنس سوداگری کی ، تیار کر کے چلا اور ان کو ساتھ لیا ۔ جس وقت ، مال کی زکواۃ دے کر ، اسباب کشتی پر چڑھایا اور لنگر اٹھایا ، ناؤ چلی ۔ یہ کتا کنارے پر سو

رہا تھا ۔ جب چونکا اور جہاز کو مانجھدار میں دیکھا ، حیران ہو کر بھونکا ۔ اور دریا میں کود پڑا اور پیرنے لگا ۔ میں نے ایک پنسوئی دوڑا دی ۔ بارے ، سگ کو لے کر کشتی میں پہنچایا ۔ ایک مہینہ خیر و عافیت سے دریا میں گزرا ۔ کہیں منجھلا بھائی میری لونڈی پر عاشق ہؤا ۔ ایک دن بڑے بھائی سے کہنے لگا کہ ' چھوٹے بھائی کی منت اٹھانے سے بڑی شرمندگی حاصل ہوئی ، اس کا تدارک کیا کریں ؟' بڑے نے جواب دیا کہ ' ایک صلاح دل میں ٹھہرائی ہے ، اگر بن آوے تو بڑی بات ہے ۔' آخر دونوں نے مصلحت کر کے تجویز کی کہ اسے مار ڈالیں اور سارے مال اسباب کے قابض ، متصرف ہوں ۔

" ایک دن ، میں جہاز کی کوٹھری میں سوتا تھا اور لونڈی پاؤں داب رہی تھی کہ منجھلا بھائی آیا اور جلدی سے مجھے جگایا ۔ میں ہڑبڑا کر چونکا اور باہر نکلا ۔ یہ کتا بھی میرے ساتھ ہو لیا ۔ دیکھوں تو بڑا بھائی جہاز کی باڑ پر ھاتھ ٹیکے ، نہوڑا ہؤا ، تماشا دریا کا ، دیکھ رہا ہے اور مجھے پکارتا ہے ۔ میں نے پاس جا کر کہا ' خیر تو ہے ؟' بولا ' عجب طرح کا تماشا ہو رہا ہے کہ دریائی آدمی، موتی کی سیپیاں اور مونگے کے درخت ، ھاتھ میں لئے ہوئے ناچتے ہیں ۔' اگر اور کوئی ایسی بات ، خلاف قیاس ، کہتا تو میں نہ مانتا ۔ بڑے بھائی کے کہنے کو راست جانا ۔ دیکھنے کو سر جھکایا ۔ ہر چند نگاہ کی ، کچھ نظر نہ آیا ، اور وہ یہی کہتا رہا ' اب دیکھا ؟' لیکن کچھ ہو تو دیکھوں ۔ اس میں مجھے غافل پا کر ، منجھلے نے

اچانک پیچھے آ کر ، ایسا ڈھکیلا کہ بے اختیار پانی میں گر پڑا ، اور وہ رونے دھونے لگے کہ 'دوڑیو ، ہمارا بھائی دریا میں ڈوبا ۔'

" اتنے میں ناؤ بڑھ گئی ۔ اور دریا کی لہر مجھے کہیں سے کہیں لے گئی ۔ غوطے پر غوطے کھاتا تھا ، اور سوجوں میں چلا جاتا تھا ۔ آخر تھک گیا ۔ خدا کو یاد کرتا تھا ۔ کچھ بس نہ چلتا تھا ۔ ایک بارگی کسو چیز پر ھاتھ پڑا ۔ آنکھ کھول کر دیکھا تو یہی کتا ہے ۔ شاید جس دم مجھے دریا میں ڈالا ، میرے ساتھ یہ بھی کودا ۔ اور پیرتا ہؤا میرے ساتھ لپٹا چلا جاتا تھا ۔ میں نے اس کی دم پکڑ لی ۔ اللہ نے اِس کو میری زندگی کا سبب کیا ۔ سات دن اور رات ، یہی صورت گزری ۔ آٹھویں دن کنارے جا لگے ۔ طاقت مطلق نہ تھی ۔ لیٹے لیٹے ، کروٹیں کھا کر ، جوں توں ، اپنے تئیں خشکی میں ڈالا ۔ ایک دن بے ہوش پڑا تھا ، دوسرے دن کتے کی آواز کان میں گئی ۔ ہوش میں آیا ۔ خدا کا شکر بجا لایا ۔ ادھر اُدھر دیکھنے لگا ۔ دور سے ، سواد شہر کا ، نظر آیا لیکن قوت کہاں کہ ارادہ کروں ؟ لاچار دو قدم چلتا ، پھر بیٹھتا ۔ اسی حالت سے شام تک ، کوس بھر راہ کاٹی ۔

" بیچ میں ایک پہاڑ ملا ۔ رات کو وھاں گر رہا ۔ صبح کو شہر میں داخل ہؤا ۔ جب بازار میں گیا ، نان بائی اور حلوائیوں کی دکانیں نظر آئیں ۔ دل ترسنے لگا ، نہ پاس پیسہ جو خرید کروں ، نہ جی چاہے کہ مفت مانگوں ۔ اسی طرح اپنے دل کو تسلی دیتا ہؤا کہ اگلی دکان سے لوں گا ،

چلا جاتا تھا ۔ آخر طاقت نہ رہی اور پیٹ میں آگ لگی ۔ نزدیک تھا کہ روح بدن سے نکلے ۔ ناگاہ ، دو جوان کو دیکھا کہ لباس عجم کا پہنے ، اور ہاتھ پکڑے ، چلے آتے ہیں ۔ ان کو دیکھ کر خوش ہؤا کہ یہ اپنے ملک کے انسان ہیں ، شاید آشنا صورت ہوں ۔ ان سے اپنا احوال کہوں گا ۔ جب نزدیک آئے تو میرے دونوں برادر حقیقی تھے ۔ دیکھ کر نپٹ شاد ہؤا ۔ شکر خدا کا کیا کہ خدا نے آبرو رکھ لی ۔ غیر کے آگے ہاتھ نہ پسارا ۔ نزدیک جا کر سلام کیا اور بڑے بھائی کا ہاتھ چوما ۔ انھوں نے مجھے دیکھتے ہی غل و شور کیا ۔ منجھلے بھائی نے طمانچہ مارا کہ میں لڑکھڑا کر گر پڑا ۔ بڑے بھائی کا دامن پکڑا کہ شاید یہ حمایت کرے گا ، اس نے لات ماری ۔

" غرض دونوں نے مجھے خوب خوردخام کیا ، اور حضرت یوسف کے بھائیوں کا سا کام کیا ۔ ہر چند میں نے خدا کے واسطے دئے اور گھگھیایا ، ہرگز رحم نہ کھایا ۔ ایک خلقت اکٹھی ہوئی ۔ سب نے پوچھا ' اس کا کیا گناہ ہے ؟' تب بھائیوں نے کہا ' یہ حرام زادہ ، ہمارے بھائی کا نوکر تھا ۔ سو اس کو دریا میں ڈال دیا اور مال اسباب سب لے لیا ۔ ہم مدت سے تلاش میں تھے ، آج اس صورت سے نظر آیا ۔' اور مجھ سے پوچھتے تھے کہ ' اے ظالم ! یہ کیا تیرے دل میں آیا کہ ہمارے بھائی کو مار کھپایا ! کیا اس نے تیری تقصیر کی تھی ؟ اُن نے تجھ سے کیا برا سلوک کیا تھا کہ اپنا مختار بنایا تھا ؟' پھر ان دونوں نے ، اپنے گریبان چاک کر ڈالے ، اور بے اختیار

جھوٹ موٹ بھائی کی خاطر روتے تھے اور لات مکی مجھ پر کرتے تھے ۔

" اس میں حاکم کے پیادے آئے ، ان کو ڈانٹا کہ ' کیوں مارتے ہو ؟' اور میرا ہاتھ پکڑ کر کوتوال کے پاس لے گئے ۔ یہ دونوں بھی ساتھ چلے اور حاکم سے بھی یہی کہا اور بطور رشوت کے کچھ دے کر اپنا انصاف چاہا ، اور خون ناحق کا دعویٰ کیا ۔ حاکم نے مجھ سے پوچھا ۔ میری یہ حالت تھی کہ مارے بھوک اور مار پیٹ کے طاقت گویائی کی نہ تھی ۔ سر نیچے کئے کھڑا تھا ، کچھ منہ سے جواب نہ نکلا ۔ حاکم کو بھی یقین ہؤا کہ یہ مقرر خونی ہے ۔ فرمایا ' اسے میدان میں لے جا کر سولی دو ۔' جہاں پناہ ! میں نے روپے دے کر ان کو یہودی کی قید سے چھڑایا تھا ۔ اس کے عوض انہوں نے بھی روپے خرچ کر کے میری جان کا قصد کیا ۔ یہ دونوں حاضر ہیں ۔ ان سے پوچھئے ، میں اس میں سرمو تفاوت کہتا ہوں ؟ خیر ، مجھے لے گئے ۔ جب دار کو دیکھا ، ہاتھ زندگی سے دھوئے ۔

" سوائے اس کتے کے ، کوئی میرا رونے والا نہ تھا ۔ اس کی یہ حالت تھی کہ ہر ایک آدمی کے پاؤں میں لوٹتا اور چلّاتا تھا ۔ کوئی لکڑی ، کوئی پتھر سے مارتا لیکن یہ آس جگہ سے نہ سرکتا اور میں رو بہ قبلہ کھڑا ہو ، خدا کو کہتا تھا کہ اس وقت میں ، تیری ذات کے سوا ، میرا کوئی نہیں جو آڑے آوے اور بے گناہ کو بچاوے ۔ اب تو ہی بچاوے تو بچتا ہوں ۔' یہ کہہ کر ،

کلمہ شہادت کا پڑھ کر ، تیورا کر گر پڑا ۔ خدا کی حکمت سے ، اُس شہر کے بادشاہ کو قلنج کی بیماری ہوئی ۔ اُمراء اور حکیم جمع ہوئے ۔ جو علاج کرتے تھے ، فائدہ نہ ہوتا تھا ۔ ایک بزرگ نے کہا کہ ' سب سے بہتر یہ دوا ہے کہ محتاجوں کو کچھ خیرات کرو اور بندی وانوں کو آزاد کرو ۔ دوا سے، دعا میں بڑا اثر ہے ۔' وو نہیں پادشاہی چیلے پنڈت خانوں کی طرف دوڑے ۔

" اتفاقاً ایک اُس میدان میں آ نکلا ۔ ازدحام دیکھ کر معلوم کیا کہ کسو کو سولی چڑھاتے ہیں ۔ یہ سنتے ہی ، گھوڑے کو دار کے نزدیک لا کر ، تلوار سے طنابیں کاٹ دیں ۔ حاکم کے پیادوں کو ڈانٹا اور تنبیہ کی کہ ' ایسے وقت میں کہ پادشاہ کی یہ حالت ہے ، تم خدا کے بندے کو قتل کرتے ہو ؟' اور مجھے چھڑوا دیا ۔ تب یہ دونوں بھائی ، پھر حاکم کے پاس گئے ، اور میرے قتل کے واسطے کہا ۔ شحنہ نے تو رشوت کھائی تھی ، جو یہ کہتے تھے سو کرتا تھا ۔

" کوتوال نے اُن سے کہا کہ ' خاطر جمع رکھو ۔ اب میں اسے ایسا قید کرتا ہوں کہ آپ سے آپ ، مارے بھوکوں کے ، بے آب و دانہ مر جاوے ۔ کسو کو خبر نہ ہووے ۔' مجھے پکڑ لائے اور ایک گوشے میں رکھا ۔ اُس شہر سے باہر ، کوس ایک پر ، ایک پہاڑ تھا کہ حضرت سلیمان کے وقت میں ، دیووں نے ایک کنواں ، تنگ و تاریک ، اس میں کھودا تھا ۔ اُس کا نام زندان سلیمان کہتے تھے ۔ جس پر بڑا غضب پادشاہی ہوتا ، اُسے وہاں

محبوس کرتے ۔ وہ خود بخود مر جاتا ۔ القصہ رات کو ، چپکے ، یہ دونوں بھائی اور کوتوال کے ڈنڈئیے ، مجھے اس پہاڑ پر لے گئے اور اس غار میں ڈال کر ، اپنی خاطر جمع کر کے پھرے ۔ اے بادشاہ ! یہ کتا میرے ساتھ چلا گیا ۔ جب مجھے کنوئیں میں گرایا ، تب یہ اس کی مینڈ پر لیٹ رہا ۔ میں اندر بےہوش پڑا تھا ۔ ذرا سرت آئی تو میں اپنے تئیں مردہ خیال کیا اور اس مکان کو گور سمجھا ۔ اس میں دو شخصوں کی آواز کان میں پڑی کہ کچھ آپس میں باتیں کرتے ھیں ۔ یہی معلوم کیا کہ نکیر منکر ھیں ، مجھ سے سوال کرنے آئے ھیں ۔ سرسراھٹ رسی کی سنی ، جیسے کسو نے وھاں لٹکائی ۔ میں حیرت میں تھا ، زمین کو ٹٹولتا تو ھڈیاں ھاتھ میں آتیں ۔

" بعد ایک ساعت کے ، آواز چپڑ چپڑ منہ چلانے کی ، میرے کان میں آئی ، جیسے کوئی کچھ کھاتا ھے ۔ میں نے پوچھا کہ ' اے خدا کے بندو ! تم کون ھو ؟ خدا کے واسطے بتاؤ ۔' وہ ھنسے اور بولے ' یہ زندان مہتر سلیمان کا ھے اور ھم قیدی ھیں ۔' میں نے ان سے پوچھا ' کیا میں جیتا ھوں ؟' پھر کھلکھلا کر ھنسے اور کہا ' اب تلک تو تو زندہ ھے ، پر اب مرے گا ۔' میں نے کہا ' تم کھاتے ھو ! کیا ھو جو مجھے بھی تھوڑا سا دو ؟ ' تب جھنجھلا کر خالی جواب دیا اور کچھ نہ دیا ۔ وہ کھا پی کر سو رھے ۔ میں ، مارے ضعف و ناتوانی کے ، غش میں پڑا روتا تھا اور خدا کو یاد کرتا تھا ۔ قبلۂ عالم ! سات دن دریا میں اور اتنے دن ، بھائیوں کے بہتان کے

سبب ، دانہ نہ میسر آیا ۔ علاوہ ، کھانے کے بدلے مارپیٹ کھائی اور ایسے زندان میں پھنسا کہ صورت رہائی کی ، مطلق خیال میں بھی نہ آتی تھی ۔

" آخر جاں کندنی کی نوبت پہنچی ۔ کبھو دم آتا ، کبھو نکل جاتا تھا ۔ لیکن کبھو کبھو ، آدھی رات کو ، ایک شخص آتا اور رومال میں روٹیاں اور پانی کی صراحی ، ڈوری میں باندھ کر لٹکا دیتا اور پکارتا ۔ وہ دونوں آدمی جو میرے پاس محبوس تھے ، لے لیتے اور کھاتے پیتے ۔ آوبر سے کتے نے ، ہمیشہ یہ احوال دیکھتے دیکھتے ، عقل دوڑائی کہ جس طرح یہ شخص آب و نان کنویں میں لٹکا دیتا ہے ، تو بھی ایسی فکر کر کہ کچھ اس بے کس کو ، جو میرا خاوند ہے ، آذقہ پہنچے تو اس کا دم بچے ۔ یہ خیال کر کے شہر میں گیا ، نانبائی کی دکان میں منبر پر ، گردے چنے ہوئے دھرے تھے ۔ جست مار کر ایک کلچہ منہ میں لیا اور بھاگا ۔ لوگ پیچھے دوڑے ، ڈھیلے مارتے تھے لیکن اس نے نان کو نہ چھوڑا ۔ آدمی تھک کر پھرے ۔ شہر کے کتے پیچھے لگے ۔ اُن سے لڑتا بھڑتا ، روٹی کو بچائے اُس چاہ پر آیا اور نان کو اندر ڈال دیا ۔ روز روشن تھا ، میں نے روٹی کو اپنے پاس پڑا دیکھا اور کتے کی آواز سنی ۔کلچے کو اُٹھا لیا اور یہ کتا روٹی پھینک کر پانی کی تلاش میں گیا ۔

" کسی گاؤں کے کنارے ایک بڑھیا کی جھونپڑی تھی ۔ ٹھلیا اور بدھنا ، پانی سے بھرا ہؤا دھرا تھا اور وہ پیرزن چرخا کاتتی تھی ۔ کتا کوزے کے نزدیک گیا ۔ چاہا کہ

لوٹے کو آٹھا وے ۔ عورت نے ڈانٹا ۔ لوٹا آس کے منہ سے چھوٹا ، گھڑے پر گرا ۔ مٹکا پھوٹا ۔ باقی باسن لڑھ گئے ، پانی بہہ چلا ۔ بڑھیا لکڑی لے کر مارنے کو آٹھی ۔ یہ سگ آس کے دامن میں لپٹ گیا ۔ آس کے پاؤں پر منہ ملنے اور دم ھلانے لگا ۔ اور پہاڑ کی طرف دوڑ گیا ۔ پھر آس کے پاس آ کر ، کبھو رسی آٹھاتا ، کبھو ڈول منہ میں پکڑ کر دکھاتا ، اور منہ آس کے قدموں پر رگڑتا ، اور آنچل چادر کا ، پکڑ کر کھینچتا ۔ خدا نے آس عورت کے دل میں رحم دیا کہ ڈول رسی کو لے کر ، اس کے همراہ چلی ۔ یہ آس کا آنچل پکڑے ، گھر سے باھر ھو کر ، آگے آگے ھو لیا ۔

” آخر آس کو پہاڑ ھی پر لے آیا ۔ عورت کے جی میں ، کتے کی اس حرکت سے الہام ھؤا کہ اس کا میاں ، مقرر ، اس غار میں گرفتار ھے ۔ شاید آس کی خاطر پانی چاھتا ھے ۔ غرض ، پیرزن کو لئے ھوئے ، غار کے منہ پر آیا ۔ عورت نے ، لوٹا پانی کا بھر کر ، رسی سے لٹکایا ۔ میں نے وہ باسن لے لیا اور نان کا ٹکڑا کھایا ۔ دو تین گھونٹ پانی پیا ۔ اس پیٹ کے کتے کو راضی کیا ۔ خدا کا شکر کر کر ، ایک کنارے بیٹھا اور خدا کی رحمت کا منتظر تھا کہ دیکھئے اب کیا ھوتا ھے ؟ یہ حیوان بے زبان ، اسی طور سے نان لے آتا ۔ اور بڑھیا کے ھاتھ پانی پلواتا ۔ جب بھٹیاروں نے دیکھا کہ کتا ھمیشہ روٹی لے جاتا ھے ، ترس کھا کر مقرر کیا کہ جب اسے دیکھتے ، ایک گردا آس کے آگے پھینک دیتے ۔ اور اگر وہ عورت پانی نہ لاتی تو یہ آس کے

باسن پھوڑ ڈالتا - لاچار وہ بھی ہر روز ایک صراحی پانی کی دے جاتی - اس رفیق نے آب وناں سے میری خاطر جمع کی اور آپ زندان کے منہ پر پڑا رہتا - اس طرح چھ مہینے گزرے - لیکن جو آدمی ایسے زندان میں رہے کہ دنیا کی ہوا اس کو نہ لگے، اس کا کیا حال ہو! نرا پوست و استخوان، مجھ پر باقی رہا - زندگی وبال ہوئی - جی میں آوے کہ یا الٰہی! یہ دم نکل جاوے تو بہتر ہے -

" ایک روز رات کو، وہ دونوں قیدی سوتے تھے، میرا دل اُمنڈ آیا، بے اختیار رونے لگا اور خدا کی درگاہ میں نک گھسنی کرنے - پچھلے پہر کیا دیکھتا ہوں کہ خدا کی قدرت سے ایک رسی غار میں لٹکی اور آواز سہج، میں سنی کہ 'اے کم بخت بدنصیب! ڈور کا سرا، اپنے ہاتھ میں مضبوط باندھ اور یہاں سے نکل -' میں نے سن کر دل میں خیال کیا کہ آخر بھائی، مجھ پر مہربان ہو کر، لہو کے جوش سے، آپ ہی نکالنے آئے - نہایت خوشی سے اس طناب کو کمر میں خوب کسا - کسو نے مجھے اوپر کھینچا - رات ایسی اندھیری تھی کہ جن نے مجھے نکالا اس کو میں نے نہ پہچانا کہ کون ہے - جب میں باہر آیا تب اس نے کہا 'جلد آ، یہاں کھڑے ہونے کی جگہ نہیں -' مجھ میں طاقت تو نہ تھی پر مارے ڈر کے، لڑھتا پڑتا، پہاڑ سے نیچے آیا - دیکھوں تو دو گھوڑے، زین بندھے ہوئے، کھڑے ہیں - اس شخص نے ایک پر مجھے سوار کیا اور ایک پر آپ چڑھ لیا اور آگے ہؤا - جاتے جاتے، دریا کے کنارے پر پہنچا -

" صبح ہو گئی ۔ اُس شہر سے دس بارہ کوس نکل آئے ۔ اُس جوان کو دیکھا کہ آوپچی بنا ہؤا ، زرہ بکتر پہنے ، گھوڑے پر پاکھر ڈالے ، میری طرف غضب کی نظروں سے گھور کر ، اور ہاتھ اپنا دانتوں سے کاٹ کر ، تلوار میان سے کھینچی اور گھوڑے کو جست کر کر ، مجھ پر چلائی ۔ میں نے اپنے تئیں گھوڑے پر سے نیچے گرا دیا اور گھگھیانے لگا کہ ' میں بے تقصیر ہوں ۔ مجھے کیوں قتل کرتا ہے ؟ اے صاحب مروت ! ویسے زندان سے ، میرے تئیں تو نے نکالا ، اب یہ بے مروتی کیا ہے؟' اُس نے کہا ' سچ کہہ تو کون ہے ؟' میں نے جواب دیا کہ مسافر ہوں ۔ نا حق کی بلا میں گرفتار ہو گیا تھا ۔ تمھارے تصدق سے، بارے، جیتا نکلا ہوں ۔' اور بہت باتیں خوشامد کی کیں ۔

" خدا نے اُس کے دل میں رحم دیا ، شمشیر کو غلاف کیا اور بولا ' خیر خدا جو چاہے سو کرے ۔ جا تیری جان بخشی کی ۔ جلد سوار ہو ، یہاں توقف کا مکان نہیں ۔' گھوڑوں کو جلد کیا اور چلے ۔ راہ میں افسوس کھاتا اور پچتاتا جاتا تھا ۔ ظہر کے وقت تک ، ایک جزیرے میں جا پہنچے ۔ وہاں گھوڑے سے اُترا ، مجھے بھی اُتارا ۔ زین ، خوگیر ، مرکبوں کی پیٹھ سے کھولا اور چرنے کو چھوڑ دیا ۔ اپنی بھی کمر سے ، ہتھیار کھول ڈالے اور بیٹھا مجھ سے بولا ' اے بدنصیب ! اب اپنا احوال کہہ ، تو معلوم ہو کہ تو کون ہے ۔' میں نے اپنا نام نشان بتایا اور جو جو کچھ بپتا بیتی تھی ، اُس سے آخر تک کہی ۔

" اس جوان نے جب میری سرگزشت سب سنی ، رونے لگا اور مخاطب ہؤا کہ اے جوان ! اب میرا ماجرا سن ۔ ' میں کنیا ، زیر باد کے دیس کے راجا کی ، ہوں ۔ اور وہ گبرو ، جو زندان سلیمان میں قید ہے ، اس کا نام بہرہ مند ہے ۔ میرے پتا کے منتری کا بیٹا ہے ۔ ایک روز مہاراج نے اگیا دی کہ جتنے راجا اور کنور ہیں ، میدان میں ، زیر جھروکھے نکل کر ، تیراندازی اور چوگان بازی کریں تو گھوڑ چڑھی ، اور کسب ہر ایک کا ، ظاہر ہو ۔ میں رانی کے نیڑے ، جو میری ماتا تھیں ، اٹاری پر اوجھل میں بیٹھی تھی اور دائیاں اور سہیلیاں حاضر تھیں ۔ تماشا دیکھتی تھی ۔ یہ دیوان کا پوت ، سب میں سندر تھا اور گھوڑے کو ، کاوے دے کر ، کسب کر رہا تھا ۔ مجھ کو بھایا اور دل سے اس پر ریجھی ۔ مدت تلک یہ بات گپت رکھی ۔

" آخر جب بہت بیاکل ہوئی ، تب دائی سے کہا اور ڈھیر سا انعام دیا ۔ وہ اس جوان کو ، کسو نہ کسو ڈھب سے پوشیدہ ، میرے دھراھر میں لے آئی ۔ تب یہ بھی مجھے چاہنے لگا ۔ بہت دن اس عشق مشک میں کٹے ۔ ایک روز چوکی داروں نے آدھی رات کو ، ہتھیار باندھے اور محل میں آتے دیکھ کر ، اسے پکڑا اور راجا سے کہا ۔ اسے حکم قتل کیا ۔ سب ارکان دولت نے ، کہہ سن کر ، جان بخشی کروائی ۔ تب فرمایا کہ اس کو زندان سلیمان میں ڈال دو ۔ اور دوسرا جوان ، جو ان کے ہمراہ اسیر ہے ، اس کا بھگنا ہے ۔ اس رین کو وہ بھی اس کے ساتھ تھا ، دونوں کو

اُس کنوئیں میں چھوڑ دیا - آج تین برس ہوئے کہ وے پھنسے ہیں - مگر کسو نے نہیں دریافت کیا کہ یہ جوان راجا کے گھر میں کیوں آیا تھا - بھگوان نے میری پت رکھی - اس کے شکرانے کے بدلے، میں نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ ان اور چل اس کو پہنچایا کروں - جب سے ، اٹھوارے میں ایک دن ، آتی ہوں اور آٹھ دن کا آذقہ اکٹھا دے جاتی ہوں -

”کل رات ، سپنے میں دیکھا کہ کوئی مانس کہتا ہے کہ شتابی اٹھ ، اور گھوڑا جوڑ ، اور کمند ، اور کچھ نقد خرچ کے واسطے لے کر ، اُس غار پر جا اور اُس بچارے کو وہاں سے نکال - یہ سن کر میں چونک پڑی اور مگن ہو کر مردانہ بھیس کیا ، اور ایک صندوقچہ جواہر و اشرفی سے بھر لیا - اور یہ گھوڑا اور کپڑا جوڑا لے کر وہاں گئی کہ کمند سے اسے کھینچوں - کرم میں تیرے تھا کہ ویسی قید سے اس طرح چھٹکارا پاوے - اور میرے اس کرتب سے محرم کوئی نہیں ، شاید وہ کوئی دیوتا تھا کہ تیری مخلصی کی خاطر مجھے بھجوایا - خیر جو میرے بھاگ میں تھا ، سو ہوا -“

یہ کتھا کہہ کر پوری کچوری ، ماس کا سالن، انگوچھے سے کھولا - پہلے قند نکال ، ایک کٹورے میں گھولا اور عرق بید مشک کا ، اُس میں ڈال کر مجھے دیا - میں نے اُس کے ہاتھ سے لے کر پیا ، پھر تھوڑا سا ناشتہ کیا - بعد ایک ساعت کے ، میرے تئیں لنگی بندھوا کر ، دریا میں لے گئی - قینچی سے میرے سر کے بال کترے ، ناخن لئے ، نہلا دھلا

کر کپڑے پہنائے ۔ نئے سر سے آدمی بنایا ۔ میں دوگانہ شکرانے کا ، رو بہ قبلہ ہو کر پڑھنے لگا ۔ وہ نازنین اس میری حرکت کو دیکھتی رہی ۔

" جب نماز سے فارغ ہؤا ، پوچھنے لگی کہ ' یہ تُو نے کیا کام کیا ؟' میں نے کہا ' جس خالق نے ساری خلقت کو پیدا کیا اور تجھ سی محبوبہ سے ، میری خدمت کروائی اور تیرے دل کو مجھ پر مہربان کیا اور ویسے زندان سے خلاص کروایا ، اُس کی ذات لاشریک ہے ۔ اُس کی میں نے عبادت کی اور بندگی بجا لایا اور ادنیٰ شکر کیا ۔' یہ بات سن کر کہنے لگی ' تم مسلمان ہو ؟' میں نے کہا ' شکر الحمدللہ !' بولی ' میرا دل تمھاری باتوں سے خوش ہؤا ۔ میرے تئیں بھی سکھاؤ اور کلمہ پڑھاؤ ۔' میں نے دل میں کہا ' الحمدللہ کہ یہ ہمارے دین کی شریک ہوئی ۔' غرض میں نے لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھا اور اُس سے پڑھوایا ۔ پھر وہاں سے گھوڑوں پر سوار ہو کر، ہم دونوں چلے ۔ رات کو اُترتے تو وہ ، ذکر دین ایمان کا ، کرتی اور سنتی اور خوش ہوتی ۔ اسی طرح دو مہینے تلک ، پیہم شبانہ روز چلے گئے ۔

" آخر ایک ولایت میں پہنچے کہ درمیان ، سرحد ملک زیرباد اور سرانديپ کے، تھی ۔ ایک شہرنظرآیا کہ آبادی میں استنبول سے بڑا اور آب و ہوا بہت خوش اور موافق ۔ پادشاہ اس شہر کا ، کسریٰ سے زیادہ عادل اور رعیت پرور ۔ دیکھ کر دل نپٹ شاد ہؤا ۔ ایک حویلی خرید کر کے بودباش مقرر کی ۔ جب کئی دن میں ، رنج سفر سے آسودہ

ہوئے ، کچھ اسباب ضروری درست کر کے ، آس بی بی سے، موافق شرع محمدی کے ، نکاح کیا اور رہنے لگا ۔ تین سال میں ، وہاں کے اکابر و اصاغر سے مل جل کر ، اعتبار بہم پہنچایا اور تجارت کا ٹھاٹ پھیلایا ۔ آخر وہاں کے سب سوداگروں سے سبقت لے گیا ۔ ایک روز وزیر اعظم کی خدمت میں ، سلام کے لئے چلا ۔ ایک میدان میں ، کثرت خلق اللہ کی دیکھی ۔ کسو سے پوچھا کہ 'کیوں اتنا ازدھام ہے ؟' معلوم ہؤا کہ دو شخصوں کو زنا اور چوری کرتے پکڑا ہے ، اور شاید خون بھی کیا ہے ، آن کو سنگسار کرنے کو لائے ہیں ۔

" مجھے سنتے ہی اپنا احوال یاد آیا کہ ایک دن مجھے بھی ، اسی طرح سولی چڑھانے لے گئے تھے ، خدا نے بچا لیا ۔ آیا یہ کون ہیں گے کہ ایسی بلا میں گرفتار ہوئے ہیں ؟ بھیڑ کو چیر کر اندر گھسا ۔ دیکھا تو یہی میرے دونوں بھائی ہیں کہ ٹنڈیاں کسے ، سر و پا برہنہ، آن کو لئے جاتے ہیں ۔ ان کی صورت دیکھتے ہی خون نے جوش کیا اور کلیجہ جلا ۔ محصلوں کو ، ایک مٹھی اشرفیاں دیں اور کہا ' ایک ساعت توقف کرو ' اور وہاں سے گھوڑے کو سرپٹ پھینک کر، حاکم کے گھر گیا ۔ ایک دانہ یاقوت بے بہا کا ، نذر گزرانا اور ان کی شفاعت کی ۔ حاکم نے کہا 'ایک شخص ان کا مدعی ہے اور ان کے گناہ ثابت ہوئے ہیں اور پادشاہ کا حکم ہو چکا ہے ، میں لاچار ہوں ۔'

" بارے بہت منت و زاری سے ، حاکم نے مدعی کو بلوا کر پانچ ہزار روپے پر راضی کیا کہ وہ دعوی خون

کا معاف کرے - میں نے روپے گن دئے اور لادعویٰ لکھوا لیا - اور ایسی بلا سے مخلصی دلوائی - جہاں پناہ ! ان سے پوچھیے کہ سچ کہتا ہوں یا جھوٹ بکتا ہوں ؟ وے دونوں بھائی ، سر نیچے کئیے ، شرمندہ سے کھڑے تھے - خیر ، ان کو چھڑوا کر گھر میں لایا ، حمام کروا کر لباس پہنوایا - دیوان خانے میں مکان رہنے کو دیا - اس مرتبہ ، اپنے قبیلے کو، ان کے روبرو نہ کیا - ان کی خدمت میں حاضر رہتا اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا ، سونے کے وقت گھر میں جاتا - تین برس تک ان کی خاطرداری میں گزری اور ان سے بھی کوئی حرکت بد ، واقع نہ ہوئی کہ باعث رنجیدگی کا ہووے - جو میں سوار ہو کر کہیں جاتا تو یہ گھر میں رہتے -

" اتفاقاً وہ بی بی ، نیک بخت ، ایک دن حمام کو گئی تھی - جب دیوان خانے میں آئی ، کوئی مرد نظر نہ پڑا - اس نے برقع اتارا - شاید یہ منجھلا بھائی لیٹا ہوا جاگتا تھا ، دیکھتے ہی عاشق ہوا - بڑے بھائی سے کہا - دونوں نے میرے مار ڈالنے کی باہم صلاح کی - میں اس حرکت سے مطلق خبر نہ رکھتا تھا بلکہ دل میں کہتا تھا کہ الحمدللہ اس مرتبہ ، اب تک ، انھوں نے کچھ ایسی بات نہیں کی ، اب ان کی وضع درست ہوئی ، شاید غیرت کو کام فرمایا - ایک روز بعد کھانے کے ، بڑے بھائی صاحب آب دیدہ ہوئے اور اپنے وطن کی تعریف اور ایران کی خوبیاں بیان کرنے لگے - یہ سن کر دوسرے بھی بسورنے لگے - میں نے کہا ' اگر ارادہ وطن کا ہے تو بہتر - میں تابع

مرضی کے ہوں ۔ میری بھی یہی آرزو ہے ۔ اب انشاءاللہ میں بھی آپ کی رکاب میں چلتا ہوں ۔' اس بی بی سے ، دونوں بھائیوں کی آداسی کا مذکور کیا اور اپنا ارادہ بھی کہا ۔ وہ عاقلہ بولی کہ ' تم جانو ۔ لیکن پھر کچھ دغا کیا چاہتے ہیں ۔ یہ تمھاری جان کے دشمن ہیں ۔ تم نے سانپ ، آستین میں پالے ہیں اور اُن کی دوستی کا بھروسا رکھتے ہو! جو جی چاہے سو کرو لیکن موذیوں سے خبردار رہو ۔' بہر تقدیر ، تھوڑے عرصے میں ، تیاری سفر کی کر کے خیمہ میدان میں اِستاد کیا ۔ بڑا قافلہ جمع ہؤا اور میری سرداری اور قافلہ باشی پر راضی ہوئے ۔ اچھی ساعت دیکھ کر روانہ ہؤا ، لیکن ان کی طرف سے ، اپنی جانب ، میں ہوشیار رہتا اور سب صورت سے ، فرماں برداری اور دل جوئی ان کی کرتا ۔

" ایک روز ایک منزل میں ، منجھلے بھائی نے مذکور کیا کہ ' ایک فرسخ اس مکان سے ، ایک چشمہ جاری ہے مانند سلسبیل کے ۔ اور میدان میں خودرو ، کوسوں تلک ، لالہ نافرمان اور نرگس و گلاب پھولا ہے ۔ واقعی عجب مکان سیر کا ہے ۔ اگر اپنا اختیار ہوتا تو کل وہاں جا کر تفریح طبیعت کی کرتے اور ماندگی بھی رفع ہوتی ۔' میں بولا کہ ' صاحب مختار ہیں ۔ فرماؤ تو کل کے دن مقام کریں اور وہاں چل کر سیر کرتے پھریں ۔' یہ بولے ' ازیں چہ بہتر؟' میں نے حکم کیا کہ سارے قافلے میں پکار دو کہ کل مقام ہے ۔ اور بکاول کو کہا کہ ' حاضری، قسم بہ قسم کی تیار کر ۔ کل سیر کو چلیں گے ۔' جب صبح ہوئی ۔

ان دونوں برادروں نے کپڑے پہن ، کمر باندھ کر ، مجھے یاد دلایا کہ جلد ٹھنڈے ٹھنڈے چلئے اور سیر کیجیے۔ میں نے سواری مانگی ۔ بولے کہ ’پا پیادہ جو لطف سیر کا ہوتا ہے ، سو سواری میں معلوم؟ نفروں کو کہہ دو گھوڑے ڈریا کر لے آویں ۔‘

”دونوں غلاموں نے ، قلیان اور قہوہ دان لے لیا اور ساتھ ہوئے ۔ راہ میں تیراندازی کرتے ہوئے چلے جاتے تھے ۔ جب قافلے سے دور نکل گئے ۔ ایک غلام کو اُنھوں نے کسی کام کو بھیجا ۔ تھوڑی دور آگے بڑھ کر ، دوسرے کو بھی اُس کے بلانے کو رخصت کیا ۔ کم بختی جو آئی ، میرے منہ میں جیسے کسو نے مہر دے دی ۔ جو وہ چاہتے تھے سو کرتے تھے اور مجھے باتوں میں پرچائے لئے جاتے تھے ، مگر یہ کتا ساتھ رہ گیا ۔ بہت دور نکل گئے ۔ نہ چشمہ نظر آیا نہ گلزار ۔ مگر ایک میدان پرخار تھا ، وہاں مجھے پیشاب لگا ، میں بول کرنے کو بیٹھا ۔ اپنے پیچھے چمک ، تلوار کی سی دیکھی ، مڑ کر دیکھوں تو منجھلے بھائی صاحب نے مجھے تلوار ماری کہ سر دو پارہ ہو گیا ۔ جب تلک بولوں کہ اے ظالم ! مجھے کیوں مارتا ہے؟ بڑے بھائی نے شانے پر لگائی ۔ دونوں زخم کاری لگے ، تیورا کر گرا ۔ تب ، ان دونوں بے رحموں نے ، بہ خاطر جمع ، میرے تئیں چور زخمی کیا اور لہو لہان کر دیا ۔ یہ کتا ، میرا احوال دیکھ کر ، ان پر بھپکا ، اس کو بھی گھایل کیا ۔ بعد اس کے ، اپنے ہاتھوں سے ، اپنے بدن میں زخموں کے نشان کئے اور سر و پا برہنہ

قافلے میں گئے اور ظاہر کیا کہ ' حرامیوں نے اس میدان میں ، ہمارے بھائی کو شہید کیا اور ہم بھی ، لڑ بھڑ کر ، زخمی ہوئے ۔ جلدی کوچ کرو ، نہیں تو اب کاروان پر گو کر ، سب کو ننگیا لیں گے ۔' قافلے کے لوگوں نے بدوؤں کا نام جو سنا ، وونہیں بدحواس ہوئے اور گھبرا کر کوچ کیا اور چل نکلے ۔ میرے قبیلے نے ، سلوک اور خوبیاں اُن کی ، سن رکھی تھیں ، جو جو مجھ سے دغائیں کیں تھیں ۔ یہ واردات ، ان کاذبوں سے سن کر ، جلد خنجر سے اپنے تئیں ہلاک کیا اور جان بحق تسلیم ہوئی ۔''

اے درویشو ! اُس خواجۂ سگ پرست نے ، جب اپنی کیفیت اور مصیبت ، اس طرح سے یہاں تلک کہی ، سنتے ہی مجھے بے اختیار رونا آیا ۔ وہ سوداگر دیکھ کر کہنے لگا کہ'' قبلۂ عالم ! اگر بے ادبی نہ ہوتی ، تو برہنہ ہو کر ، میں اپنا سارا بدن کھول کر دکھاتا ۔'' تس پر بھی ، اپنی راستی پر ، گریبان مونڈھے تلک چیر کر ، دکھایا ۔ واقعی چار انگل تن اُس کا ، بغیر زخم کے ثابت نہ تھا ۔ میرے حضور سر سے عمامہ اُتارا ۔ کھوپری میں ایسا بڑا گڑھا پڑا تھا کہ ایک انار سموچا اُس میں سماوے ۔ ارکان دولت جتنے حاضر تھے ، سب نے اپنی آنکھیں بند کر لیں ، طاقت دیکھنے کی نہ رہی ۔

پھر خواجہ بولا کہ '' پادشاہ سلامت ! جب یہ بھائی اپنی دانست میں ، میرا کام تمام کر کے چلے گئے ، ایک طرف میں ، اور ایک طرف یہ سگ ، میرے نزدیک ، زخمی پڑا تھا ۔ لہو اتنا بدن سے گیا کہ مطلق طاقت اور

ہوش کچھ باقی نہ تھا ۔ کیا جانوں ، دم کہاں اٹک رہا تھا کہ جیتا تھا ؟ جس جگہ میں پڑا تھا ولایت سراندیپ کی سرحد تھی اور ایک شہر بہت آباد اس کے قریب تھا ۔ اُس شہر میں بڑا بت خانہ تھا اور وہاں کے بادشاہ کی ایک بیٹی تھی ، نہایت قبول صورت اور صاحب جمال ۔ اکثر پادشاہ اور شہزادے اُس کے عشق میں خراب تھے ۔ وہاں ، رسم حجاب کی ، نہ تھی ۔ اس سے ، وہ لڑکی تمام دن ، ہمجولیوں کے ساتھ ، سیر شکار کرتی پھرتی ۔ ہم سے نزدیک ایک بادشاہی باغ تھا ۔ اُس روز پادشاہ سے اجازت لے کر اُسی باغ میں آئی تھی ۔ سیر کی خاطر اُس میدان میں پھرتی پھرتی آ نکلی ، کئی خواصیں بھی ساتھ سوار تھیں ۔ جہاں میں پڑا تھا ، آئیں ۔ میرا کراھنا سن کر ، پاس کھڑی ہوئیں ۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر وے بھاگیں اور شہزادی سے کہا کہ ' ایک مردوا اور ایک کتا ، لہو میں شور بور ، پڑا ہے ۔' اُن سے یہ سن کر ، آپ ملکہ ، میرے سر پر آئی ، افسوس کھا کر کہا ' دیکھو تو کچھ جان باقی ہے ؟' دو چار دائیوں نے اُتر کر دیکھا اور عرض کی ' اب تلک تو جیتا ہے ۔' ترت فرمایا کہ ' امانت قالیچے پر اٹھا کر ، باغ میں لے چلو ۔'

وہاں لے جا کر ، جراح سرکار کا بلا کر ، میرے اور میرے کتے کے علاج کی خاطر ، بہت تاکید کی اور اُمیدوار ، انعام و بخشش کا کیا ۔ اُس حجام نے ، سارا بدن میرا ، پونچھ پانچھ کر ، خاک و خون سے پاک کیا اور شراب سے دھو دھا کر ، زخموں کو ٹانکے مرہم لگایا

اور بیدمشک کا عرق ، پانی کے بدلے ، میرے حلق میں چوایا ۔ ملکہ آپ میرے سرہانے بیٹھی رہتی اور میری خدمت کرواتی اور تمام دن رات میں ، دو چار بار ، کچھ شوربا یا شربت اپنے ہاتھ سے پلاتی ۔ بارے مجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ ملکہ نہایت افسوس سے کہتی ہے ' کس ظالم خونخوار نے ، تجھ پر یہ ستم کیا؟ بڑے بت سے بھی نہ ڈرا ؟' بعد دس روز کے ، عرق اور شربت اور معجونوں کی قوت سے ، میں نے آنکھ کھولی ۔ دیکھا تو اندر کا اکھاڑا میرے آس پاس جمع ہے اور ملکہ سرہانے کھڑی ہے ۔ ایک آہ بھری اور چاہا کہ کچھ حرکت کروں ، طاقت نہ پائی ۔ بادشاہ زادی مہربانی سے بولی کہ ' اے عجمی! خاطر جمع رکھ ، کڑھ مت ، اگرچہ کسو ظالم نے ، تیرا یہ احوال کیا لیکن بڑے بت نے مجھ کو تجھ پر مہربان کیا ہے ۔ اب چنگا ہو جاوے گا ۔'

" قسم اُس خدا کی، جو واحد لاشریک ہے، میں اُسے دیکھ کر ، پھر بے ہوش ہوگیا ۔ ملکہ نے بھی دریافت کیا اور گلاب پاش سے گلاب ، اپنے ہاتھ سے چھڑکا ۔ بیس دن کے عرصے میں زخم بھر آئے ۔ اور انگور کر لائے ۔ ملکہ ہمیشہ رات کو ، جب سب سو جاتے ، میرے پاس آتی اور کھلا پلا جاتی ۔ غرض ایک چلّے میں غسل کیا ۔ بادشاہ زادی نہایت خوش ہوئی ۔ حجام کو انعام بہت سا دیا اور مجھ کو پوشاک پہنوائی ۔ خدا کے فضل سے ، اور خبر گیری اور سعی سے ملکہ کی ، خوب چاق چوبند ہؤا ۔ اور بدن نہایت تیار ہؤا اور کتنا بھی فربہ ہو گیا ۔ روز مجھے شراب پلاتی اور

باتیں سنتی اور خوش ہوتی ۔ میں بھی ایک آدھ نقل ، یا کہانی انوٹھی ، کہہ کر ، اُس کے دل کو بہلاتا ۔

" ایک دن پوچھنے لگی کہ ' اپنا احوال تو بیان کرو کہ تم کون ہو اور یہ واردات ، تم پر کیوں کر ہوئی؟' میں نے ، سارا ماجرا اپنا ، اول سے آخر تک ، کہہ سنایا سن کر رونے لگی اور بولی کہ ' اب میں تجھ سے ایسا سلوک کروں گی کہ اپنی ساری مصیبت بھول جاوے گا ۔' میں نے کہا ' خدا تمھیں سلامت رکھے ۔ تم نے نئے سر سے ، میری جاں بخشی کی ہے ۔ اب میں تمھارا ہو رہا ہوں ۔ واسطے خدا کے ، اسی طرح ہمیشہ مجھ پر ، اپنی مہربانی کی نظر رکھیو ۔' غرض ، تمام رات اکیلی ، میرے پاس بیٹھی رہتی اور صحبت رکھتی ۔ بعضے دن ، دائی اُس کی بھی ، ساتھ رہتی ۔ ہر ایک طور کا ذکر مذکور سنتی اور کہتی ۔ جب ملکہ اُٹھ جاتی اور میں تنہا ہوتا ، طہارت کر ، کونے میں چھپ کر نماز پڑھ لیتا ۔

" ایک بار ایسا اتفاق ہؤا کہ ملکہ اپنے باپ کے پاس گئی تھی ۔ میں خاطر جمع سے ، وضو کر کے ، نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک شہزادی ، دائی سے بولتی ہوئی ، آئی کہ ' دیکھیں عجمی اس وقت کیا کرتا ہے ؟ سوتا ہے یا جاگتا ہے ؟' مجھے مکان پر جو نہ دیکھا ، تعجب میں ہوئی کہ ' ایں ، یہ کہاں گیا ہے؟ کسو سے کوئی لگّا تو نہیں لگایا ؟' کونا کٹھرا دیکھنے لگی اور تلاش کرنے لگی ۔ آخر جہاں میں نماز کر رہا تھا ، وہاں آ نکلی ۔ اس لڑکی نے کبھو، نماز، کاہے کو دیکھی تھی ۔ چپکی کھڑی ، دیکھا

کی - جب میں نے نماز تمام کر کے ، دعا کے لئے ، ہاتھ اٹھائے اور سجدے میں گیا ، بے اختیار کھلکھلا کر ہنسی اور بولی ' کیا یہ آدمی سودائی ہو گیا ؟ یہ کیسی کیسی حرکتیں کر رہا ہے ؟'

'' میں ہنسنے کی آواز سن کر دل میں ڈرا - ملکہ آگے آ کر پوچھنے لگی کہ ' اے عجمی ! یہ تو کیا کرتا تھا ؟' میں کچھ جواب نہ دے سکا - اس میں دائی بولی ' بلا لوں ، تیرے صدقے گئی - مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے اور لات منات کا دشمن ہے - ان دیکھے خدا کو پوجتا ہے -' ملکہ نے یہ سنتے ہی ، ہاتھ ہاتھ پر ، مارا - بہت غصے ہوئی کہ ' میں کیا جانتی تھی کہ یہ ترک ہے اور ہمارے خداؤں سے منکر ہے؟ تبھی ، ہمارے بت کے غضب میں ، پڑا تھا - میں نے ناحق اس کی پرورش کی اور اپنے گھر میں رکھا -' یہ کہتی ہوئی چلی گئی - میں سنتے ہی بدحواس ہؤا کہ دیکھئے ، اب کیا سلوک کرے - مارے خوف کے ، نیند اچاٹ ہو گئی - صبح تک بے اختیار رویا کیا اور آنسوؤں منہ دھویا کیا -

'' تین دن رات ، اسی خوف و رجا میں ، روتے گزرے - ہرگز آنکھ نہ جھپکی - تیسری شب ملکہ ، شراب کے نشے میں مخمور ، اور دائی ساتھ لئے میرے مکان پر آئی - غصے میں بھری ہوئی ، اور تیر کمان ہاتھ میں لئے ، باہر چمن کے کنارے بیٹھی - دائی سے پیالہ شراب کا مانگا - پی کر کہا ' دایا ! وہ عجمی جو ہمارے بڑے بت کے قہر میں ، گرفتار

ہے، مؤا ، یا اب تک جیتا ہے؟' دائی نے کہا ' بلبلیا لوں ، کچھ دم باقی ہے ۔' بولی کہ ' اب وہ ہماری نظروں سے گرا ۔ لیکن کہہ کہ باہر آوے ۔' دائی نے مجھے پکارا ۔ میں دوڑا ۔ دیکھوں تو ملکہ کا چہرہ ، مارے غصے کے ، تمتما رہا ہے اور سرخ ہوگیا ہے ۔ روح قالب میں نہ رہی ۔ سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہؤا ۔ غضب کی نگاہ سے مجھے دیکھ کر دائی سے بولی ' اگر میں ، اس دین کے دشمن کو ، تیر سے ماروں تو میری خطا ، بڑا بت معاف کرے گا یا نہیں ؟ یہ مجھ سے بڑا گناہ ہؤا ہے کہ میں نے اسے ، اپنے گھر میں رکھ کر ، خاطرداری کی ۔'

" دائی نے کہا ' پادشاہ زادی کی کیا تقصیر ہے ؟ کچھ دشمن جان کر نہیں رکھا ۔ تم نے اس پر ترس کھایا ، تم کو نیکی کے عوض نیکی ملے گی اور یہ اپنی بدی کا ثمرہ بڑے بت سے پا رہے گا ۔' یہ سن کر کہا ' دائی ! اسے بیٹھنے کو کہو ۔' دائی نے مجھے اشارت کی کہ بیٹھ جا ۔ میں بیٹھ گیا ۔ ملکہ نے اور جام شراب کا پیا اور دائی سے کہا کہ ' اس کم بخت کو بھی ایک پیالہ دے تو آسانی سے مارا جاوے ۔' دائی نے جام دیا ۔ میں نے بے عذر پیا اور سلام کیا ۔ ہرگز میری طرف نگاہ نہ کی ، مگر کن انکھیوں سے ، چوری چوری ، دیکھتی تھی ۔ جب مجھے سرور ہؤا کچھ شعر پڑھنے لگا ۔ ازاں جملہ ایک بیت یہ بھی پڑھی :

قابو میں ہوں میں تیرے ، گو اب جیا تو پھر کیا ؟
خنجر تلے کسو نے ، ٹک دم لیا ، تو پھر کیا ؟

سن کر مسکرائی اور دائی کی طرف دیکھ کر بولی ' کیا
تجھے نیند آتی ہے ؟' دائی نے مرضی پا کر کہا کہ ' ہاں ،
مجھ پر خواب نے غلبہ کیا ہے ۔' وہ تو رخصت ہو کر جہنم
واصل ہوئی ۔ بعد ایک دم کے ، ملکہ نے پیالہ مجھ سے
مانگا ۔ میں جلد بھر کر ، روبرو لے گیا ۔ ایک ادا سے ،
میرے ھاتھ سے لے کر ، پی لیا ۔ تب میں قدموں پر گرا ۔
ملکہ نے ھاتھ مجھ پر جھاڑا اور کہنے لگی ' اے جاھل ،
ہمارے بڑے بت میں کیا برائی دیکھی ، جو غائب خدا کی
پرستش کرنے لگا ؟' میں نے کہا ' انصاف شرط ہے ۔ ٹک
غور فرمائیے کہ بندگی کے لائق وہ خدا ہے کہ جس نے
ایک قطرے پانی سے ، تم سار کا محبوب پیدا کیا اور یہ
حسن و جمال دیا کہ ایک آن میں ، ہزاروں انسان کے دل
کو ، دیوانہ کر ڈالو ۔ بت کیا چیز ہے کہ کوئی اس کی
پوجا کرے ؟ ایک پتھر کو ، سنگ تراشوں نے گڑھ کر ،
صورت بنائی اور دام احمقوں کے واسطے بچھایا ۔ جن کو
شیطان نے ورغلایا ہے ، وے مصنوع کو صانع جانتے ھیں ۔
جسے اپنے ھاتھوں سے بناتے ھیں ، اس کے آگے سر جھکاتے
ھیں ۔ اور ھم مسلمان ھیں ۔ جس نے ھمیں بنایا ہے ، ھم
اسے جانتے ھیں ۔ ان کے واسطے دوزخ ، ہمارے لئے بہشت
بنایا ہے ۔ اگر بادشاہ زادی ، ایمان خدا پر لاوے ،
تب اس کا مزا پاوے اور حق و باطل میں فرق کرے اور
اپنے اعتقاد کو غلط سمجھے ۔'

" بارے ، ایسی ایسی نصیحتیں سن کر ، اس سنگ دل
کا دل ملائم ہؤا ۔ خدا کے فضل و کرم سے رونے لگی اور

بولی ' اچھا مجھے بھی اپنا دین سکھاؤ ۔' میں نے کلمہ تلقین کیا ۔ اُن نے بہ صدق دل پڑھا اور توبہ استغفار کر کر، مسلمان ہوئی ۔ تب میں اُس کے پاؤں پڑا ۔ صبح تک کلمہ پڑھتی اور استغفار کرتی رہی ۔ پھر کہنے لگی ' بھلا میں نے تو تمہارا دین قبول کیا ، لیکن ماں باپ کافر ہیں ۔ اُن کا کیا علاج ؟' میں نے کہا ' تمھاری بلا سے ! جو جیسا کرے گا ، ویسا پاوے گا ۔' بولی کہ ' مجھے چچا کے بیٹے سے منسوب کیا ہے اور وہ بت پرست ہے ۔ کل کو خدانخواستہ بیاہ ہؤا اور وہ کافر مجھے ملے اور اُس کا نطفہ میرے پیٹ میں ٹھہر جاوے تو بڑی قباحت ہے ۔ اس کی فکر ، ابھی سے کیا چاہیے کہ اس بلا سے نجات پاؤں ۔' میں نے کہا ' تم ، بات تو ، معقول کہتی ہو ۔ جو مزاج میں آوے سو کرو ۔' بولی کہ ' میں اب یہاں نہ رہوں گی ۔ کہیں نکل جاؤں گی ۔' میں نے پوچھا ' کس صورت سے بھاگنے پاؤ گی اور کہاں جاؤ گی ؟' جواب دیا کہ ' پہلے تم میرے پاس سے جاؤ ، مسلمانوں کے ساتھ سرا میں جا رہو ، تو سب آدمی سنیں اور تم پر گمان نہ لے جاویں ۔ تم وہاں کشتیوں کی تلاش میں رہو ۔ جو جہاز عجم کی طرف چلے ، مجھے خبر کیجو ۔ میں ، اس واسطے ، دائی کو تمہارے پاس اکثر بھیجا کروں گی ۔ جب تم کہلا بھیجو گے ، میں نکل کر آؤں گی اور کشتی پر سوار ہو کر چلی جاؤں گی ۔ ان کم بخت بے دینوں کے ہاتھ سے مخلصی پاؤں گی ۔' میں نے کہا ' تمھاری جان و مال کے قربان ہؤا ! دائی کو کیا کرو گی ؟' بولی ' اس کی فکر سہل ہے ۔ ایک پیالے میں ، زہر ہلاہل پلا دوں گی ۔' یہی صلاح مقرر

ہوئی ۔ جب دن ہؤا ، میں کارواں سرا میں گیا ، ایک حجرہ کرائے لیا اور جا رہا ۔ اُس جدائی میں ، فقط وصل کی توقع پر جیتا تھا ۔ جب دو مہینے میں سوداگر ، روم و شام و اصفہان کے ، جمع ہوئے ، ارادہ کوچ کا ، تری کی راہ سے ، کیا اور اپنا اسباب جہاز پر چڑھانے لگے ۔ ایک جگہ رہنے سے اکثر آشنا صورت ہوگئے تھے ۔ مجھ سے کہنے لگے ' کیوں صاحب ! تم بھی چلو نہ ، یہاں کفرستان میں کب تلک رہو گے ؟' میں نے جواب دیا کہ ' میرے پاس کیا ہے جو اپنے وطن کو جاؤں ؟ یہی ایک لونڈی ، ایک کتا ، ایک صندوق ، بساط میں رکھتا ہوں ۔ اگر تھوڑی سی جگہ ، بیٹھ رہنے کو دو اور اس کا نول مقرر کرو ، تو میری خاطر جمع ہو ۔ میں بھی سوار ہوں ۔'

" سوداگروں نے ، ایک کوٹھری میرے تحت کر دی ۔ میں نے اُس کے نول کا روپیہ بھر دیا ۔ دل جمعی کر کر ، کسو بہانے سے دائی کے گھر گیا اور کہا ' اے ماں! تجھ سے رخصت ہونے آیا ہوں ۔ اب وطن کو جاتا ہوں ۔ اگر تیری توجہ سے ، ایک نظر ملکہ کو دیکھ لوں تو بڑی بات ہے ۔' بارے ، دائی نے قبول کیا ۔ میں نے کہا ' میں رات کو آؤں گا ۔ فلانے مکان پر کھڑا رہوں گا ۔' بولی ' اچھا ۔' میں کہہ کر سرا میں آیا ۔ صندوق اور بچھونے اُٹھا کر جہاز میں لایا اور ناخدا کو سونپ کر کہا ' کل فجر کو ، اپنی کنیز کو لے کر ، آؤں گا ۔' ناخدا بولا ' جلد آئیو ۔ صبح ہم لنگر اُٹھا دیں گے ۔' میں نے کہا

'بہت خوب۔' جب رات ہوئی، اُسی مکان پر، جہاں دائی سے وعدہ کیا تھا، جا کر کھڑا رہا۔ پہر رات گئے، محل کا دروازہ کھلا اور ملکہ، میلے کچیلے کپڑے پہنے، ایک پیٹی جواہر کی لئے، باھر نکلی۔ وہ پٹاری میرے حوالے کی اور ساتھ چلی۔ صبح ہوتے، کنارے دریا کے، ہم پہنچے۔ ایک لنبوت پر سوار ہو کر، جہاز میں جا اُترے۔ یہ وفادار کتا بھی ساتھ تھا۔ جب صبح خوب روشن ہوئی، لنگر اُٹھایا اور روانہ ہوئے۔ بہ خاطر جمع، چلے جاتے تھے۔ ایک بندر سے آواز، توپوں کی شلک کی، آئی۔ سب حیران اور فکر مند ہوئے۔ جہاز کو لنگر کیا اور آپس میں چرچا ہونے لگا کہ 'کیا شاہ بندر کچھ دغا کرے گا؟ توپ چھوڑنے کا کیا سبب ہے؟'

" اتفاقاً، سب سوداگروں کے پاس، خوب صورت لونڈیاں تھیں۔ شاہ بندر کے خوف سے کہ مبادا چھین لے، سب نے کنیزکوں کو، صندوقوں میں بند کیا۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا کہ اپنی شہزادی کو، صندوق میں بٹھا کر، قفل کر دیا۔ اس عرصے میں شاہ بندر، ایک غراب پر، بمعہ نوکر چاکر، بیٹھا ہؤا نظر آیا۔ آتے آتے جہاز پر آ چڑھا۔ شاید، اس کے آنے کا یہ سبب تھا کہ پادشاہ کو، دائی کے مرنے کی، اور ملکہ کے غائب ہونے کی، جب خبر معلوم ہوئی، مارے غیرت کے اس کا تو نام نہ لیا، مگر شاہ بندر کو حکم کیا کہ 'میں نے سنا ہے عجمی سوداگروں کے پاس لونڈیاں خوب ہیں۔ سو میں

شہزادی کے واسطے ، لیا چاہتا ہوں ۔ تم اُن کو روک کر، جتنی لونڈیاں جہاز میں ہوں ، حضور میں حاضر کرو گے ۔ اُنھیں دیکھ کر جو پسند آویں گی ، اُن کی قیمت دی جائے گی ۔ نہیں تو واپس ہوں گی ۔'

" بہ موجب حکم پادشاہ کے ، یہ شاہ بندر ، اس لئے آپ جہاز پر آیا ۔ اور میرے نزدیک ایک اور شخص تھا ، اُس کے پاس بھی ایک باندی ، قبول صورت ، صندوق میں بند تھی ۔ شاہ بندر اُسی صندوق پر آ کر بیٹھا اور لونڈیوں کو نکلوانے لگا ۔ میں نے خدا کا شکر کیا کہ بھلا پادشاہ زادی کا مذکور نہیں ۔ غرض جتنی لونڈیاں پائیں ، شاہ بندر کے آدمیوں نے ناؤ پر چڑھائیں اور خود شاہ بندر جس صندوق پر بیٹھا تھا ، اُس کے مالک سے بھی ہنستے ہنستے پوچھا کہ تیرے پاس بھی تو لونڈی تھی ۔ اُس احمق نے کہا ' آپ کے قدموں کی سوگند ، میں نے ھی یہ کام نہیں کیا ۔ سبھوں نے ، تمھارے ڈر سے ، لونڈیاں صندوقوں میں چھپائیں ھیں ۔' شاہ بندر نے یہ بات سن کر ، سب صندقوں کا ، جھاڑا لینا شروع کیا ۔ میرا بھی صندوق کھولا اور ملکہ کو نکال کر سب کے ساتھ لے گیا ۔ عجب طرح کی مایوسی ہوئی کہ یہ ایسی حرکت پیش آئی کہ تیری جان تو مفت گئی اور ملکہ سے دیکھیے کیا سلوک کرے ۔

" اُس کی فکر میں اپنی بھی جان کا ڈر بھول گیا ۔ سارے دن رات ، خدا سے دعا مانگتا رہا ۔ جب بڑی فجر ہوئی ، سب لونڈیوں کو کشتی پر سوار کر کے لائے ۔

سوداگر خوش ہوئے ۔ اپنی اپنی کنیز کیں لیں ۔ سب آئیں مگر ایک ملکہ اُن میں نہ تھی ۔ میں نے پوچھا کہ 'میری لونڈی نہیں آئی ۔ اس کا کیا سبب ہے ؟' اُنھوں نے جواب دیا کہ 'ہم واقف نہیں ۔ شاید پادشاہ نے پسند کی ہوگی ۔' سب سوداگر مجھے تسلی اور دلاسا دینے لگے کہ 'خیر ، جو ہؤا سو ہؤا ، تو کڑھ مت ۔ اُس کی قیمت ہم سب ، بھری کر کر ، تجھے دیں گے ۔' میرے حواس باختہ ہو گئے ، میں نے کہا کہ 'اب میں عجم نہیں جانے کا ۔' کشتی والوں سے کہا 'یارو ! مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو ۔ کنارے پر اُتار دیجو ۔' وے راضی ہوئے ، میں جہاز سے اُتر کر ، غراب میں آ بیٹھا ۔ یہ کتا بھی میرے ساتھ چلا آیا ۔

" جب بندر میں پہنچا ، ایک صندوقچہ جواہر کا ، جو ملکہ اپنے ساتھ لائی تھی ، اُسے تو رکھ لیا اور سب اسباب شاہ بندر کے نوکروں کو دیا ۔ اور میں جاسوسی میں ہر کہیں پھرنے لگا کہ شاید خبر ملکہ کی پاؤں ، لیکن ہرگز سراغ نہ ملا اور نہ اس بات کا پتہ پایا ۔ ایک رات کو ، کسی مکر سے ، بادشاہ کے بھی محل میں گیا اور ڈھونڈا ۔ کچھ خبر نہ ملی ۔ قریب ایک مہینے کے ، شہر کے کوچے اور محلے چھان مارے اور اس غم سے ، اپنے تئیں ، قریب ہلاکت کے پہنچایا اور سودائی سا پھرنے لگا ۔ آخر اپنے دل میں خیال کیا کہ غالب ہے ، شاہ بندر کے گھر میں میری بادشاہ زادی ہووے تو ہووے ، نہیں تو اور کہیں نہیں ۔ شاہ بندر کی حویلی کے ، گرد پیش دیکھتا پھرتا تھا

کہ کہیں سے بھی، جانے کی راہ پاؤں تو اندر جاؤں۔

" ایک بدر رو نظر پڑی، کہ موافق آدمی کی آمد و رفت کے، ہے۔ مگر جالی آہنی، اُس کے دہانے پر جڑی ہے۔ یہ قصد کیا کہ اس بدر رو کی راہ سے چلوں۔ کپڑے بدن سے اُتارے اور اس نجس کیچڑ میں اُترا۔ ہزار محنت سے اُس جالی کو توڑا اور اس سنڈاس کی راہ سے، چور محل میں گیا۔ عورتوں کا سا لباس بنا کر، ہر طرف دیکھنے بھالنے لگا۔ ایک مکان سے آواز میرے کان میں پڑی جیسے کوئی مناجات کر رہا ہے۔ آگے جا کر دیکھوں تو ملکہ ہے کہ عجب حالت سے روتی ہے اور نک گھسنی کر رہی ہے اور خدا سے دعا مانگتی ہے کہ 'صدقے اپنے رسول کے، اور اُس کی آل پاک کے، مجھے اس کفرستان سے نجات دے اور جس شخص نے مجھے اسلام کی راہ بتائی ہے، اُس سے ایک بار خیریت سے ملا!' میں دیکھتے ہی، دوڑ کر پاؤں پر گر پڑا۔ ملکہ نے مجھے گلے لگا لیا۔ ہم دونوں پر ایک دم بے ہوشی کا عالم ہو گیا۔ جب حواس بجا ہوئے، میں نے کیفیت ملکہ سے پوچھی۔ بولی 'جب شاہ بندر، سب لونڈیوں کو کنارے پر لے گیا۔ میں خدا سے یہی دعا مانگتی تھی کہ کہیں میرا راز فاش نہ ہو اور میں پہچانی نہ جاؤں اور تیری جان پر آفت نہ آوے۔ وہ ایسا ستّار ہے کہ ہرگز کسو نے نہ دریافت کیا کہ یہ ملکہ ہے۔ شاہ بندر، ہر ایک کو بہ نظر خریداری، دیکھتا تھا۔ جب میری باری ہوئی، مجھے پسند کر کر، اپنے گھر میں، چپکے بھیج دیا۔ اوروں کو پادشاہ کے حضور میں گزرانا۔ میرے باپ نے، جب

آن میں مجھے نہ دیکھا سب کو رخصت کیا ۔ یہ سب پرپنچ میرے واسطے کیا تھا ۔ اب یوں مشہور کیا ہے کہ پادشاہ زادی بہت سخت بیمار ہے ۔ اگر میں ظاہر نہ ہوئی ، تو کوئی دن میں ، میرے مرنے کی خبر ، سارے ملک میں ، اڑے گی تو بدنامی پادشاہ کی نہ ہووے ۔ لیکن اب میں اس عذاب میں ہوں کہ شاہ بندر ، مجھ سے اور ارادہ دل میں رکھتا ہے اور ہمیشہ ساتھ سونے کو بلاتا ہے ۔ میں راضی نہیں ہوتی ۔ ازبسکہ چاہتا ہے ، اب تک میری رضا مندی منظور ہے ۔ لہذا چپ ہو رہتا ہے ۔ پر حیران ہوں ، اس طرح کہاں تک ، نبھے گی ۔ سو میں نے بھی جی میں یہ ٹھہرایا ہے کہ جب مجھ سے ، کچھ اور قصد کرے گا تو میں اپنی جان دوں گی اور مر رہوں گی ۔ لیکن تیرے ملنے سے ، ایک اور تدبیر دل میں سوجھی ہے ۔ خدا چاہے تو سوائے اس فکر کے ، دوسری کوئی طرح ، مخلصی کی ، نظر نہیں آتی ۔'

" میں نے کہا ' فرماؤ تو ، وہ کون سی تدبیر ہے ؟' کہنے لگی ' اگر تو ، سعی اور محنت کرے ، تو ہو سکے ۔' میں نے کہا ' میں فرماں بردار ہوں ۔ اگر حکم کرو تو جلتی آگ میں کود پڑوں ، اور سیڑھی پاؤں تو تمہاری خاطر آسمان پر چلا جاؤں ۔ جو کچھ فرماؤ ، سو بجا لاؤں ۔' ملکہ نے کہا ' تو ، بڑے بت کے بت خانے میں جا ، اور جس جگہ جوتیاں اتارتے ہیں ، وہاں ایک سیاہ ٹاٹ پڑا رہتا ہے ۔ اس ملک کی رسم ہے کہ جو کوئی مفلس اور محتاج ہو جاتا ہے ، اس جگہ ، وہ ٹاٹ اوڑھ کر ، بیٹھتا ہے ۔

یہاں کے لوگ جو زیارت کو جاتے ہیں، موافق اپنے اپنے
مقدور کے، اُسے دیتے ہیں۔ جب دو چار دن میں مال جمع
ہوتا ہے، پنڈے، ایک خلعت۔ بڑے بت کی سرکار سے
دے کر، اُسے رخصت کرتے ہیں۔ وہ تونگر ہو کر چلا
جاتا ہے۔ کوئی نہیں معلوم کرتا کہ یہ کون تھا۔ تو بھی
جا کر، اُس پلاس کے نیچے بیٹھ، اور ہاتھ منہ اپنا خوب
طرح چھپا لے، اور کسو سے نہ بول۔ بعد تین دن کے،
باھمن اور بت پرست، ہرچند تجھے خلعت دے کر رخصت
کریں تو وہاں سے ہرگز نہ اُٹھ۔ جب نہایت منت کریں
تب تو بولیو کہ "مجھے روپیہ پیسہ کچھ درکار نہیں۔ میں
مال کا بھوکا نہیں۔ میں مظلوم ہوں، فریاد کو آیا ہوں۔
اگر برھمنوں کی ماتا میری داد دے، تو بہتر۔ نہیں، بڑا
بت میرا انصاف کرے گا اور اُس ظالم سے یہی بڑا بت میری
فریاد کو پہنچے گا۔" جب تک وہ ماں باھمنوں کی، آپ
تیرے پاس نہ آوے، بہتیرا کوئی مناوے، تو راضی نہ
ہوجیو۔ آخر لاچار ہو کر، وہ خود تیرے نزدیک آوے
گی۔ وہ بہت بوڑھی ہے۔ دو سو چالیس برس کی عمر ہے اور
چھتیس بیٹے اُس کے جنے ہوئے بت خانے کے سردار ہیں اور
اُس کا، بڑے بت کے پاس، بڑا درجہ ہے۔ اس سبب، اُس
کا اتنا بڑا حکم ہے کہ جتنے چھوٹے بڑے اس ملک کے
ہیں، اُس کے کہنے کو اپنی سعادت جانتے ہیں۔ جو وہ
فرماتی ہے، بہ سر و چشم مانتے ہیں۔ اُس کا دامن پکڑ
کر کہیو "اے مائی! اگر مجھ مظلوم مسافر کا انصاف
ظالم سے نہ کرے گی، تو میں بڑے بت کی خدمت میں
ٹکریں ماروں گا۔ آخر وہ رحم کھا کر، تجھ سے میری

سفارش کرے گا۔" اس کے بعد، وہ برھمنوں کی ماتا، جب تیرا سب احوال پوچھے تو کہیو کہ " میں عجم کا رہنے والا ہوں۔ بڑے بت کی زیارت کی خاطر، اور تمھاری عدالت سن کر، کالے کوسوں سے یہاں آیا ہوں۔ کئی دنوں آرام سے رہا۔ میری بی بی بھی میرے ساتھ آئی تھی۔ وہ جوان ہے اور صورت شکل بھی اچھی ہے اور آنکھ ناک سے درست ہے۔ معلوم نہیں کہ شاہ بندر نے اُسے کیوں کر دیکھا، بہ زور مجھ سے چھین کر اپنے گھر میں ڈال دیا۔ اور ہم مسلمانوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جو نامحرم، عورت کو ان کی، دیکھے یا چھین لے تو واجب ہے کہ اُس کو، جس طرح ہو مار ڈالیں، اور اپنی جورو کو لے لیں۔ اور نہیں تو، کھانا پینا چھوڑ دیں۔ کیونکہ جب تلک وہ جیتا رہے، وہ عورت خاوند پر حرام ہے۔ اب یہاں لاچار ہو کر آیا ہوں۔ دیکھیے، تم کیا انصاف کرتی ہو!" جب ملکہ نے مجھے، یہ سب سکھا پڑھا دیا، میں رخصت ہو، اُسی تابدان کی راہ سے نکلا اور وہ جالی آہنی پھر لگا دی۔

" صبح ہوتے بت خانے میں گیا اور وہ سیاہ پلاس اوڑھ کر بیٹھا۔ تین روز میں اتنا روپیہ، اور اشرفی، اور کپڑا میرے نزدیک جمع ہؤا کہ انبار لگ گیا۔ چوتھے دن پنڈے بھجن کرتے اور گاتے بجاتے، خلعت لئے، میرے پاس آئے اور رخصت کرنے لگے۔ میں راضی نہ ہؤا اور دھائی بڑے بت کی دی کہ ' میں گدائی نہیں کرنے آیا بلکہ انصاف کے لئے، بڑے بت اور برھمنوں کی ماتا کے پاس، آیا ہوں۔ جب تلک اپنی داد نہ پاؤں گا، یہاں سے نہ

جاؤں گا ۔' وے سن کر ، اُس پیرزال کے روبرو گئے اور میرا احوال بیان کیا ۔ بعد اُس کے ، ایک چوبے آیا اور میرے تئیں کہنے لگا کہ 'چل ماتا بلاتی ہے ۔' میں وونہیں ٹاٹ کالا، سر سے پاؤں تک اوڑھے ہوئے ، دھرے میں گیا ۔ دیکھتا ہوں کہ ایک جڑاؤ سنگھاسن پر ، جس میں لعل الماس اور موتی مونگا لگا ہؤا ہے ، بڑا بت بیٹھا ہے اور ایک کرسی زرین پر فرش معقول بچھا ہے ، اُس پر ایک بڑھیا سیاہ پوش ، مسند تکیے لگائے اور دو لڑکے ، دس بارہ برس کے ، ایک داھنے ، ایک بائیں ، شان و شوکت اور تجمل سے بیٹھی ہے ۔ مجھے آگے بلایا ۔ میں ادب سے آگے گیا اور تخت کے پائے کو بوسہ دیا ، پھر اُس کا دامن پکڑ لیا۔ اُس نے میرا احوال پوچھا ، میں نے اُسی طرح جس طور سے ملکہ نے تعلیم کر دیا تھا ظاہر کیا ۔

"سن کر بولی کہ ' کیا مسلمان اپنی استریوں کو اوجھل میں رکھتے ہیں؟' میں نے کہا 'ہاں تمھارے بچوں کی خیر ہو ، یہ ہماری رسم قدیم ہے ۔' بولی کہ ' تیرا اچھا مذہب ہے ۔ میں ابھی حکم کرتی ہوں کہ شاہ بندر ، بمعہ تیری جورو ، آن کر حاضر ہوتا ہے ۔ اور اس گیدی کو ایسی سیاست کروں کہ بار دیگر ایسی حرکت نہ کرے اور سب کے کان کھڑے ہوں اور ڈریں ۔' اپنے لوگوں سے پوچھنے لگی کہ ' شاہ بندر کون ہے ؟ اُس کی یہ مجال ہوئی کہ بگانی تریا کو بہ زور چھین لیتا ہے ؟' لوگوں نے کہا کہ فلانا شخص ہے ۔ یہ سن کر ، اُن دونوں لڑکوں کو (جو پاس بیٹھے تھے) فرمایا کہ ' جلدی ، اس مانس کو

ساتھ لے کر ، بادشاہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ ماتا فرماتی ہے کہ حکم بڑے بت کا یہ ہے کہ شاہ بندر آدمیوں پر زور زیادتی کرتا ہے چنانچہ اس غریب کی عورت کو چھین لیا ہے - اُس کی تقصیر بڑی ثابت ہوئی - جلد اس گمراہ کے کے مال کا تالیقہ کر کر ، اس ترک کے (کہ ہمارا منظور نظر ہے) حوالے کر - نہیں تو آج رات کو ، ستیاناس ہو گا اور ہمارے غضب میں پڑے گا -' وے دونوں طفل ، اُٹھ کر منڈل سے باہر آئے اور سوار ہوئے - سب پنڈے سنکھ بجاتے ، اور آرتی گاتے ، جلو میں ہو لئے -

" غرض ، وہاں کے بڑے چھوٹے ، جہاں اُن لڑکوں کا پاؤں پڑتا تھا ، وہاں کی مٹی تبرک جان کر اُٹھا لیتے - اور آنکھوں سے لگاتے - اُسی طرح پادشاہ کے قلعے تک گئے ، پادشاہ کو خبر ہوئی - ننگے پاؤں استقبال کی خاطر نکل آیا ، اور اُن کو بڑے مان مہت سے لے جا کر ، اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور پوچھا ' آج کیونکر تشریف فرمانا ہؤا ؟' اُن دونوں برھمن بچوں نے ، ماں کی طرف سے جو کچھ سن آئے تھے ، کہا اور بڑے بت کی خفگی سے ڈرایا -

" پادشاہ نے سنتے ہی فرمایا ' بہت خوب !' اور اپنے نوکروں کو حکم کیا کہ محصل جاویں اور شاہ بندر کو ، بمعہ اُس عورت کے ، جلد حضور میں حاضر کریں تو میں ، تقصیر اُس کی تجویز کر کے ، سزا دوں -' یہ سن کر ، میں اپنے دل میں گھبرایا کہ یہ بات تو اچھی نہ ہوئی - اگر شاہ بندر کے ساتھ ملکہ کو بھی لاویں تو پردہ فاش ہو گا اور میرا کیا احوال ہو گا ؟ دل میں نہایت خوف‌زدہ ہو

کر خدا کی طرف رجوع کی ۔ لیکن میرے منہ پر ہوائیاں آڑنے لگیں ، اور بدن کانپنے لگا ۔ لڑکوں نے یہ میرا رنگ دیکھ ، شاید دریافت کیا کہ یہ حکم اس کی مرضی کے موافق نہ ہؤا ۔ وونہیں خفا و برہم ہو کر آٹھے ، اور پادشاہ کو جھڑک کر بولے ' اے مردک ! تو دیوانہ ہؤا ہے جو فرماں برداری سے بڑے بت کی نکلا ۔ اور ہمارے بچن کو جھوٹ سمجھا ، جو دونوں کو بلا کر تحقیق کیا چاہتا ہے؟ اب خبردار ، توغضب میں بڑے بت کے پڑا ۔ ہم نے تجھے حکم پہنچا دیا ۔ اب تو جان اور بڑا بت جانے !'

" اس کہنے سے ، پادشاہ کی عجب حالت ہوئی کہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور سر سے پاؤں تلک رعشہ ہو گیا ۔ منت کر کے منانے لگا ، یہ دونوں ہرگز نہ بیٹھے لیکن کھڑے رہے ۔ اس میں جتنے امیر آمراء ، وہاں حاضر تھے ، ایک منہ ہو کر ، بدگوئی شاہ بندر کی ، کرنے لگے کہ ' وہ ایسا ہی حرام زادہ ، بدکار اور پاپی ہے ۔ ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ حضور میں پادشاہ کے کیا کیا عرض کریں ! جو کچھ برہمنوں کی ماتا نے کہلا بھیجا ہے ، درست ہے ۔ اس واسطے کہ حکم بڑے بت کا ہے ، یہ دروغ کیونکر ہو گا ؟' پادشاہ نے جب سب کی زبانی ایک ہی بات سنی ، اپنے کہنے سے بہت خجل اور نادم ہؤا ۔ جلد ایک خلعت پاکیزہ مجھے دی اور حکم نامہ اپنے ہاتھ سے لکھ ، آس پر دستی مہر کر کر ، میرے حوالے کیا ۔ اور ایک رقعہ مادر برہمناں کو لکھا اور جواہر ، اشرفیوں کے خوان ، لڑکوں کے روبرو پیشکش رکھ کر ،

رخصت کیا ۔ میں خوشی بہ خوشی بت خانے میں آیا اور
اس بڑھیا کے پاس گیا ۔

" پادشاہ کا خط جو آیا تھا ، اس کا یہ مضمون تھا ۔
القاب کے بعد بندگی ، عجز و نیاز لکھ کر لکھا تھا کہ
' موافق حکم حضور کے ، اس مرد مسلمان کو ، خدمت
شاہ بندر کی مقرر ہوئی اور خلعت دی گئی ۔ اب یہ اس کے
قتل کرنے کا مختار ہے ۔ اور سارا مال و اموال اس کا ،
اس ترک کا ہؤا ۔ جو چاہے سو کرے ۔ امیدوار ہوں
کہ میری تقصیر معاف ہو ۔' برھمنوں کی ماں نے خوش
ہو کر فرمایا کہ نو بت خانے میں ، بت خانے کی نو بت
بجے ۔ اور پانچ سو سپاھی ، برقنداز ، جو بال باندھی کوڑی
ماریں ، مسلح میرے ھمراہ کر دئے ۔ اور حکم کیا کہ
' بندر میں جا کر ، شاہ بندر کو دستگیر کر کے ، اس
مسلمان کے حوالے کریں ۔ جس طرح کے عذاب سے اس کا
جی چاھے ، اسے مارے ۔ اور خبردار ، سوائے اس عزیز کے
کوئی محل سرا میں داخل نہ ھووے اور اس کے
مال و خزانے کو ، امانت اس کی ، سپرد کریں ۔ جب یہ
بہ خوشی رخصت کرے ، رسید اور صافی نامہ اس سے لے
کر ، پھر آویں ۔' اور ایک سری پاؤ ، بت بزرگ کی سرکار
سے ، میرے تئیں دے کر ، سوار کروا کر ، وداع کیا ۔

" جب میں بندر میں پہنچا ، ایک آدمی نے بڑھ کر ،
شاہ بندر کو خبر کی ۔ وہ حیران سا بیٹھا تھا کہ میں جا
پہنچا ۔ غصہ تو دل میں بھر ھی رہا تھا ، دیکھتے ھی
شاہ بندر کو ، تلوار کھینچ کر ایسی گردن میں لگائی کہ

اس کا سر ، الگ بھٹا سا ، اڑ گیا ۔ اور وہاں کے گماشتے ، خزانچی ، مشرف ، داروغوں کو پکڑوا کر ، سب دفترضبط کئے ، اور میں محل میں داخل ہوا ۔ ملکہ سے ملاقات کی ، آپس میں گلے لگ کر روئے اور شکر خدا کا کیا ۔ میں نے اس کے ، اس نے میرے ، آنسو پونچھے ۔ پھر باہر مسند پر بیٹھ کر ، اہل کاروں کو خلعتیں دیں اور اپنی اپنی خدمتوں پر سب کو بحال کیا ۔ نوکر اور غلاموں کو سرفرازی دی ۔ وہ لوگ جو منڈپ سے میرے ساتھ متعین ہوئے تھے ، ہر ایک کو انعام و بخشش دے کر اور ان کے جمعدار ، رسالہ‌دار کو جوڑے پہنا کر رخصت کیا اور جواہر بیش قیمت ، اور تھان نوربافی اور شال بافی اور زردوزی ، اور جنس و تحفے ہر ایک ملک کے ، اور نقد بہت سا ، بادشاہ کی نذر کی خاطر ، اور موافق ہر ایک امراؤں کے ، درجہ بہ درجہ ، اور پنڈیاین کے لئے ، اور سب پنڈوں کے تقسیم کرنے کی خاطر ، اپنے ساتھ لے کر ، بعد ایک ہفتے کے میں بتکدے میں آیا اور اس ماتا کے آگے ، بہ‌طریق بھینٹ کے ، رکھا ۔

” اس نے ایک اور خلعت سرفرازی کی مجھے بخشی اور خطاب دیا ۔ پھر بادشاہ کے دربار میں جا کر پیشکش گزرانی اور جو جو ظلم و فساد ، شاہ بندر نے ایجاد کیا تھا ، اس کے موقوف کرنے کی خاطر عرض کی ۔ اس سبب سے بادشاہ اور امیر سوداگر ، سب مجھ سے راضی ہوئے ۔ بہت نوازش مجھ پر فرمائی ۔ اور خلعت اورگھوڑا دے کر ، منصب جاگیر عنایت کی اور آبرو حرمت بخشی ۔ جب

پادشاہ کے حضور سے باہر آیا ، شاگرد پیشوں کو اور اہل کاروں کو ، اتنا کچھ دے کر راضی کیا کہ سب میرا کلمہ پڑھنے لگے ۔ غرض ، میں بہت مرفہ‌الحال ہو گیا اور نہایت چین و آرام سے ، اس ملک میں ، ملکہ سے عقد باندھ کر ، رهنے لگا اور خدا کی بندگی کرنے لگا ۔ میرے انصاف کے باعث ، رعیت پرجا ، سب خوش تھے ۔ مہینے میں ایک بار ، بت خانے میں اور پادشاہ کے حضور ، آتا جاتا ۔ پادشاہ ، روز بروز زیادہ سرفرازی فرماتا ۔

" آخر مصاحبت میں مجھے داخل کیا ۔ میری بے صلاح ، کوئی کام نہ کرتا ۔ نہایت بے فکری سے زندگی گزرنے لگی ۔ مگر خدا ھی جانتا ھے ، اکثر اندیشہ ان دونوں بھائیوں کا دل میں آتا کہ وے کہاں ہوں گے اور کس طرح ہوں گے ۔ بعد مدت دو برس کے ، ایک قافلہ سوداگروں کا ، ملک زیرباد سے ، اس بندر میں آیا ۔ وے سب قصد عجم کا رکھتے تھے ، انھوں نے یہ چاہا کہ دریا کی راہ سے اپنے ملک کو جاویں ۔ وهاں کا یہ قاعدہ تھا کہ جو کاروان آتا ، اس کا سردار ، سوغات و تحفہ ہر ایک ملک کا ، میرے پاس لاتا اور نذر گزرانتا ۔ دوسرے روز ، میں اس کے مکان پر جاتا ۔ دہ یکی ، بہ طریق محصول کے ، اس کے مال سے ، لیتا اور پروانگی کوچ کی دیتا ۔ اسی طرح ، وہ سوداگر زیرباد کے بھی ، میری ملاقات کو آئے اور بے بہا پیشکش لائے ۔ دوسرے دن میں ان کے خیمے میں گیا ۔ دیکھا تو ، دو آدمی پھٹے پرانے کپڑے پہنے ، گٹھری بقچے سر پر اٹھا کر ، میرے روبرو لاتے ہیں ۔

بعد ملاحظہ کرنے کے ، پھر اٹھا لے جاتے ہیں اور بڑی محنت اور خدمت کر رہے ہیں۔

” میں نے خوب نجھا کر جو دیکھا تو یہی دونوں میرے بھائی ہیں ۔ اس وقت غیرت اور حمیت نے نہ چاہا کہ ان کو اس طرح خدمت گاری میں دیکھوں ۔ جب اپنے گھر کو چلا آدمیوں کو کہا کہ ’ ان دونوں شخصوں کو لئے آؤ ۔‘ ان کو لائے ۔ پھر لباس اور پوشاک بنوا دی اور اپنے پاس رکھا ۔ ان بدذاتوں نے ، پھر میرے مارنے کا منصوبہ کر کر ، ایک روز آدھی رات میں ، سب کو غافل پا کر ، چوٹّوں کی طرح میرے سرھانے آ پہنچے ۔ میں نے اپنی جان کے ڈر سے ، چوکی داروں کو دروازے پر رکھا تھا اور یہ کتا وفادار ، میری چار پائی کی پٹی تلے ، سوتا تھا ۔ جوں انھوں نے تلواریں میان سے کھینچیں ، پہلے کتے نے بھونک کر ان پر حملہ کیا ۔ اس آواز سے سب جاگ پڑے ۔ میں بھی ھلبلا کر چونکا ۔ آدمیوں نے ان کو پکڑا ، معلوم ہؤا کہ آپ ہی ہیں ۔ سب لعنتیاں دینے لگے کہ باوجود اس خاطرداری کے ، یہ کیا حرکت ان سے ظہور میں آئی ۔

” بادشاہ سلامت ! تب تو میں بھی ڈرا ۔ مثل مشہور ہے : ایک خطا دو خطا ، تیسری خطا ، مادر بہ خطا ۔ دل میں یہی صلاح ٹھہری کہ اب ان کو مقید کروں ، لیکن اگر بندی خانے میں رکھوں تو ان کا کون خبر گیراں رہے گا ؟ بھوک پیاس سے مر جائیں گے یا کوئی اور سوانگ لائیں گے ۔ اس واسطے قفس میں رکھا ہے کہ ہمیشہ

میری نظروں کے تلے رہیں تو میری خاطر جمع رہے، مبادا
آنکھوں سے اوجھل ہو کر کچھ اور کریں - اور اس کتے
کی عزت اور حرمت ، اس کی نمک حلالی اور وفاداری کا
سبب ہے - سبحان اللہ ! آدمی بے وفا ، بدتر حیوان باوفا
سے ہے - میری یہ سرگزشت تھی جو حضور میں عرض کی -
اب خواہ قتل فرمائیے یا جان بخشی کیجیے ، حکم پادشاہ
کا ہے -"

میں نے سن کر ، اس جوان با ایمان پر آفرین کی اور
کہا " تیری مروت میں کچھ خلل نہیں ، اور ان کی
بے حیائی اور حرامزدگی میں ہرگز قصور نہیں - سچ ہے ،
کتے کی دم کو بارہ برس گاڑو ، تو بھی ٹیڑھی کی ٹیڑھی
رہے -" اس کے بعد میں نے ، حقیقت ان بارہ لعل کی ، کہ
اس کتے کے پٹے میں تھے ، پوچھی - خواجہ بولا کہ
" پادشاہ کی ، صد و بیست سال کی عمر ہو ! اسی بندر میں
جہاں میں حاکم تھا ، بعد تین چار سال کے ، ایک روز
بالاخانے پر محل کے (کہ بلند تھا) واسطے سیر اور تماشے ،
دریا اور صحرا کے، میں بیٹھا تھا اور ہر طرف دیکھتا تھا -
ناگاہ ایک طرف جنگل میں کہ وہاں شاہراہ نہ تھی ، دو
آدمی کی تصویر سی نظر آئی کہ چلے جاتے ہیں - دوربین
لے کر دیکھا تو عجب ہیئت کے انسان دکھائی دئے -
چوب داروں کو ان کے بلانے کے واسطے دوڑایا -

" جب وے آئے معلوم ہوا کہ ایک عورت اور ایک
مرد ہے - رنڈی کو محل سرا میں ملکہ کے پاس بھیج دیا
اور مرد کو روبرو بلایا - دیکھا تو ایک جوان ، برس

بیس بائیس کا ، داڑھی موچھ آغاز ہے ۔ لیکن دھوپ کی گرمی سے اُس کے چہرے کا رنگ ، کالے توے کا سا ہو رہا ہے ۔ اور سر کے بال ، اور ہاتھوں کے ناخن ، بڑھ کر بن مانس کی صورت بن رہا ہے ۔ اور ایک لڑکا ، برس تین چار ایک کا کاندھے پر ، اور دو آستینیں کرتے کی بیڑی ہوئیں ، ہیکل کی طرح گلے میں ڈالے ۔ عجب صورت اور عجب وضع اُس کی دیکھی ۔ میں نے نہایت حیران ہو کر پوچھا " اے عزیز ! تو کون ہے اور کس ملک کا باشندہ ہے اور یہ کیا تیری حالت ہے ؟ " وہ جوان بے اختیار رونے لگا اور وہ ہمیانی کھول کر میرے آگے زمین پر رکھی اور بولا " الجوع ، الجوع ! واسطے خدا کے کچھ کھانے کو دو ۔ مدت سے گھاس اور بناس پتیاں کھاتا چلا آتا ہوں ۔ ایک ذرا قوت مجھ میں باقی نہیں رہی ۔" وونہیں نان و کباب اور شراب میں نے منگوا دی ۔ وہ کھانے لگا ۔

" اتنے میں خواجہ سرا ، محل سے کئی تھیلیاں اور ، اُس کے قبیلے کے پاس سے ، لے آیا ۔ میں نے اُن سب کو کھلوایا ۔ ہر ایک قسم کے جواہر دیکھے ، کہ ایک ایک دانہ اُن کا ، خراج سلطنت کا ، کہا چاہیے ۔ ایک سے ایک انمول ، ڈول میں اور تول میں ، اور آبداری میں ۔ اور اُن کی چھوٹ پڑنے سے سارا مکان بوقلموں ہو گیا ۔ جب اُس نے ٹکڑا کھایا اور ایک جام دارو کا ، پیا اور دم لیا ، حواس بجا ہوئے ۔ تب میں نے پوچھا ' یہ پتھر تجھے کہاں ہاتھ لگے ؟' جواب دیا کہ ' میرا

وطن ، ولایت آذربائیجان ہے ۔ لڑکپن میں گھر بار ، ماں باپ سے جدا ہو کر ، بہت سختیاں کھینچیں ۔ اور ایک مدت تلک ، زندہ درگور تھا اور کئی بار ملک‌الموت کے پنجے سے بچا ہوں ۔ میں نے کہا ' اے مرد آدمی! مفصل کہہ تو معلوم ہو ۔' تب وہ اپنا احوال بیان کرنے لگا کہ 'میرا باپ سوداگر پیشہ تھا ۔ ہمیشہ سفر ، ہندستان و روم و چین و خطا و فرنگ کا ، کرتا ۔ جب میں دس برس کا ہؤا ، باپ ہندوستان کو چلا ۔ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کو چاہا ۔ ہر چند والدہ نے ، اور خالہ ، ممانی ، پھوپھی نے کہا کہ " ابھی یہ لڑکا ہے ، لائق سفر کے نہیں ہؤا ۔" والد نے نہ مانا اور کہا کہ " میں بوڑھا ہؤا ۔ اگر یہ میرے روبرو تربیت نہ ہوگا تو یہ حسرت گور میں لے جاؤں گا ۔ مرد بچہ ہے ، اب نہ سیکھے گا تو کب سیکھے گا ؟ "

" 'یہ کہہ کر، مجھے خواہ مخواہ ساتھ لیا اور روانہ ہؤا ۔ خیر و عافیت سے راہ کٹی ۔ جب ہندستان میں پہنچے ، کچھ جنس وہاں بیچی ۔ اور وہاں کے سوغات لے کر زیرباد کے ملک کو گئے ۔ یہ بھی سفر ہؤا ۔ وہاں سے بھی ، خرید و فروخت کر کے جہاز پر سوار ہوئے کہ جلد وطن میں پہنچیں ۔ بعد ایک مہینے کے ، ایک روز آندھی اور طوفان آیا اور مینھ موسلادھار برسنے لگا ۔ سارا زمین و آسمان دھواں دھار ہو گیا اور پتوار جہاز کی ٹوٹ گئی ۔ معلّم ، ناخدا سر پیٹنے لگے ۔ دس دن تلک ، ہوا اور موج ، جیدھر چاہتی تھی ، لئے جاتی تھی ۔ گیارھویں روز ، ایک پہاڑ سے

ٹکر کھا کے ، جہاز پرزے پرزے ہو گیا ۔ نہ معلوم ہؤا کہ باپ اور نوکر چاکر اور اسباب کہاں گیا ؟

" 'میں نے اپنے تئیں ایک تختے پر دیکھا ۔ سہ شبانہ روز ، وہ بیڑا بے اختیار چلا گیا ۔ چوتھے دن کنارے پر جا لگا ۔ مجھ میں فقط جان باقی تھی ۔ اُس پر سے اُتر کر ، گھٹنیوں چل کر ، بارے کسو نہ کسو طرح ، زمین پر پہنچا ۔ دور سے کھیت نظر آئے اور بہت سے آدمی وہاں جمع تھے ۔ لیکن سب سیاہ فام اور ننگے مادر زاد ، مجھ سے کچھ بولے ۔ لیکن میں نے اُن کی زبان مطلق نہ سمجھی ۔ وہ کھیت چنوں کا تھا ۔ وہ آدمی ، آگ کا الاؤ جلا کر ، بوٹوں کے ہولے کرتے تھے ، اور کھاتے تھے ۔ اور کئی ایک گھر بھی وہاں نظر آئے ۔ شاید اُن کی خوراک یہی تھی اور وہیں بستے تھے ۔ مجھے بھی اشارت کرنے لگے کہ تو بھی کھا ۔ میں نے بھی ایک مٹھی اکھاڑ کر ، بھوننے اور پھانکنے لگا ۔ تھوڑا سا پانی پی کر ، ایک گوشے میں سو رہا ۔

" 'بعد دیر کے جب جاگا ، اُن میں سے ایک شخص میرے نزدیک آیا اور راہ دکھانے لگا ۔ میں نے تھوڑے سے چنے اکھیڑ لئے اور اُس راہ پر چلا ۔ ایک کف دست میدان تھا ، گویا صحرائے قیامت کا نمونہ کہا چاہیے ۔ یہی بوٹ کھاتا ہؤا چلا جاتا تھا ۔ بعد چار دن کے ، ایک قلعہ نظر آیا ۔ جب پاس گیا تو ایک کوٹ دیکھا ، بہت بلند ، تمام پتھر کا ، اور ہر ایک النگ اُس کی ، دو دو کوس کی ، اور دروازہ ایک سنگ کا تراشا ہؤا ، ایک قفل بڑا سا جڑا

تھا - لیکن وہاں انسان کا نشان نظر نہ پڑا - وہاں سے آگے چلا ، ایک ٹیلا دیکھا کہ اس کی خاک ، سرمے کے رنگ سیاہ تھی - جب اس تل کے پار ہؤا تو ایک شہر نظر پڑا - بہت بڑا ، گرد شہر پناہ اور جا بہ جا برج - ایک طرف شہر کے دریا تھا ، بڑے پاٹ کا - جاتے جاتے دروازے پر گیا اور بسم اللہ کہہ کر قدم اندر رکھا - ایک شخص کو دیکھا ، پوشاک اہل فرنگ کی پہنے ہوئے ، کرسی پر بیٹھا ہے - جوں اُن نے مجھے اجنبی مسافر دیکھا اور میرے منہ سے بسم اللہ سنی ، پکارا کہ " آگے آؤ -" میں نے جا کر سلام کیا ، نہایت مہربانی سے سلام کا جواب دیا - ترت میز پر ، پاؤ روٹی اور مسکہ ، اور مرغ کا کباب ، اور شراب رکھ کر کہا " پیٹ بھر کر کھاؤ -" میں نے تھوڑا سا کھایا اور پیا اور بے خبر ہو کر سویا - جب رات ہوگئی ، تب آنکھ کھلی - ہاتھ منہ دھویا - پھر مجھے کھانا کھلایا اور کہا کہ " اے بیٹا ! اپنا احوال کہہ -" جو کچھ مجھ پر گزرا تھا سب کہہ سنایا - تب بولا کہ " یہاں تو کیوں آیا ؟ " میں نے دق ہو کر کہا " شاید تو دیوانہ ہے ! میں نے ، بعد مدت کی محنت کے ، اب بستی کی صورت دیکھی ہے - خدا نے یہاں تلک پہنچایا اور تو کہتا ہے کیوں آیا ؟ " کہنے لگا " اب تو آرام کر - کل جو کہنا ہوگا ، کہوں گا -"

" جب صبح ہوئی بولا " کوٹھڑی میں پھاوڑا اور چھلنی اور توبڑہ ہے ، باہر لے آ -" میں نے دل میں کہا کہ خدا جانے روٹی کھلا کر ، کیا محنت مجھ سے کراوے

گا - لاچار وہ سب نکال کر ، اُس کے روبرو لایا - تب اُس نے فرمایا کہ " اُس ٹیلے پر جا اور ایک گز کے موافق ، گڑھا کھود - وہاں سے جو کچھ نکلے ، اس چھلنی میں چھان - جو نہ چھن سکے ، اُس توبڑے میں بھر کر میرے پاس لا -" میں وہ سب چیزیں لے کر وہاں گیا اور اتنا ہی کھود کر ، چھان چھون کر ، توبڑے میں ڈالا - دیکھا تو سب جواہر ، رنگ برنگ کے ، تھے - ان کی جوت سے ، آنکھیں چوندھیا گئیں - اُسی طرح تھیلی کو مونھاں منہ بھر کر ، اُس عزیز کے پاس لے گیا - دیکھ کر بولا کہ جو اس میں بھرا ہے ، تو لے اور یہاں سے جا کہ تیرا رہنا اس شہر میں خوب نہیں - میں نے جواب دیا کہ "صاحب نے ، اپنی جانب میں ، بڑی مہربانگی کی کہ اتنا کچھ کنکر پتھر دیا - لیکن میرے کس کام کا ؟ جب بھوکا ہوں گا تو ان کو چبا سکوں گا ، نہ پیٹ بھرے گا - پس اگر اور بھی دو تو میرے کس کام آئیں گے ؟" وہ مرد ہنسا اور کہنے لگا کہ " مجھ کو تجھ پر افسوس آتا ہے کہ تو بھی ہماری مانند ، ملک عجم کا متوطن ہے - اس لئے میں منع کرتا ہوں - نہیں ، تُو جان - اگر خواہ نخواہ تیرا یہی قصد ہے کہ شہر میں جاؤں ، تو میری انگوٹھی لیتا جا - جب بازار کے چوک میں جاوے تو ایک شخص سفید ریش ، وہاں بیٹھا ہوگا اور اُس کی صورت شکل مجھ سے مشابہ ہے ، میرا بڑا بھائی ہے - اُس کو یہ چھاپ دیجو تو وہ تیری خبرگیری کرے گا اور جو کچھ وہ کہے ، اُسی موافق کام کیجو - نہیں تو مفت مارا جائے گا اور میرا حکم یہیں تلک ہے - شہر میں میرا دخل نہیں -" تب میں نے وہ خاتم اُس سے

لی اور سلام کر کر ، رخصت ہؤا ۔ شہر میں گیا ۔ بہت خاصہ شہر دیکھا ۔ کوچہ و بازار صاف ، اور زن و مرد ، بے حجاب آپس میں ، خرید و فروخت کرتے ۔ سب خوش لباس ۔ میں سیر کرتا اور تماشا دیکھتا ، جب چوک کے چوراھے میں پہنچا ، ایسا ازدحام تھا کہ تھالی پھینکیے تو آدمیوں کے سر پر چلی جائے ۔ خلقت کا یہ ٹھٹ بندھ رہا تھا کہ آدمی کو راہ چلنا مشکل تھا ۔ جب کچھ بھیڑ چھٹی ، میں بھی دھکم دھکا کرتا ہؤا آگے گیا ۔ بارے اس عزیز کو دیکھا کہ ایک چوکی پر بیٹھا ھے اور ایک جڑاؤ چاّق روبرو دھرا ھے ۔ میں نے جا کر سلام کیا اور وہ مہر دی ۔ نظر غضب سے میری طرف دیکھا اور بولا " کیوں تو یہاں آیا ، اور اپنے تئیں بلا میں ڈالا؟ مگر میرے بے وقوف بھائی نے تجھے منع نہ کیا تھا ؟"

" میں نے کہا " انھوں نے تو کہا لیکن میں نہ مانا ۔" اور تمام کیفیت اپنی ابتدا سے انتہا تک کہہ سنائی ۔ وہ شخص اٹھا اور مجھے ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف چلا ۔ اس کا مکان ، پادشاھوں کا سا دیکھنے میں آیا اور بہت سے نوکر چاکر اس کے تھے ۔ جب خلوت میں جا کر بیٹھا ، بہ ملائمت بولا کہ " اے فرزند ! یہ کیا تو نے حماقت کی کہ اپنے پاؤں سے گور میں آیا ؟ کوئی بھی ، اس کم بخت طلسماتی شہر میں آتا ھے؟" میں نے کہا " میں اپنا احوال پیشتر کہہ چکا ہوں ، اب تو قسمت لے آئی ۔ لیکن شفقت فرما کر یہاں کے راہ و رسم سے مطلع کیجئے تو معلوم کروں کہ اس واسطے تم نے ، اور تمھارے بھائی نے ، مجھے منع

کیا ۔" تب وہ جواں مرد بولا کہ " پادشاہ اور تمام رئیس، اس شہر کے ، راندے ہوئے ہیں ۔ عجب طرح کا ان کا رویہ اور مذہب ہے ۔ یہاں بت خانے میں ایک بت ہے کہ شیطان ، اُس کے پیٹ میں سے ، نام اور ذات اور دین ہر کسو کا بیان کرتا ہے ۔ پس جو کوئی غریب مسافر آتا ہے، پادشاہ کو خبر ہوتی ہے ، اُسے منڈپ میں لے جاتا ہے اور بت کو سجدہ کرواتا ہے ۔ اگر ڈنڈوت کی تو بہتر ، نہیں تو بچارے کو دریا میں ڈبوا دیتا ہے ۔ اگر وہ چاہے کہ دریا سے نکل کر بھاگے تو آلت اور خصیے اُس کے لمبے ہو جاتے ہیں ایسے کہ زمیں میں گھسٹتے۔ ایسا طلسم اس شہر میں بنایا ہے ۔ مجھ کو تیری جوانی پر رحم آتا ہے ۔ مگر تیری خاطر ایک تدبیر کرتا ہوں کہ بھلا کوئی دن تو تُو جیتا رہے اور اس عذاب سے بچے ۔"

" میں نے پوچھا " وہ کیا صورت تجویز کی ہے ؟ ارشاد ہو ۔" کہنے لگا " تجھے کتخدا کروں اور وزیر کی لڑکی تیری خاطر بیاہ لاؤں ۔" میں نے جواب دیا کہ " وزیر اپنی بیٹی مجھ سے مفلس کو کب دے گا ؟ مگر جب اُن کا دین قبول کروں؟ سو یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا ۔" کہنے لگا " اس شہر کی یہ رسم ہے کہ جو کوئی اُس بت کو سجدہ کرے ، اگر فقیر ہو ، اور پادشاہ کی بیٹی کو مانگے ، تو اُس کی خوشی کی خاطر حوالے کریں اور اُسے رنجیدہ نہ کریں۔ اور میرا بھی پادشاہ کے نزدیک اعتبار ہے اور عزیز رکھتا ہے ۔ لہٰذا ، سب ارکان اور اکابر یہاں کے، میری قدر کرتے ہیں ۔ اور درمیان ایک ہفتے میں دو دن ، بتکدے میں

زیارت کو جاتے ہیں اور عبادت بجا لاتے ہیں ۔ چنانچہ کل سب جمع ہوویں گے ، میں تجھے لے جاؤں گا ۔" یہ کہہ کر ، کھلا پلا کر ، سلا رکھا ۔ جب صبح ہوئی ، مجھے ساتھ لے کر بت خانے کی طرف چلا ۔ وہاں جا کر جو دیکھا تو آدمی آتے جاتے ہیں اور پرستش کرتے ہیں ۔

"'پادشاہ اور امیر ، بت کے سامنے پنڈتوں کے پاس ، سر ننگے کئے ، ادب سے دو زانو بیٹھے تھے ۔ اور ناکتخدا لڑکیاں ، اور لڑکے خوب صورت ، جیسے حور و پریاں ، چاروں طرف صف باندھے ، کھڑے تھے ۔ تب وہ عزیز مجھ سے مخاطب ہؤا کہ "اب میں جو کہوں سو کر ۔" میں نے قبول کیا کہ "جو فرماؤ سو بجا لاؤں ۔" بولا کہ "پہلے بادشاہ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دے ، بعد اس کے وزیر کا دامن پکڑ ۔" میں نے ویسا ہی کیا ۔ پادشاہ نے پوچھا ، کہ "یہ کون ہے اور کیا کہتا ہے ؟" اس مرد نے کہا "یہ جوان میرے رشتے میں ہے ۔ پادشاہ کی قدم بوسی کی آرزو میں دور سے آیا ہے ۔ اس توقع پر کہ وزیر اس کو اپنی غلامی میں سر بلند کرے ، اگر حکم بت کلاں کا اور مرضی حضور کی ہووے ۔" پادشاہ نے پوچھا کہ "ہمارا مذہب اور دین و آئین قبول کرے گا ، تو مبارک ہے ۔" وونہیں بت خانے کا نقار خانہ بجنے لگا اور بھاری خلعت مجھے پہنائی اور ایک رسی سیاہ ، میرے گلے میں ڈال کر ، کھینچے ہوئے ، بت کی سنگھاسن کے آگے لے جا کر ، سجدہ کروا کر ، کھڑا کیا ۔

"'بت سے آواز نکلی کہ "اے خواجہ زادے! خوب

ہؤا کہ تو ہماری بندگی میں آیا ۔ اب ہماری رحمت اور عنایت کا اُمیدوار رہ ۔" یہ سن کر سب خلقت نے سجدہ کیا اور زمین میں لوٹنے لگے اور پکارے "دھنّ ہے! کیوں نہ ہو! تم ایسے ہی ٹھاکر ہو ۔" جب شام ہوئی، بادشاہ اور وزیر سوار ہو کر، وزیر کے محل میں داخل ہوئے اور وزیر کی بیٹی کو، اپنے طور کی ریت رسم کر کے، میرے حوالے کیا ۔ اور بہت سا دان دہیز دیا اور بہت منت دار ہوئے کہ "بہ موجب حکم بڑے بت کے، اسے تمہاری خدمت میں دیا ہے ۔" ایک مکان میں ہم دونوں کو رکھا ۔ اس نازنین کو جو میں نے دیکھا، تو فی الواقع اُس کا عالم پری کا سا تھا ۔ نکھ سکھ سے درست ۔ جو جو خوبیاں پدمنی کی سنی جاتی ہیں سو سب اُس میں موجود تھیں ۔ بفراغت تمام، میں نے صحبت کی اور حظ اُٹھایا ۔ صبح کو غسل کر کے، بادشاہ کے مجرے میں حاضر ہؤا ۔ بادشاہ نے خلعت دامادی کی عنایت کی اور حکم فرمایا کہ ہمیشہ دربار میں حاضر رہا کرے ۔ آخر کو، بعد چند روز کے، بادشاہ کی مصاحبت میں داخل ہؤا ۔

"'بادشاہ میری صحبت سے نہایت محظوظ ہوتے اور اکثر خلعت اور انعام عنایت کرتے ۔ اگرچہ دنیا کے مال سے میں غنی تھا اس واسطے کہ میرے قبیلے کے پاس، اتنا نقد و جنس اور جواہر تھا کہ جس کی حد و نہایت نہ تھی ۔ دو سال تک بہت عیش و آرام سے گزری ۔ اتفاقاً وزیر زادی کو پیٹ رہا ۔ جب ستوانسا ہؤا، اور ان گنا سہینہ گزر کر، پورے دن ہوئے، پیڑیں لگیں ۔ دائی جنائی

آئی ، تو مؤا لڑکا پیٹ میں سے نکلا ۔ اُس کا بِس ، جچّا کو چڑھا ۔ وہ بھی مر گئی ۔ میں مارے غم کے دیوانہ ہو گیا کہ یہ کیا آفت ٹوٹی ! اس کے سرھانے بیٹھا روتا تھا ۔ ایک بارگی رونے کی آواز سارے محل میں بلند ہوئی اور چاروں طرف سے عورتیں آنے لگیں ۔ جو آتی تھی ایک دوھتڑ میرے سر پر مارتی اور اپنی کُس و کون کو ننگا کر کے میرے پاس ، منہ کے مقابل ، کھڑی رھتی اور رونا شروع کرتی ۔ اتنی رنڈیاں اکٹھی ہوئیں کہ میں ، اُن کے چوتڑوں میں ، چھپ گیا ۔ نزدیک تھا کہ جان نکل جاوے ۔

" ' اتنے میں کسو نے پیچھے سے ، گریبان میرا کھینچ کر گھسیٹا ۔ دیکھوں تو وھی مرد عجمی ھے جس نے مجھے بیاھا تھا ۔ کہنے لگا کہ " احمق ، تو کس لئے روتا ھے؟" میں نے کہا " اے ظالم ، یہ تو نے کیا بات کہی ؟ میری بادشاھت لٹ گئی ۔ آرام خانہ داری کا ، گیا گزرا ۔ تو کہتا ھے ، کیوں غم کرتا ھے ؟" وہ عزیز تبسم کر کے بولا کہ " اب اپنی موت کی خاطر رو ۔ میں نے پہلے ھی تجھے کہا تھا کہ شاید اس شہر میں تیری اجل آئی ھے ۔ سو ھی ھؤا۔ اب سوائے مرنے کے، تیری رھائی نہیں۔" آخر لوگ ، مجھے پکڑ کر ، بت خانے میں لے گئے ۔ دیکھا تو پادشاہ ، اور اُمراء ، اور چھتیس فرقہ رعیت پرجا ، وھاں جمع ھیں اور وزیر زادی کا مال اسوال سب دھرا ھے ، جو چیز جس کا جی چاھتا ھے ، لیتا ھے اور اُس کی قیمت کے روپے دھر دیتا ھے ۔

" ' غرض ، سب اسباب کے نقد روپے ہوئے ، ان روپوں

کا جواہر خریدا گیا اور ایک صندوقچے میں بند کیا اور ایک دوسرے صندوق میں نان و حلوا ، اور گوشت کے کباب ، اور میوۂ خشک و تر ، اور کھانے کی چیزیں لے کر بھریں - اور لاش اُس بی بی کی ، ایک صندوق میں رکھ کر ، صندوق آذوقے کا ، ایک اونٹ پر لدوا دیا - اور مجھے سوار کیا اور صندوقچہ جواہر کا ، میری بغل میں دیا اور سارے باھمن ، آگے آگے بھجن کرتے ، سنکھ بجاتے چلے - اور پیچھے ایک خلقت ، مبارکبادی کہتی ہوئی ، ساتھ ہولی - اس طور سے ، اُسی دروازے سے کہ میں پہلے روز آیا تھا ، شہر کے باھر نکلا - جونہی داروغہ کی نگاہ مجھ پر پڑی ، رونے لگا اور بولا کہ '' اے کم‌بخت اجل گرفتہ ! میری بات نہ منی اور اُس شہر میں جا کر مفت اپنی جان دی - میری تقصیر نہیں - میں نے منع کیا تھا -'' اُن نے یہ بات کہی ، لیکن میں تو ھکا بکا ہو رھا تھا ، نہ زبان یاری دیتی تھی کہ جواب دوں ، نہ اوسان بجا تھے کہ دیکھیے انجام میرا کیا ھوتا ھے ؟

'' ' آخر اُس قلعے کے پاس ، جس کا میں نے پہلے روز دروازہ بند دیکھا تھا ، لے گئے اور بہت سے آدمیوں نے مل کر قفل کو کھولا اور تابوت اور صندوق کو اندر لے چلے - ایک پنڈت میرے نزدیک آیا اور سمجھانے لگا کہ '' مانس ایک دن جنم پاتا ھے اور ایک روز ناس ھوتا ھے - دنیا کا یہی آواگون ھے - اب یہ تیری استری ، اور پوت ، اور دھن ، اور چالیس دن کا اسباب بھوجن کا موجود ھے - اس کو لے اور یہاں رہ ، جب تلک بڑا بت تجھ پر مہربان

ھووے ۔" میں نے غصے میں چاھا کہ اس بت پر ، اور وھاں کے رھنے والوں پر ، اور اس ریت رسم پر ، لعنت کہوں اور اس باھمن کو ڈھول چھکڑ کروں ۔ وھی مرد عجمی اپنی زبان میں مانع ھؤا کہ " خبردار ھرگز دم مت مار ، اگر کچھ بھی بولا تو اسی وقت تجھے جلا دیں گے ۔ خیر جو تیری قسمت میں تھا ، سو ھؤا ۔ اب خدا کے کرم سے آمیدوار رہ ۔ شاید ، اللہ تجھے یہاں سے جیتا نکالے ۔"

" ' آخر سب ، مجھے تن تنہا چھوڑ کر ، اُس حصار سے باھر نکلے اور دروازہ پھر مقفل کر دیا ۔ اُس وقت ، میں اپنی تنہائی اور بے بسی پر بے اختیار رویا اور اُس عورت کی لوتھ پر لاتیں مارنے لگا کہ " اے مردار ، اگر تجھے جنتے ھی مر جانا تھا ، بیاہ کاھے کو کیا تھا اور پیٹ سے کیوں ھوئی تھی ؟" مار مور کر پھر چپکا بیٹھا ۔ اس میں ، دن چڑھا اور دھوپ گرم ھوئی ۔ سر کا بھیجا پکنے لگا ، اور تعفن کے مارے روح نکلنے لگی ۔ جیدھر دیکھتا ھوں ، مردوں کی ھڈیاں اور صندوق جواھر کے ڈھیر لگے ھیں ۔ تب ، کئی صندوق پرانے لے کر ، نیچے اوپر رکھے کہ دن کو دھوپ سے اور رات کو اوس سے بچاؤ ھو ۔ اب پانی کی تلاش کرنے لگا ، ایک طرف جھرنا سا دیکھا کہ قلعے کی دیوار میں ، پتھر کا ترشا ھؤا ، گھڑے کے منہ کے موافق ھے ۔ بارے کئی دن ، اُس پانی اور کھانے سے زندگی ھوئی ۔

" ' آخر آذوقہ تمام ھؤا ۔ میں گھبرایا اور خدا کی جناب میں فریاد کی ۔ وہ ایسا کریم ھے کہ دروازہ کوٹ

کا کھلا اور ایک مردے کو لائے ۔ اس کے ساتھ ایک پیر مرد آیا ۔ جب اُسے بھی چھوڑ کر گئے ۔ یہ دل میں آیا کہ اس بوڑھے کو مار کر اس کے کھانے کا صندوق سب کا سب لے لے ۔ ایک صندوق کا پایہ ، ھاتھ میں لے کر ، اُس کے پاس گیا ۔ وہ بچارا ، سر زانوں پر دھرے ، حیران بیٹھا تھا ۔ میں نے ، پیچھے سے آ کر ، اُس کے سر میں ایسا مارا کہ سر پھٹ کر مغز کا گودا نکل پڑا اور فی الفور جان بحق تسلیم ھؤا ۔ اُس کا آذوقہ لے کر میں کھانے لگا ۔ مدت تلک یہی میرا کام تھا کہ جو زندہ مردے کے ساتھ آتا ۔ اُسے میں مار ڈالتا اور کھانے کا اسباب لے کر بہ فراغت کھاتا ۔

”بعد کتنی مدت کے ایک مرتبہ ، ایک لڑکی تابوت کے همراہ آئی ۔ نہایت قبول صورت ۔ میرے دل نے نہ چاھا کہ اُسے بھی ماروں ۔ اُن نے مجھے دیکھا اور مارے ڈر کے بے ہوش ہو گئی ۔ میں ، اُس کا بھی آذوقہ اُٹھا کر اپنے پاس لے آیا ۔ لیکن اکیلا نہ کھاتا ۔ جب بھوک لگتی اُس کے نزدیک لے جاتا اور ساتھ مل کر کھاتا ۔ جب اُس عورت نے دیکھا کہ مجھے یہ شخص نہیں ستاتا ، دن بہ دن اُس کی وحشت کم ہوئی اور رام ہوتی چلی ۔ میرے مکان میں آنے جانے لگی ۔ ایک روز اُس کا احوال پوچھا کہ ”تو کون ہے؟“ اُس نے جواب دیا کہ ”میں بادشاہ کے وکیل مطلق کی بیٹی ہوں ۔ اپنے چچا کے بیٹے سے منسوب ہوئی تھی ۔ شب عروسی کے دن ، اُسے قولنج ھؤا ۔ ایسا درد سے تڑپھنے لگا کہ ایک آن کی آن میں مر گیا ۔ مجھے اُس کے

تابوت کے ساتھ لا کر یہاں چھوڑ گئے ہیں ۔" تب اس نے میرا احوال پوچھا میں نے بھی تمام و کمال بیان کیا اور کہا " خدا نے تجھے ، میری خاطر یہاں بھیجا ہے ۔" وہ مسکرا کر چپکی ہو رہی ۔

" ' اسی طرح ، کئی دن میں، آپس میں محبت زیادہ ہو گئی ۔ میں نے اسے، ارکان مسلمانی کے سکھا کر، کلمہ پڑھایا۔ اور متعہ کر کر ، صحبت کی ۔ وہ بھی حاملہ ہوئی ۔ ایک بیٹا پیدا ہؤا ۔ قریب تین برس کے ، اسی صورت سے گزری ۔ جب لڑکے کا دودھ بڑھایا ، ایک روز بی بی سے کہا کہ " یہاں کب تلک رہیں گے ، اور کس طرح یہاں سے نکلیں گے ؟" وہ بولی " خدا نکالے تو نکلیں ۔ نہیں تو ایک روز یونہی مر جائیں گے ۔" مجھے اس کے کہنے پر ، اور اپنے رہنے پر ، کمال رقت آئی ۔ روتے روتے سو گیا ۔ ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے " پرنالے کی راہ سے نکلنا ہے ، تو نکل!" میں مارے خوشی کے چونک پڑا اور جورو کو کہا کہ " لوہے کی میخیں اور سیخیں ، جو پرانے صندوقوں میں ہیں ، جمع کر کے لے آؤ ، تو اس کو کشادہ کروں ۔" غرض میں ، اس موری کے منہ پر میخ رکھ کر، پتھروں سے ایسا ٹھونکتا کہ تھک جاتا ۔ ایک برس کی محنت میں وہ سوراخ اتنا بڑا ہؤا کہ آدمی نکل سکے ۔

" 'بعد اس کے ، مردوں کی آستینوں میں ، اچھے اچھے جواہر چن کر بھرے ، اور ساتھ لے کر اسی راہ سے ، ہم تینوں نکلے ۔ خدا کا شکر کیا اور بیٹے کو کاندھے پر بٹھا لیا ۔ ایک مہینہ ہؤا ہے کہ سرراہ چھوڑ کر ، مارے

ڈر کے جنگل پہاڑوں کی راہ سے، چلا آتا ہوں - جب گرسنگی ہوتی ہے گھاس پات کھاتا ہوں ، قوت بات کہنے کی مجھ میں نہیں - یہ میری حقیقت ہے جو تم نے سنی -'

" پادشاہ سلامت! میں نے اُس کی حالت پر ترس کھایا اور حمام کروا کر ، اچھا لباس پہنوایا اور اپنا نائب بنایا - اور میرے گھر میں ، ملکہ سے کئی لڑکے پیدا ہوئے لیکن خرد سالی میں مر مر گئے- ایک بیٹا پانچ برس کا ہو کر مؤا ، اُس کے غم میں ملکہ نے بھی وفات پائی - مجھے کمال غم ہؤا اور وہ ملک ، بغیر اُس کے، کاٹنے لگا - دل اُداس ہوگیا ، ارادہ عجم کا کیا - بادشاہ سے عرض کر کر ، خدمت شاہ بندری کی ، اُس جوان کو دلوا دی - اس عرصے میں بادشاہ بھی مر گیا - میں اس وفادار کتے کو ، اور سب مال خزانہ ، جواھر ساتھ لے کر نیشاپور میں آ رہا ، اس واسطے کہ میرے بھائیوں کے احوال سے کوئی واقف نہ ہووے - میں خواجۂ سگ پرست مشہور ہؤا - اور اس بدنامی میں، دگنا محصول ، آج تک پادشاہ ایران کی سرکار میں بھرتا ہوں - اتفاقاً یہ سوداگر بچہ وہاں گیا ، اُس کے وسیلے سے جہاں پناہ کا قدم بوس کیا -"

میں نے پوچھا " کیا یہ تمھارا فرزند نہیں ؟" خواجہ نے جواب دیا " قبلۂ عالم ! یہ میرا بیٹا نہیں - آپ ہی کی رعیت ہے - لیکن اب میرا مالک اور وارث ، جو کچھ کہیے ، سو یہی ہے -" یہ سن کر سوداگر بچے سے میں نے پوچھا کہ " تو کس تاجر کا لڑکا ہے اور تیرے ماں باپ کہاں رہتے ہیں ؟" اُس لڑکے نے زمین چومی

اور جان کی اماں مانگی اور بولا کہ '' یہ لونڈی سرکار کے وزیر کی بیٹی ہے ۔ میرا باپ ، حضور کے عتاب میں ، بہ سبب اسی خواجہ کے لعلوں کے ، پڑا ۔ اور حکم یوں ہؤا کہ اگر ایک سال تک ، اُس کی بات کرسی نشیں نہ ہو گی تو جان سے مارا جاوے گا ۔ میں نے سن کر ، یہ بھیس بنایا اور اپنے تئیں نیشاپور پہنچایا ۔ خدا نے ، خواجہ کو بمعہ کتے اور لعلوں کے ، حضور میں حاضر کر دیا ۔ آپ نے تمام احوال سن لیا ، اُمیدوار ہوں کہ میرے بوڑھے باپ کی مخلصی ہو ۔''

یہ بیان وزیرزادی سے سن کر ، خواجہ نے ایک آہ کی اور بے اختیار گر پڑا ۔ جب گلاب اُس پر چھڑکا گیا تب ہوش میں آیا اور بولا '' ہائے کم بختی ! اتنی دور سے ، یہ رنج و محنت کھینچ کر ، میں اس توقع پر آیا تھا کہ اس سوداگر بچے کو متبنیٰ کر کر ، اپنا فرزند کروں گا اور اپنے مال و متاع کا ، اس کو ہبہ نامہ لکھ دوں گا ، تو میرا نام رہے گا اور سارا عالم ، اسے خواجہ زادہ کہے گا ۔ سو میرا خیال خام ہؤا اور بالعکس کام ہؤا ۔ ان نے عورت ہو کر ، مجھ مرد پیر کو خراب کیا ۔ میں رنڈی کے چرتر میں پڑا ، اب میری وہ کہاوت ہوئی : گھر میں رہے نہ تیرتھ گئے ، مونڈ منڈا فضیحت بھئے ۔''

القصہ مجھے ، اُس کی بے قراری اور نالہ و زاری پر ، رحم آیا ۔ خواجہ کو نزدیک بلایا اور کان میں مژدہ ، اس کے وصل کا سنایا کہ ''غمگین مت ہو ۔ اُسی سے تیری شادی کر دیں گے ۔ خدا چاہے تو اولاد تیری ہو گی اور یہی

تیری مالک ہو گی ۔" اس خوش خبری کے سننے سے ، فی الجملہ ، اُس کو تسلی ہوئی تب میں نے کہا کہ "وزیر زادی کو محل میں لے جاؤ ۔ اور وزیر کو پنڈت خانے سے لے آؤ اور حمام میں نہلاؤ اور خلعت سرفرازی کی پہناؤ اور جلدی میرے پاس لاؤ ۔" جس وقت وزیر آیا ، لب فرش تک ، اُس کا استقبال فرمایا اور اپنا بزرگ جان کر گلے لگایا اور نئے سر سے ، قلمدان وزارت کا ، عنایت فرمایا اور خواجہ کو بھی جاگیر و منصب دیا اور ساعت سعید دیکھ کر ، وزیرزادی سے نکاح پڑھوا کر منسوب کیا ۔ کئی سال میں دو بیٹے ، اور ایک بیٹی اُس کے گھر میں پیدا ہوئی ۔ چنانچہ بڑا بیٹا ملک التجار ہے ، اور چھوٹا ہماری سرکار کا مختار ہے ۔

اے درویشو ! میں نے اس لئے یہ نقل تمھارے سامنے کی کہ کل رات ، دو فقیروں کی سرگزشت میں نے سنی تھی ۔ اب تم دونوں بھی ، جو باقی رہے ہو ، یہ سمجھو کہ ہم اُسی مکان میں بیٹھے ہیں اور مجھے اپنا خادم ، اور اس گھر کو اپنا تکیہ جانو ۔ بے وسواس ، اپنی اپنی سیر کا احوال کہو اور چندے ، میرے پاس رہو ۔

جب فقیروں نے ، پادشاہ کی طرف سے ، بہت خاطرداری دیکھی کہنے لگے "خیر ، جب تم نے گداؤں سے اُلفت کی ، تو ہم دونوں بھی اپنا ماجرا بیان کرتے ہیں ، سنیے ۔"

سیر تیسری درویش کی

تیسرا درویش کوٹ باندھ بیٹھا اور اپنی سیر کا بیان اس طرح سے کرنے لگا :

احوال اس فقیر کا ، اے دوستاں ، سنو !
یعنی جو مجھ پہ بیتی ہے وہ داستاں سنو !
جو کچھ کہ شاہ عشق نے مجھ سے کیا سلوک
تفصیل وار کرتا ہوں اُس کا بیاں ، سنو !

کہ یہ کمترین ، پادشاہ زادہ عجم کا ہے ۔ میرے ولی نعمت ، وہاں کے پادشاہ تھے اور سوائے میرے ، کوئی فرزند نہ رکھتے تھے ۔ میں ، جوانی کے عالم میں ، مصاحبوں کے ساتھ چوپڑ ، گنجیفہ ، شطرنج ، تختہ نرد کھیلا کرتا ، یا سوار ہو کر سیر و شکار میں مشغول رہتا ۔ ایک دن کا یہ ماجرا ہے کہ سواری تیار کروا کر ، اور سب یار آشناؤں کو لے کر ، میدان کی طرف نکلا ۔ باز ، بہری ، جرہ ، باشا ، سرخاب اور تیتروں پر اُڑاتا ہؤا ، دور نکل گیا ۔ عجب طرح کا ، ایک قطعہ بہار کا ، نظر آیا کہ جیدھر نگاہ جاتی تھی ، کوسوں تلک سبز ، اور پھولوں سے لعل ، زمیں نظر آتی تھی ۔ یہ سماں دیکھ کر ، گھوڑوں کی باگیں ڈال دیاں ، اور قدم قدم سیر کرتے ہوئے چلے جاتے تھے ۔ ناگاہ اُس صحرا میں دیکھا کہ ایک کالا ہرن ، اُس پر زربفت کی جھول ، اور بھنور کلی مرصع کی ، اور گھونگرو

سونے کے ، زردوزی پٹے میں ٹکے ہوئے، گلے میں پڑے ، خاطر جمع سے اُس میدان میں (کہ جہاں انسان کا دخل نہیں اور پرندہ پر نہیں مارتا) چرتا پھرتا ہے ۔ ہمارے گھوڑوں کے سم کی آہٹ پا کر ، چوکنا ہؤا اور سر اُٹھا کر دیکھا اور آہستہ آہستہ چلا ۔

مجھے اُس کے دیکھنے سے یہ شوق ہؤا کہ رفیقوں سے کہا کہ " تم یہیں کھڑے رہو ، میں اسے جیتا پکڑوں گا ۔ خبردار ، تم قدم آگے نہ بڑھائیو اور میرے پیچھے نہ آئیو ۔" اور گھوڑا ، میری رانوں تلے ، ایسا پرند تھا کہ بارہا ہرنوں کے اوپر دوڑا کر ، اُن کی کڑچھالوں کو بھلا کر ، ہاتھوں سے پکڑ پکڑ لئے تھے ، اس کے عقب دوڑایا ۔ وہ دیکھ کر چھلانگیں بھرنے لگا ، اور ہوا ہؤا ۔ گھوڑا بھی باد سے باتیں کرتا تھا ، لیکن اُس کی گرد کو نہ پہنچا ۔ وہ رہوار بھی پسینے پسینے ہو گیا ، اور میری بھی جیبھ ، مارے پیاس کے ، چٹخنے لگی ۔ پر کچھ بس نہ چلا ۔ شام ہونے لگی ۔ اور میں کیا جانوں ، کہاں سے کہاں نکل آیا ؟ لاچار ہو کر اُسے بھلاوا دیا اور ترکش میں سے تیر نکال کر ، اور قربان سے کمان سنبھال کر ، چلّے میں جوڑ کر ، کشش کان تک لا کر ، ران کو اُس کی تاک ، اللہ اکبر کہہ کر مارا ۔ بارے پہلا ہی تیر اُس کے پاؤں میں ترازو ہؤا ۔ تب لنگڑاتا ہؤا پہاڑ کے دامن کی سمت چلا ۔ فقیر بھی گھوڑے پر سے اُتر پڑا اور پا پیادہ ، اُس کے پیچھے لگا ۔ اُس نے کوہ کا ارادہ کیا اور میں نے بھی اُس کا ساتھ دیا ۔ کئی

آتار چڑھاؤ کے بعد ایک گنبذ نظر آیا ۔ جب پاس پہنچا ، ایک باغچہ اور ایک چشمہ دیکھا ۔ وہ ہرن تو نظروں سے چھلاوا ہو گیا ۔ میں نہایت تھکا تھا ، ہاتھ پاؤں دھونے لگا ۔

ایک بارگی ، آواز رونے کی ، اس برج کے اندر سے ، میرے کان میں آئی ۔ جیسے کوئی کہتا ہے کہ " اے بچے ! جس نے تجھے تیر مارا ، میری آہ کا تیر اس کے کلیجے میں لگیو ، وہ اپنی جوانی سے پھل نہ پاوے اور خدا اس کو میرا سا دکھیا بناوے ! " میں یہ سن کر وہاں گیا ۔ دیکھا تو ایک بزرگ ، ریش سفید ، اچھی پوشاک پہنے ، ایک مسند پر بیٹھا ہے اور ہرن آگے لیٹا ہے ۔ اس کی جانگھ سے تیر کھینچتا ہے اور بددعا دیتا ہے ۔ میں نے سلام کیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ " حضرت سلامت ! یہ تقصیر ، نادانستہ ، اس غلام سے ہوئی ۔ میں یہ نہ جانتا تھا ۔ خدا کے واسطے معاف کرو ۔ " بولا کہ " بے زبان کو تو نے ستایا ہے ۔ اگر آن جان ، یہ حرکت تجھ سے ہوئی ، اللہ معاف کرے گا ۔ " میں پاس جا بیٹھا اور تیر نکالنے میں شریک ہؤا ۔ بڑی دقت سے تیر کو نکالا اور زخم میں مرہم بھر کر چھوڑ دیا ۔ پھر ہاتھ دھو کر ، اس پیر مرد نے کچھ حاضری ، جو اس وقت موجود تھی ، مجھے کھلائی ۔ میں نے کھا پی کر ایک چارپائی پر لمبی تانی ۔

ماندگی کے سبب ، خوب پیٹ بھر کر ، سویا ۔ اس نیند میں ، آواز نوحہ و زاری کی ، کان میں آئی ۔ آنکھیں مل کر جو دیکھتا ہوں تو اس مکان میں ، نہ وہ بوڑھا ہے نہ

کوئی اور ہے ۔ اکیلا میں پلنگ پر لیٹا ہوں اور وہ دالان خالی پڑا ہے ۔ چاروں طرف بھیانک ہو کر دیکھنے لگا ۔ ایک کونے میں پردہ پڑا نظر آیا ۔ وہاں جا کر اُسے اُٹھایا ، دیکھا تو ایک تخت بچھا ہے اور اُس پر ایک پری زاد عورت ، برس چودہ ایک کی ، مہتاب کی سی صورت ، اور زلفیں دونوں طرف چھوٹی ہوئیں ، ہنستا چہرہ ، فرنگی لباس پہنے ہوئے ، عجب ادا سے دیکھتی ہے اور بیٹھی ہے ۔ اور بزرگ اپنا سر ، اُس کے پاؤں پر دھرے ، بے اختیار رو رہا ہے اور ہوش حواس کھو رہا ہے ۔ میں اُس پیر مرد کا یہ احوال اور اُس نازنین کا حسن و جمال دیکھ کر مرجھا گیا اور مردے کی طرح بے جان ہو کر گر پڑا ۔ وہ مرد بزرگ ، یہ میرا حال دیکھ کر ، شیشہ گلاب کا لے آیا اور مجھ پر چھڑکنے لگا ۔ جب میں چیتا ، اُٹھ کر اُس معشوق کے مقابل جا کر سلام کیا ۔ اُس نے ہرگز نہ ہاتھ اُٹھایا اور نہ ہونٹ ہلایا ۔ میں نے کہا "اے گل بدن ، اتنا غرور کرنا اور جواب سلام کا نہ دینا ، کس مذہب میں درست ہے ؟

کم بولنا ادا ہے ، ہر چند ، پر نہ اتنا
مند جائے چشم عاشق ، تو بھی وہ منہ نہ کھولے

واسطے اُس خدا کے ، جس نے تجھے بنایا ہے ، کچھ تو منہ سے بول ۔ ہم بھی اتفاقاً ، یہاں آ نکلے ہیں ۔ مہمان کی خاطر ضرور ہے ۔" میں نے بہتیری باتیں بنائیں لیکن کچھ کام نہ آئیں ۔ وہ چپکے ، بت کی طرح بیٹھے ، سنا کی ۔ تب میں نے بھی آگے بڑھ کر ہاتھ ، پاؤں پر چلایا ۔ جب پاؤں

کو چھیڑا تو سخت معلوم ہؤا ۔ آخر یہ دریافت کیا کہ پتھر سے اس لعل کو تراشا ہے ، اور آذر نے اس بت کو بنایا ہے ۔ تب اُس پیر مرد بت‌پرست سے پوچھا کہ " میں نے تیرے ہرن کی ٹانگ میں کھپرا مارا ۔ تو نے اس عشق کی ناوک سے میرا کلیجہ چھید کر وار پار کیا ۔ تیری دعا قبول ہوئی ۔ اب اس کی کیفیت مفصل بیان کر کہ یہ طلسم کیوں بنایا ہے اور تو نے ، بستی کو چھوڑ کر ، جنگل پہاڑ کیوں بسایا ہے ؟ تجھ پر جو کچھ بیتا ہے مجھ سے کہہ ۔"

جب اُس کا بہت پیچھا لیا ، تب اُس نے جواب دیا کہ "اس بات نے مجھے تو خراب کیا ، کیا تو بھی سن کر ہلاک ہؤا چاہتا ہے ؟" میں نے کہا " لو ، اب بہت مکر چکر کیا ، مطلب کی بات کہو۔ نہیں مار ڈالوں گا ۔" مجھے نہایت درپے دیکھ کر بولا " اے جوان ! حق تعالیٰ ، ہر ایک انسان کو ، عشق کی آنچ سے محفوظ رکھے ! دیکھ تو ، اس عشق نے کیا کیا آفتیں برپا کی ہیں ! عشق ہی کے مارے عورت ، خاوند کے ساتھ ستی ہوتی ہے اور اپنی جان کھوتی ہے ۔ اور فرہاد و مجنوں کا قصہ سب کو معلوم ہے ۔ تو اُس کے سننے سے ، کیا پھل پاوے گا ؟ نا حق گھر بار ، دولت دنیا ، چھوڑ چھاڑ کر نکل جاوے گا ؟" میں نے جواب دیا " بس اپنی دوستی تہ کر رکھو ۔ اس وقت مجھے اپنا دشمن سمجھو ۔ اگر جان عزیز ہے تو صاف کہو ۔" لاچار ہو کر آنسو بھر لایا اور کہنے لگا کہ " مجھ خانہ خراب کی یہ حقیقت ہے کہ بندے کا نام

نعمان سیاح ہے ۔ میں بڑا سوداگر تھا ۔ اس سن میں ، تجارت کے سبب ، ہفت اقلیم کی سیر کی اور سب پادشاہوں کی خدمت میں رسائی ہوئی ۔

" ایک بار یہ خیال جی میں آیا کہ چاروں دانگ ملک تو پھرا لیکن جزیرہ فرنگ کی طرف نہ گیا اور وہاں کے پادشاہ کو ، اور رعیت و سپاہ کو ، نہ دیکھا اور رسم و راہ وہاں کی ، کچھ نہ دریافت ہوئی ۔ ایک دفعہ وہاں بھی چلا چاہیے ۔ رفیقوں اور شفیقوں سے صلاح لے کر ارادہ مصمم کیا اور تحفہ ہدیہ ، جہاں تہاں کا ، جو وہاں کے لائق تھا ، لیا اور ایک قافلہ سوداگروں کا اکٹھا کر کر ، جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہؤا ۔ ہوا جو موافق پائی ، کئی مہینوں میں اس ملک میں جا داخل ہؤا ۔ شہر میں ڈیرا کیا ۔ عجب شہر دیکھا کہ کوئی شہر اس شہر کی خوبی کو نہیں پہنچتا ۔ ہر ایک بازار و کوچے میں ، پختہ سڑکیں بنی ہوئیں اور چھڑکاؤ کیا ہؤا ۔ صفائی ایسی ، کہ ایک تنکا کہیں پڑا نظر نہ آیا ، کوڑے کا تو کیا ذکر ہے ۔ اور عمارتیں رنگ برنگ کی ۔ اور رات کو رستوں میں ، دو رستہ ، قدم بہ قدم روشنی ، اور شہر کے باہر باغات کہ جن میں عجائب گل بوٹے اور میوے نظر آئے کہ شاید سوائے بہشت کے ، کہیں اور نہ ہوں گے ۔ جو وہاں کی تعریف کروں ، سو بجا ہے ۔

" غرض سوداگروں کے آنے کا چرچا ہؤا ۔ ایک خواجہ‌سرا معتبر ، سوار ہو کر ، اور کئی خدمت گار ساتھ لے کر ، قافلے میں آیا اور بیوپاریوں سے پوچھا کہ ' تمہارا

سردار کون سا ہے ؟' سبھوں نے میری طرف اشارت کی ۔
وہ محلی ، میرے مکان میں آیا ۔ میں تعظیم بجا لایا ، باہم
سلام علیک ہوئی ۔ اُس کو سوزنی پر بٹھایا ، تکیے کی تواضع
کی ۔ بعد اس کے ، میں نے پوچھا کہ ' صاحب کے تشریف
لانے کا کیا باعث ہے؟ فرمائیے۔' جواب دیا کہ 'شہزادی
نے سنا ہے کہ سوداگر آئے ہیں اور بہت جنس لائے ہیں ۔
لہٰذا ، مجھ کو حکم کیا کہ جا کر اُن کو حضور میں
لے آؤ ۔ پس تم جو کچھ اسباب ، لائق پادشاہوں کی سرکار
کے ہو ، سارے لے کر چلو اور سعادت ، آستانہ بوسی کی ،
حاصل کرو ۔'

" میں نے جواب دیا کہ ' آج تو ماندگی کے باعث
قاصر ہوں ۔ کل جان و مال سے حاضر ہوں ۔ جو کچھ اس
عاجز کے پاس موجود ہے، نذر گزرانوں گا ۔ جو پسند آوے ،
مال سرکار کا ہے ۔' یہ وعدہ کر کر ، اور عطر و پان دے
کر ، خواجہ کو رخصت کیا اور شب سوداگروں کو اپنے
پاس بلا کر ، جو جو تحفہ جس کے پاس تھا ، لے لے کر
جمع کیا اور جو میرے گھر میں تھا ، وہ بھی لے لیا اور
صبح کے وقت دروازے پر ، پادشاہی محل کے ، حاضر ہوا ۔
بارے ، دروان نے میری خبر عرض کی ۔ حکم ہوا کہ حضور
میں لاؤ ۔ وہی خواجہ سرا نکلا اور میرا ہاتھ ، ہاتھ میں
لے کر ، دوستی کی راہ سے ، باتیں کرتا ہوا لے چلا ۔ پہلے ،
خواص پورے سے ہو کر ، ایک مکان عالی شان میں لے
گیا ۔ اے عزیز ، تو باور نہ کرے گا ، یہ عالم نظر آیا
گویا پرکاٹ کر ، پریوں کو چھوڑ دیا ہے ۔ جس طرف

دیکھتا تھا نگاہ گڑ جاتی تھی ۔ پاؤں زمین سے آ کھڑے جاتے تھے ۔ بہ زور ، اپنے تئیں سنبھالتا ہؤا ، روبرو پہنچا ۔ جونہیں پادشاہ زادی پر نظر پڑی ، غش کی نوبت ہوئی اور ہاتھ پاؤں میں رعشہ ہو گیا ۔

" بہر صورت سلام کیا ۔ دونوں طرف ، دست راست اور دست چپ ، صف بہ صف ، نازنینان پری چہرہ ، دست بستہ کھڑی تھیں ۔ میں جو کچھ قسم ، جواہر اور پارچۂ پوشاکی اور تحفہ ، اپنے ساتھ لے گیا تھا ، جب کئی کشتیاں حضور میں چنی گئیں (از بسکہ سب جنس لائق پسند کے تھی) خوش ہو کر خانساماں کے حوالے ہوئے اور فرمایا کہ ' قیمت اس کی ، بہ موجب فرد کے ، کل دی جائے گی ۔' میں تسلیمات بجا لایا اور دل میں خوش ہؤا کہ اس بہانے سے بھلا کل بھی آنا ہو گا ۔ جب رخصت ہو کر باہر آیا تو سودائی کی طرح کہتا کچھ تھا اور منہ سے نکلتا کچھ تھا ۔ اسی طرح سرا میں آیا لیکن حواس بجا نہ تھے ۔ سب آشنا دوست پوچھنے لگے کہ ' تمھاری کیا حالت ہے ؟' میں نے کہا ' اتنی آمد و رفت سے گرمی دماغ میں چڑھ گئی ہے ۔'

" غرض وہ رات تلپھتے کاٹی ۔ فجر کو پھر جا کر حاضر ہؤا اور اسی خواجہ کے ساتھ پھر محل میں پہنچا ۔ وہی عالم ، جو کل دیکھا تھا ، دیکھا ۔ پادشاہ زادی نے مجھے دیکھا اور ہر ایک کو ، اپنے اپنے کام پر ، رخصت کیا ۔ جب پرچھا ہؤا ، خلوت میں آٹھ گئیں اور مجھے طلب کیا ۔ میں وہاں گیا ، بیٹھنے کا حکم کیا ۔ میں آداب بجا

لا کر بیٹھا ۔ فرمایا کہ ' یہاں جو تو آیا اور یہ اسباب لایا ، اس میں منافع کتنا منظور ہے ؟' میں نے عرض کی کہ ' آپ کے قدم دیکھنے کی بڑی خواہش تھی ۔ سو خدا نے میسر کی ۔ اب میں نے سب کچھ بھر پایا اور دونوں جہان کی سعادت حاصل ہوئی اور قیمت جو کچھ فہرست میں ہے ، نصف کی خرید ہے اور نصف نفع ہے ۔' فرمایا ' نہیں ۔ جو قیمت تو نے لکھی ہے وہ عنایت ہوگی ۔ بلکہ اور بھی انعام دیا جائے گا ۔ بشرطیکہ ایک کام تجھ سے ہو سکے ، تو حکم کروں ۔'

میں نے کہا کہ ' غلام کا جان و مال ، اگر سرکار کے کام آوے ، تو میں اپنے طالعوں کی خوبی سمجھوں اور آنکھوں سے کروں ۔' یہ سن کر قلمدان یاد فرمایا ایک شقہ لکھا اور موتیوں کے دلمیان میں رکھ کر ، ایک رومال شبنم کا ، اوپر لپیٹ کر ، میرے حوالے کیا اور ایک انگوٹھی ، نشان کے واسطے ، انگلی سے اتار دی اور کہا کہ ' اس طرف کو ایک بڑا باغ ہے ۔ دلکشا اس کا نام ہے ، وہاں تو جا کر ، ایک شخص کیخسرو نام داروغہ ہے ۔ اس کے ہاتھ میں یہ انگشتری دیجو اور ہماری طرف سے دعا کہیو اور اس رقعے کا جواب مانگیو ۔ لیکن جلد آئیو ۔ اگر کھانا وہاں کھائیو تو پانی یہاں پیجو ۔ اس کام کا انعام ، تجھے ایسا دوں گی کہ تو دیکھے گا ۔' میں رخصت ہؤا اور پوچھتا پوچھتا چلا ۔ قریب دو کوس کے جب گیا ، وہ باغ نظر پڑا ۔ جب پاس پہنچا ، ایک عزیز مسلح ، مجھ کو پکڑ کے ، دروازے میں باغ کے لے گیا ۔

دیکھوں تو ایک جوان ۔ شیر کی سی صورت ، سونے کی کرسی پر ، زرۂ داودی پہنے ، چار آئینہ باندھے ، فولادی خود سر پر دھرے ، نہایت شان و شوکت سے بیٹھا ہے اور پان سَے جوان ، تیار ، ڈھال تلوار ھاتھ میں لئے اور ترکش کمان باندھے ، مستعد ، پرا باندھے کھڑے ھیں ۔

" میں نے سلام کیا ، مجھے نزدیک بلایا ۔ میں نے وہ خاتم دی اور خوشامد کی باتیں کر کر ، وہ رومال دکھایا اور شقے کے بھی لانے کا احوال کہا ۔ اُس نے سنتے ھی اُنگلی دانتوں سے کاٹی اور سر دھن کر بولا کہ 'شاید تیری اجل تجھ کو لے آئی ھے ۔ خیر باغ کے اندر جا ۔ سرو کے درخت میں ، ایک آھنی پنجرہ لٹکتا ھے ، اُس میں ایک جوان قید ھے ، اُس کو یہ خط دے کر جواب لے کر جلدی پھر آ ۔' میں شتاب باغ میں گھسا ۔ باغ کیا تھا گویا جیتے جی بہشت میں گیا ۔ ایک ایک چمن ، رنگ برنگ کا ، پھول رھا تھا اور فوارے چھوٹ رھے تھے ۔ جانور چہچہے مار رھے تھے ۔ میں سیدھا چلا گیا اور اُس درخت میں وہ قفص دیکھا ۔ اُس میں ایک جوان حسین نظر آیا ۔ میں نے ادب سے سر نہوڑایا اور سلام کیا ۔ اور وہ خریطۂ سر بمہر ، پنجرے کی تیلیوں کی راہ سے ، دیا ۔ وہ عزیز رقعہ کھول کر پڑھنے لگا اور مجھ سے ، مشتاق وار ، احوال ملکہ کا پوچھنے لگا ۔

" ابھی باتیں تمام نہ ھوئیں تھیں کہ ایک فوج زنگیوں کی نمود ھوئی اور چاروں طرف سے مجھ پر آ ٹوٹی ۔ اور بے تحاشا برچھی و تلوار مارنے لگی ۔ ایک آدمی نہتے

کی بساط کیا ؟ ایک دم میں چور ، زخمی کر دیا ۔ مجھے کچھ اپنی سدھ بدھ نہ رہی ۔ پھر جو ہوش آیا ، اپنے تئیں چارپائی پر پایا کہ دو پیادے اٹھائے لئے جاتے ہیں اور آپس میں بتیاتے ہیں ۔ ایک نے کہا ' اس مردے کی لوتھ کو میدان میں پھینک دو ۔ کتے کوے کھائیں گے ۔' دوسرا بولا ' اگر پادشاہ تحقیق کرے ، اور یہ خبر پہنچے ، تو جیتا گڑوا دے اور بال بچوں کو کولھو میں پڑوا دے ۔ کیا ہمیں اپنی جان بھاری پڑی ہے ، جو ایسی نامعقول حرکت کریں ؟'

" میں نے یہ گفتگو سن کر، دونوں یاجوج ماجوج سے کہا کہ ' واسطے خدا کے مجھ پر رحم کرو ، ابھی مجھ میں ایک رمق جان باقی ہے ۔ جب مر جاؤں گا جو تمھارا جی چاہے گا سو کیجو ۔ مردہ بہ دست زندہ ۔ لیکن یہ تو کہو مجھ پر یہ کیا حقیقت بیتی؟ مجھے کیوں مارا ؟ اور تم کون ہو ؟ بھلا اتنا تو کہہ سناؤ ۔' تب انھوں نے رحم کھا کر کہا کہ ' وہ جوان جو قفص میں بند ہے ، اس پادشاہ کا بھتیجا ہے اور پہلے اس کا باپ تخت نشین تھا ۔ رحلت کے وقت یہ وصیت اپنے بھائی کو کی کہ " ابھی میرا بیٹا جو وارث اس سلطنت کا ہے ، لڑکا اور بے شعور ہے ۔ کاروبار پادشاہت کا ، خیر خواہی اور ہوشیاری سے ، تم کیا کیجو ۔ جب یہ بالغ ہو اپنی بیٹی سے شادی اس کی ، کر دیجو ، اور مختار تمام ملک اور خزانے کا کیجو ۔" یہ کہہ کر انھوں نے وفات پائی اور سلطنت کی نوبت چھوٹے بھائی پر آئی ۔ اس نے وصیت پر عمل نہ کیا بلکہ دیوانہ اور

سودائی مشہور کر کے پنجرے میں ڈال دیا۔ اور چوکی گاڑھی، چاروں طرف باغ کے، رکھی ہے کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا اور کئی مرتبے زہر ہلاہل دیا ہے، لیکن زندگی زبردست ہے، اثر نہیں کیا۔ اب وہ شہزادی اور یہ شہزادہ، دونوں، عاشق معشوق بن رہے ہیں۔ وہ گھر میں تلملے ہے اور یہ قفس میں تڑپھے ہے۔ تیرے ہاتھ، شوق کا نامہ اُس نے بھیجا۔ یہ خبر ہرکاروں نے، بہ جنس، پادشاہ کو پہنچائی۔ حبشیوں کا دستہ متعین ہؤا۔ تیرا یہ احوال کیا، اور اس جوان قیدی کے قتل کی، وزیر سے تدبیر پوچھی۔ اُس نمک حرام نے ملکہ کو راضی کیا ہے کہ اُس بے گناہ کو، پادشاہ کے حضور، اپنے ہاتھ سے شہزادی مار ڈالے۔'

" میں نے کہا 'چلو مرتے مرتے یہ بھی تماشا دیکھ لیں۔' آخر راضی ہوکر وہ دونوں، اور میں زخمی، چپکے ایک گوشے میں جا کر کھڑے ہوئے۔ دیکھا تو تخت پر پادشاہ بیٹھا ہے اور ملکہ کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے اور شہزادے کو پنجرے سے باہر نکال کر روبرو کھڑا کیا۔ ملکہ جلاد بن کر، شمشیر برہنہ لئے ہوئے، اپنے عاشق کو قتل کرنے کو آئی۔ جب نزدیک پہنچی تلوار پھینک دی اور گلے میں چمٹ گئی۔ تب وہ عاشق بولا کہ 'ایسے مرنے پر میں راضی ہوں۔ یہاں بھی تیری آرزو ہے، وہاں بھی تیری تمنا رہے گی۔' ملکہ بولی کہ 'اس بہانے سے میں تیرے دیکھنے کو آئی تھی۔' پادشاہ، یہ حرکت دیکھ کر، سخت برہم ہؤا اور وزیر کو ڈانٹا کہ

' تو یہ تماشا مجھے دکھلانے کو لایا تھا ؟' محلی ، ملکہ کو جدا کر کے ، محل میں لے گئے اور وزیر نے خفا ہو کر، تلوار اٹھائی اور پادشاہ زادے کے اوپر دوڑا کہ ایک ھی وار میں ، کام اس بچارے کا تمام کرے - جوں چاھتا ھے کہ تیغا چلاوے ، غیب سے ایک تیر ناگہانی ، اس کی پیشانی پر بیٹھا کہ دو سار ہو گیا اور وہ گر پڑا -

" پادشاہ یہ واردات دیکھ کر محل میں گھس گئے - جوان کو پھر ، قفص میں بند کر کر ، باغ میں لے گئے - میں بھی وھاں سے نکلا - راہ میں سے ایک آدمی ، مجھے بلا کر ، ملکہ کے حضور میں لے گیا - مجھے گھایل دیکھ کر ، ایک جراح کو بلوایا اور نہایت تقید سے فرمایا کہ ' اس جوان کو جلد چنگا کر کے ، غسل شفا کا دے - یہی تیرا مجرا ھے - اس کے اوپر تو جتنی محنت کرے گا ، ویسا ھی انعام اور سرفرازی پاوے گا -' غرض وہ جراح ، بہ موجب ارشاد ملکہ کے ، تگ و دو کر کے ، ایک چلّے میں نہلا دھلا ، مجھے حضور میں لے گیا - ملکہ نے پوچھا کہ ' اب تو کچھ کسر باقی نہیں رھی ؟' میں نے کہا کہ ' آپ کی توجہ سے اب ھٹا کٹا ھوں -' تب ملکہ نے ایک خلعت اور بہت سے روپے جو فرمائے تھے ، بلکہ اس سے بھی دو چند عطا کئے اور رخصت کیا -

" میں نے وھاں سے ، سب رفیق اور نوکر چاکروں کو لے کر ، کوچ کیا - جب اس مقام پر پہنچا ، سب کو کہا ' تم اپنے وطن کو جاؤ -' اور میں نے اس پہاڑ پر ، یہ مکان اور اس کی صورت بنا کر ، اپنا رھنا مقرر کیا -

اور نوکروں اور غلاموں کو ، موافق ہر ایک کی قدر کے ، روپے دے کر آزاد کیا اور یہ کہہ دیا کہ ' جب تلک میں جیتا رہوں ، میرے قوت کی خبر گیری تمھیں ضرور ہے ، آگے تم مختار ہو ۔' اب وہی اپنی نمک حلالی سے، میرے کھانے کی خبر لیتے ہیں اور میں، بہ خاطر جمع ، اس بت کی پرستش کرتا ہوں ۔ جب تلک جیتا ہوں ، میرا یہی کام ہے ۔ یہ میری سر گزشت ہے جو تو نے سنی ۔"

یا فقرا ! میں نے بہ مجرد سننے اس قصے کے ، کفنی گلے میں ڈالی اور فقیروں کا لباس کیا اور اشتیاق میں ، فرنگ کے ملک کے دیکھنے کے ، روانہ ہؤا ۔ کتنے ایک عرصے میں ، جنگل پہاڑوں کی سیر کرتا ہؤا ، مجنوں اور فرہاد کی صورت بن گیا ۔

آخر میرے شوق نے اس شہر تلک پہنچایا ۔ گلی کوچے میں باؤلا سا پھرنے لگا ۔ اکثر ، ملکہ کے محل کے آس پاس ، رہا کرتا ۔ لیکن کوئی ڈھب ایسا نہ ہوتا ، جو وہاں تلک رسائی ہو ۔ عجب حیرانی تھی کہ جس واسطے یہ محنت کشی کر کر گیا ، وہ مطلب ہاتھ نہ آیا ۔ ایک دن بازار میں کھڑا تھا کہ ایک بارگی آدمی بھاگنے لگے اور دکاندار ، دکانیں بند کر کے ، چلے گئے ۔ یا وہ رونق تھی یا سنسان ہوگیا ۔ ایک طرف سے ایک جوان ، رستم کا سا کلہ جبڑا ، شیر کی مانند گونجتا ، اور تلوار دو دستی جھاڑتا ہؤا ، زرہ بکتر گلے میں ، اور ٹوپ جھلم کا سر پر ، اور طمنچے کی جوڑی کمر میں ، کیفی کی طرح بکتاجھکتا نظر آیا ۔ اور اس کے پیچھے ، دو غلام ، بنات کی پوشاک پہنے ،

ایک تابوت مخمل کاشانی سے مڑھا ہؤا ، سر پر لئے چلے آتے ھیں ۔

میں نے یہ تماشا دیکھ کر ، ساتھ چلنے کا قصد کیا ۔ جو کوئی آدمی میری نظر پڑتا ، مجھے منع کرتا ۔ لیکن میں کب سنتا ھوں ؟ رفتہ رفتہ وہ جوان مرد ، ایک عالی شان مکان میں چلا ۔ میں بھی ساتھ ھؤا ۔ اُس نے پھرتے ھی چاھا کہ ایک ھاتھ مارے اور مجھے دو ٹکڑے کرے ۔ میں نے اُسے قسم دی کہ " میں بھی یہی چاھتا ھوں ۔ میں نے اپنا خون معاف کیا ۔ کسو طرح مجھے اس زندگی کے عذاب سے چھڑا دے کہ نہایت بتنگ آیا ھوں ۔ میں جان بوجھ کر تیرے سامنے آیا ھوں ، دیر مت کر ۔" مجھے مرنے پر ثابت قدم دیکھ کر ، خدا نے اُس کے دل میں رحم ڈالا اور غصہ بھی ٹھنڈا ھؤا ۔ بہت توجہ اور مہربانی سے پوچھا کہ " تو کون ھے اور کیوں اپنی زندگی سے بیزار ھؤا ھے ؟ "

میں نے کہا " ذرا بیٹھیے تو کہوں ۔ میرا قصہ بہت دور و دراز ھے اور عشق کے پنجے میں گرفتار ھوں ، اس سبب سے لاچار ھوں ۔" یہ سن کر اس نے اپنی کمر کھولی اور ھاتھ منہ دھو دھا کر کچھ ناشتہ ، کیا ۔ مجھے بھی باعث ھؤا ۔ جب فراغت کر کے بیٹھا ، بولا " کہہ ، تجھ پر کیا گزری ؟" میں نے سب واردات اُس پیر مرد کی ، اور ملکہ کی ، اور اپنے وھاں جانے کی کہہ سنائی ۔ پہلے سن کر رویا اور یہ کہا کہ " اس کم بخت نے کس کس کا گھر گھالا ۔ لیکن بھلا ، تیرا علاج میرے ھاتھ میں ھے ۔ اغلب ھے کہ اس عاصی

کے سبب سے ، تو اپنی مراد کو پہنچے ۔ اور تو اندیشہ نہ کر اور خاطر جمع رکھ ۔" حجام کو فرمایا کہ " اس کی حجامت کر کے ، حمام کروا دے ۔" ایک جوڑا کپڑا ، اُس کے غلام نے لا کر ، پہنایا ۔ تب مجھ سے کہنے لگا کہ " یہ تابوت جو تو نے دیکھا اُسی شہزادۂ مرحوم کا ہے جو قفص میں مقید تھا ۔ اُس کو ، دوسرے وزیر نے ، آخر مکر سے مارا ۔ اس کی تو نجات ہوئی کہ مظلوم مارا گیا ۔ میں اس کا کوکا ہوں ۔ میں نے بھی اس وزیر کو بہ ضرب شمشیر مارا اور پادشاہ کے مارنے کا ارادہ کیا ۔ پادشاہ گڑگڑایا اور سوگند کھانے لگا کہ ' میں بے گناہ ہوں ۔' میں نے اُسے نامرد جان کر چھوڑ دیا تب سے میرا کام یہی ہے کہ ہر مہینے کی نوچندی جمعرات کو ، میں اس تابوت کو اسی طرح ، شہر میں لئے پھرتا ہوں اور اس کا ماتم کرتا ہوں ۔"

اُس کی زبانی ، یہ احوال سننے سے مجھے تسلی ہوئی کہ اگر یہ چاہے گا تو میرا مقصد بر آوے گا ۔ خدا نے بڑا احسان کیا ، جو ایسے جنونی کو مجھ پر مہربان کیا ۔ سچ ہے ، خدا مہربان ہو تو کل مہربان ۔ جب شام ہوئی اور آفتاب غروب ہؤا ، اُس جوان نے تابوت کو نکالا اور ایک غلام کے عوض ، وہ تابوت میرے سر پر دھرا اور اپنے ساتھ لے کر چلا ۔ فرمانے لگا کہ " ملکہ کے نزدیک جاتا ہوں ، تیری سفارش تا بہ مقدور کروں گا ۔ تو ہرگز دم نہ ماریو ۔ چپکا بیٹھا ، سنا کیجو ۔" میں نے کہا " جو کچھ صاحب فرماتے ہیں ، سو ہی کروں گا ۔ خدا تم کو سلامت

رکھے ، جو میرے احوال پر ترس کھاتے ہو ۔" اس جوان نے قصد پادشاہی باغ کا، کیا ۔ جب اندر داخل ہؤا ، ایک چبوترہ سنگ مرمر کا ، ہشت پہلو، باغ کے صحن میں تھا اور اس پر ایک نمگیرہ ، سفید بادلے کا ، موتیوں کی جھالر لگی ہوئی ، الماس کے اِستادوں پر کھڑا تھا ، اور ایک مسند مغرق بچھی ہوئی تھی ۔ گاؤ تکیہ اور بغلی تکیے ، زربفت کے لگے ہوئے ۔ وہ تابوت وہاں رکھوایا اور ہم دونوں کو فرمایا کہ " اس درخت کے پاس جا کر بیٹھو۔"

بعد ایک ساعت کے ، مشعل کی روشنی نظر آئی ۔ ملکہ آپ ، کئی خواصیں پس و پیش اہتمام کرتی ہوئیں ، تشریف لائیں ۔ لیکن اداسی اور خفگی ، چہرے پر ظاہر تھی ۔ آ کر مسند پر بیٹھیں ۔ یہ کوکا ادب سے دست بستہ کھڑا رہا ۔ پھر ادب سے ، دور ، فرش کے کنارے ، مؤدب بیٹھا ۔ فاتحہ پڑھیں اور کچھ باتیں کرنے لگا ۔ میں کان لگائے سن رہا تھا ۔ آخر اس جوان نے کہا کہ "ملکۂ جہاں سلامت! ملک عجم کا شہزادہ ، آپ کی خوبیاں اور محبوبیاں ، غائبانہ سن کر ، اپنی سلطنت کو برباد دے ، فقیر بن ، مانند ابراہیم ادہم کے ، تباہ ہو ، اور بڑی محنت کھینچ کر ، یہاں تلک آپہنچا ہے ۔ سائیں تیرے کار نے ، چھوڑا شہر بلخ ۔ اور اس شہر میں بہت دنوں سے حیران پریشان پھرتا ہے ۔ آخر وہ قصد مرنے کا کر کے میرے ساتھ لگ چلا ۔ میں نے تلوار سے ڈرایا ، اس نے گردن آگے دھر دی اور قسم دی کہ ' اب میں یہی چاہتا ہوں ، دیر مت کر ۔' غرض تمہارے عشق میں ثابت ہے ۔ میں نے خوب آزمایا ، سب طرح پورا پایا ۔

اس سبب سے ، اُس کا مذکور ، میں درمیان لایا ۔ اگر حضور سے اُس کے احوال پر ، مسافر جان کر ، توجہ ہو تو خدا ترسی اور حق شناسی سے دور نہیں ۔"

یہ ذکر ملکہ نے سن کر فرمایا "کہاں ہے؟ اگر شہزادہ ہے تو کیا مضائقہ ؟ روبرو آوے ۔" وہ کوکا ، وہاں سے اُٹھ کر آیا اور مجھے ساتھ لے کر گیا ۔ میں ملکہ کے دیکھنے سے نہایت شاد ہؤا، لیکن عقل و ہوش برباد ہوئے ۔ عالم سکوت کا ہو گیا ۔ یہ ہواؤ نہ پڑا کہ کچھ کہوں ۔ ایک دم میں ملکہ سدھاری اور کوکا اپنے مکان کو چلا ۔ گھر آ کر بولا کہ " میں نے تیری سب حقیقت ، اول سے آخر تک کہہ سنائی ۔ اور سفارش بھی کی ۔ اب تو ہمیشہ رات کو ، بلاناغہ جایا کر اور عیش خوشی منایا کر ۔" میں اُس کے قدم پر گر پڑا ۔ اُس نے گلے لگا لیا ۔ تمام دن گھڑیاں گنتا رہا کہ کب سانجھ ہو جو میں جاؤں ۔ جب رات ہوئی ، میں اُس جوان سے رخصت ہو کر چلا اور پائیں باغ میں ، ملکہ کے چبوترے پر ، تکیہ لگا کر جا بیٹھا ۔

بعد ایک گھڑی کے ، ملکہ تن تنہا ، ایک خواص کو ساتھ لے کر ، آہستہ آہستہ آ کر مسند پر بیٹھیں ۔ خوش طالعی سے یہ دن میسر ہؤا ۔ میں نے قدم بوس کیا اُنھوں نے سر میرا اُٹھا لیا اور گلے سے لگا لیا اور بولیں کہ " اس فرصت کو غنیمت جان اور میرا کہا مان ۔ مجھے یہاں سے لے نکل ۔ اور کسو ، اور ملک کو چل ۔" میں نے کہا " چلئے ۔" یہ کہہ کر، ہم دونوں باغ کے باہر تو ہوئے ، پر حیرت سے اور خوشی سے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور راہ

بھول گئے اور ایک طرف کو چلے جاتے تھے ، پر کچھ ٹھکانہ نہیں پاتے تھے ۔ ملکہ برہم ہوکر بولی کہ " اب میں تھک گئی ۔ تیرا مکان کہاں ہے؟ جلد چل کر پہنچ ۔ نہیں تو ، کیا کیا چاھتا ہے ؟ میرے پاؤں میں پھپھولے پڑ گئے ہیں ، رستے میں کہیں بیٹھ جاؤں گی ۔"

میں نے کہا کہ "میرے غلام کی حویلی نزدیک ہے، اب آ پہنچے ۔ خاطر جمع رکھو اور قدم اٹھاؤ ۔" جھوٹ تو بولا ، پر دل میں حیران تھا کہ کہاں لے جاؤں؟ عین راہ پر ایک دروازہ مقفل نظر پڑا ۔ جلدی سے ، قفل کو توڑ کر ، مکان کے بھیتر گئے ۔ اچھی حویلی ، فرش بچھا ہوا ، شراب کے شیشے بھرے ، قرینے سے طاق میں دھرے اور باورچی خانے میں نان کباب تیار تھے ۔ ماندگی کمال ہو رہی تھی ، ایک ایک گلابی ، شراب پرتگالی کی ، اس گزک کے ساتھ لی اور ساری رات باہم خوشی کی ۔ جب اس چین سے صبح ہوئی ، شہر میں غل مچا کہ شہزادی غائب ہوئی ۔ محلہ محلہ ، کوچہ کوچہ ، منادی پھرنے لگی ۔ اور کٹنیاں اور ہرکارے چھوٹے کہ جہاں سے ہاتھ آوے پیدا کریں ۔ اور سب دروازوں پر شہر کے ، پادشاہی غلاموں کی چوکی آ بیٹھی ۔ گذر بانوں کو حکم ہؤا کہ بغیر پروانگی ، چیونٹی باہر شہر کے ، نہ نکل سکے ۔ جو کوئی سراغ ملکہ کا لاوے گا ، ہزار اشرفی اور خلعت انعام پاوے گا ۔ تمام شہر میں کٹنیاں پھرنے اور گھر گھر میں گھسنے لگیں ۔

مجھے کم بختی لگی ، دروازہ بند نہ کیا ۔ ایک بڑھیا ، شیطان کی خالہ (اس کا خدا ، کرے منہ کالا) ہاتھ میں

تسبیح لٹکائے ، برقع اوڑھے ، دروازہ کھلا پا کر ، ندھڑک چلی آئی اور سامنے کھڑے ہو کر ، ہاتھ اٹھا کر دعا دینے لگی کہ ” الٰہی ، تیری نتھ چوڑی سہاگ کی ، سلامت رہے! اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے ۔ میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں ۔ ایک بیٹی میری ہے کہ وہ دوجی سے ، پورے دنوں ، درد زہ میں مرتی ہے اور مجھ کو اتنی وسعت نہیں کہ ادھی کا تیل ، چراغ میں جلاؤں ۔ کھانے پینے کو تو کہاں سے لاؤں ۔ اگر مر گئی تو گور کفن کیوں کر کروں گی ۔ اور جنی تو دائی جنائی کو کیا دوں گی ، اور جچا کو ستھوارا ، اچھوانی کہاں سے پلاؤں گی ؟ آج دو دن ہوئے ہیں کہ بھوکی پیاسی پڑی ہے ۔ اے صاحب زادی ، اپنی خیر، کچھ ٹکڑا پارچہ دلا تو اس کو پانی پینے کا آدھار ہو۔“

ملکہ نے ترس کھا کر ، اپنے نزدیک بلا کر ، چار نان اور کباب اور ایک انگوٹھی ، چھنگلیا سے اتار کر حوالے کی کہ ” اس کو بیچ باچ کر گہنا پاتا بنا دیجو اور خاطر جمع سے گزران کیجو اور کبھو آیا کیجو ، تیرا گھر ہے ۔“ اس نے اپنے دل کا مدعا ، جس کی تلاش میں آئی تھی ، بہ جنس پایا ۔ خوشی سے دعائیں دیتی اور بلائیں لیتی دفع ہوئی ۔ ڈیوڑھی میں نان کباب پھینک دئے ۔ مگر انگوٹھی کو مٹھی میں لے لیا کہ پتہ ملکہ کے ہاتھ کا ، میرے ہاتھ آیا ۔ خدا اس آفت سے جو بچایا چاہے، اس مکان کا مالک ، جوان مرد سپاہی ، تازی گھوڑے پر چڑھا ہؤا ، نیزہ ہاتھ میں لئے شکار بند سے ایک ہرن لٹکائے ، آ پہنچا ۔ اپنی حویلی کا تالا ٹوٹا اور کواڑ کھلے پائے ۔ اس دلالہ

کو نکلتے دیکھا ۔ مارے غصے کے ، ایک ہاتھ سے ، اُس کے جھونٹے پکڑ کر لٹکا لیا اور گھر میں آیا ۔ اُس کے دونوں پاؤں میں رسی باندھ کر ، ایک درخت کی ٹہنی میں لٹکایا ۔ سر تلے ، پاؤں اوپر کئیے ۔ ایک دم میں ، تڑپ تڑپ کر مر گئی ۔ اُس مرد کی صورت دیکھ کر یہ ہیبت غالب ہوئی کہ ہوائیاں اڑنے لگیں اور مارے ڈر کے کلیجہ کانپنے لگا ۔ اُس عزیز نے ، ہم دونوں کو بدحواس دیکھ کر ، تسلی دی کہ بڑی نادانی تم نے کی ۔ ایسا کام کیا اور دروازہ کھول دیا ۔"

ملکہ نے مسکرا کر فرمایا کہ " شاہزادہ ، اپنے غلام کی حویلی کہہ کر ، مجھے لے آیا ہے اور مجھ کو پھسلایا۔" اُس نے التماس کیا کہ "شہزادے نے بیان واقعی کیا ۔ جتنی خلق اللہ ہے ، پادشاہوں کی لونڈی غلام ہیں ۔ اُنہیں کی برکت اور فیض سے، سب کی پرورش اور نباہ ہے ۔ یہ غلام، بے دام و درم ، زر خرید تمہارا ہے، لیکن بھید چھپانا عقل، مقتضا ہے ۔ اے شہزادے ، تمہارا اور ملکہ کا ، اس غریب خانے میں توجہ فرمانا اورتشریف لانا ، میری سعادت دونوں جہان کی ہے ۔ اور اپنے فدوی کو سرفراز کیا ۔ میں نثار ہونے کو تیار ہوں ۔ کسو صورت میں جان و مال سے دریغ نہ کروں گا ۔ آپ شوق سے آرام فرمائیے ، اب کوڑی بھر خطرہ نہیں ۔ یہ مردار کٹنی اگر سلامت جاتی تو آفت لاتی ۔ اب ، جب تلک مزاج شریف چاہیے ، بیٹھے رہیے۔ اور جو کچھ درکار ہو اس خانہ‌زاد کو کہیے، سب حاضر کرے گا ۔ اور پادشاہ تو کیا چیز ہے ، تمہاری خبر فرشتوں کو بھی

نہ ہوگی !'' اس جوان مرد نے ایسی ایسی باتیں، تسلی کی، کہیں کہ ٹک خاطر جمع ہوئی ۔ تب میں نے کہا '' شاباش، تم بڑے مرد ہو ۔ اس مروت کا عوض، ہم سے بھی جب ہو سکے گا تب ظہور میں آوے گا ۔ تمھارا نام کیا ہے؟'' اُس نے کہا کہ '' غلام کا اسم بہزاد خاں ہے ۔ غرض چھ مہینے تک، جتنی شرط خدمت کی تھی، بہ جان و دل بجا لایا ۔ خوب آرام سے گزری ۔''

ایک دن مجھے، اپنا ملک اور ماں باپ یاد آئے ۔ اس لئے نہایت متفکر بیٹھا تھا ۔ میرا چہرہ ملین دیکھ کر، بہزاد خاں روبرو ہاتھ جوڑ کر، کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ '' اس فدوی سے اگر کچھ تقصیر، چرن برداری میں واقع ہوئی ہو، تو ارشاد ہو ۔'' میں نے کہا '' از برائے خدا، یہ کیا مذکور ہے؟ تم نے ایسا سلوک کیا کہ اس شہر میں، ایسے آرام سے رہے، جیسے اپنی ماں کے پیٹ میں کوئی رہتا ہے ۔ نہیں تو، یہ ایسی حرکت ہم سے ہوئی تھی کہ تنکا تنکا، ہمارا دشمن تھا ۔ ایسا دوست ہمارا کون تھا کہ ذرا دم لیتے؟ خدا تمھیں خوش رکھے ۔ بڑے مرد ہو !'' تب اُس نے کہا '' اگر یہاں سے دل برداشتہ ہؤا ہو، تو جہاں حکم ہو، وہاں خیر و عافیت سے پہنچا دوں ۔'' فقیر بولا کہ '' اگر اپنے وطن تک پہنچوں تو والدین کو دیکھوں ۔ میری تو یہ صورت ہوئی، خدا جانے اُن کی کیا حالت ہوئی ہوگی ۔ میں جس واسطے جلا وطن ہؤا تھا، میری تو آرزو بر آئی ۔ اب اُن کی بھی قدم بوسی واجب ہے ۔ میری خبر اُن کو کچھ نہیں کہ

مؤا یا جیتا ہے - اُن کے دل پر کیا قلق گزرتا ہو گا ؟"
وہ جوان مرد بولا کہ "بہت مبارک ہے ، چلیے -" یہ
کہہ کے ، ایک راس گھوڑا ، ترکی ، سو کوس چلنے
والا اور ایک گھوڑی ، جلد ، جس کے پر نہیں کٹے تھے ،
لیکن شائستہ ، ملکہ کی خاطر لایا ، اور ہم دونوں کو
سوار کروایا - پھر زرہ بکتر پہن ، سلاح باندھ ، اوپچی بن ،
اپنے مرکب پر چڑھ بیٹھا اور کہنے لگا "غلام آگے ہو
لیتا ہے - صاحب ، خاطر جمع سے ، گھوڑے دبائے ہوئے ،
چلے آویں -"

جب شہر کے دروازے پر آیا ، ایک نعرہ مارا اور تبر
سے قفل کو توڑا اور نگہبانوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر للکارا
کہ "بڑ چودو ! اپنے خاوند کو جا کر کہو کہ
بہزاد خاں ، ملکہ مہر نگار اور شہزادۂ کامگار کو، جو تمہارا
داماد ہے ، ہانکے پکارے لئے جاتا ہے - اگر مردمی کا
کچھ نشہ ہے تو باہر نکلو اور ملکہ کو چھین لو - یہ نہ کہیو
کہ چپ چاپ لے گیا - نہیں تو قلعے میں بیٹھے آرام کیا کرو-"
یہ خبر پادشاہ کو جلد جا پہنچی - اور وزیر میر بخشی کو
حکم ہؤا "اُن تینوں ، بد ذات مفسدوں کو ، باندھ لاؤ -
یا اُن کے سر کاٹ کر حضور میں پہنچاؤ -" ایک دم کے
بعد ، غٹ فوج کا نمود ہؤا ، اور تمام زمین و آسمان گرد باد
ہو گیا - بہزاد خاں نے ملکہ کو اور اس فقیر کو ، ایک
در سیں پل کے ، کہ بارہ پلی اور جون پور کے پل کے برابر
تھا ، کھڑا کیا اور آپ گھوڑے کو ٹنگیا کر ، اُس فوج کی
طرف پھرا - اور شیر کی مانند گونج کر ، مرکب کو ڈپٹ

کر ، فوج کے درمیاں گھسا ۔ تمام لشکر کائی سا پھٹ گیا ، اور یہ دونوں سرداروں تلک جا پہنچا ۔ دونوں کے سر کاٹ لئے ۔ جب سردار مارے گئے ، لشکر تتر بتر ہو گیا ۔ وہ کہاوت ہے : سر سے سرواہ ، جب بیل پھوٹی ، رائی رائی ہو گئی ۔ وونہیں آپ پادشاہ ، کتنی فوج بکتر پوشوں کی ، ساتھ لے کر کمک کو آئے ۔ اُن کی بھی لڑائی اُس یکہ جوان نے مار دی ۔ شکست فاش کھائی ۔

پادشاہ پسپا ہوئے ۔ سچ ہے ، فتح داد الٰہی ہے ۔ لیکن بہزاد خاں نے ایسی جواں مردی کی کہ شاید رستم سے بھی نہ ہو سکتی ۔ جب بہزاد خاں نے دیکھا کہ مطلع صاف ہؤا ، اب کون باقی رہا ہے جو ہمارا پیچھا کرے گا ، بے وسواس ہو کر اور خاطر جمع کر ، جہاں ہم کھڑے تھے ، آیا اور ملکہ کو اور مجھ کو ، ساتھ لے کر چلا ۔ سفر کی عمر کوتاہ ہوتی ہے ، تھوڑے عرصے میں اپنے ملک کی سرحد میں جا پہنچے ۔ ایک عرضی ، صحیح سلامت آنے کی ، پادشاہ کے حضور میں (جو قبلہ گاہ مجھ فقیر کے تھے) لکھ کر روانہ کی ۔ جہاں پناہ ، پڑھ کر شاد ہوئے ، دوگانہ شکر کا ادا کیا ، جیسے سوکھے دھان میں پانی پڑا ۔ خوش ہو کر ، سب امیروں کو جلو میں لے کر ، اس عاجز کے استقبال کی خاطر ، لب دریا آ کر کھڑے ہوئے ۔ اور نواڑوں کے واسطے ، میر بحر کو حکم ہؤا ۔ میں نے دوسرے کنارے پر سواری پادشاہ کی کھڑی دیکھی ۔ قدم بوسی کی آرزو میں گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا ۔ ہیلہ مار کر ، حضور میں حاضر ہؤا ۔ مجھے مارے اشتیاق

کے کلیجے سے لگا لیا۔

اب ایک اور آفت ناگہانی پیش آئی کہ جس گھوڑے پر میں سوار تھا، شاید وہ بچہ اُسی مادیاں کا تھا جس پر ملکہ سوار تھی، یا جنسیت کے باعث، میرے مرکب کو دیکھ کر، گھوڑی نے بھی جلدی کر کر، اپنے تئیں ملکہ سمیت، میرے پیچھے دریا میں گرایا اور پیرنے لگی۔ ملکہ نے گھبرا کے باگ کھینچی وہ منہ کی نرم تھی اُلٹ گئی۔ ملکہ غوطے کھا کر، بہ معہ گھوڑی، دریا میں ڈوب گئی کہ پھر اُن دونوں کا نشان نظر نہ آیا۔ بہزاد خاں نے یہ حالت دیکھ کر، اپنے تئیں گھوڑے سمیت، ملکہ کی مدد کی خاطر، دریا میں پہنچایا۔ وہ بھی اُس بھنور میں آ گیا، پھر نکل نہ سکا۔ بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے، کچھ بس نہ چلا، ڈوب گیا۔ جہاں پناہ نے یہ واردات دیکھ کر، مہاجال منگوا کر، پھنکوایا اور ملاحوں اور غوطہ‌خوروں کو فرمایا۔ اُنھوں نے سارا دریا چھان مارا تھا کہ مٹی لے لے آئے۔ پر، وے دونوں ہاتھ نہ آئے۔

یا فقرا! یہ حادثہ ایسا ہؤا کہ میں سودائی اور جنونی ہو گیا اور فقیر بن کر یہی کہتا پھرتا تھا: ان نینوں کا یہی بسیکھ، وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ۔ اگر ملکہ کہیں غائب ہو جاتی یا مر جاتی تو دل کو تسلی آتی۔ پھر تلاش کو نکلتا، یا صبر کرتا۔ لیکن جب نظروں کے روبرو، غرق ہو گئی تو کچھ بس نہ چلا۔ آخر جی میں یہی لہر آئی کہ دریا میں ڈوب جاؤں، شاید اپنے محبوب کو مر کر پاؤں۔

ایک روز رات کو، اُسی دریا میں بیٹھا، اور اپنے ڈوبنے

کا ارادہ کر کر ، گلے تک پانی میں گیا ۔ چاہتا ہوں کہ آگے پاؤں رکھوں اور غوطہ کھاؤں ، وہی سوار برقعہ پوش ، جنھوں نے تم کو بشارت دی ہے ، آ پہنچے ۔ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور دلاسا دیا کہ " خاطر جمع رکھ ۔ ملکہ اور بہزاد خاں جیتے ہیں ۔ تو اپنی جان ، نا حق کیوں کھوتا ہے ؟ دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے ۔ خدا کی درگاہ سے مایوس مت ہو ۔ اگر جیتا رہے گا تو تیری ملاقات ، ان دونوں سے ، ایک نہ ایک روز ہو رہے گی ۔ اب تو روم کی طرف جا ۔ اور بھی دو درویش ، دل ریش وہاں گئے ہیں ۔ اُن سے تو جب ملے گا ، اپنی مراد کو پہنچے گا ۔"

یافقرا ! بہ موجب حکم اپنے ہادی کے ، میں بھی خدمت شریف میں آ کر حاضر ہؤا ہوں ۔ اُمید قوی ہے کہ ہر ایک ، اپنے اپنے مطلب کو پہنچے ۔ اس ٹکڑ گدا کا یہ احوال تھا ، جو تمام کمال کہہ سنایا ۔

سیر چوتھے درویش کی

چوتھا فقیر اپنی سیر کی حقیقت ، رو رو کر ، اس طرح دھرانے لگا :

قصہ ، ہماری بے سر و پائی کا ، اب سنو !
ٹک اپنا دھیان رکھ کے ، مرا حال سب سنو !
کس واسطے میں آیا ہوں یاں تک تباہ ہو
سارا بیان کرتا ہوں ، اس کا سبب سنو !

یا مرشد اللہ ! ذرا متوجہ ہو ۔ یہ فقیر جو اس حالت میں گرفتار ہے ، چین کے بادشاہ کا بیٹا ہے ۔ ناز و نعمت سے پرورش پائی اور بہ خوبی تربیت ہؤا ۔ زمانے کے بھلے برے سے کچھ واقف نہ تھا ۔ جانتا تھا کہ یونہیں ہمیشہ نبھے گی ۔ عین بے فکری میں یہ حادثہ روبکار ہؤا : قبلۂ عالم جو والد اس یتیم کے تھے ، اُنھوں نے رحلت فرمائی ۔ جاں کندنی کے وقت ، اپنے چھوٹے بھائی کو (جو میرے چچا ہیں) بلایا اور فرمایا کہ " ہم نے تو ، سب مال ملک چھوڑ کر ، ارادہ کوچ کا کیا ، لیکن یہ وصیت میری تم بجا لائیو اور بزرگی کو کام فرمائیو ۔ جب تلک شہزادہ ، جو مالک اس تخت و چھتر کا ہے ، جوان ہو ، اور شعور سنبھالے ، اور اپنا گھر دیکھے بھالے ، تم اس کی نیابت کیجو ، اور سپاہ و رعیت کو خراب نہ ہونے دیجو ۔ جب وہ بالغ ہو ، اُس کو سب کچھ سمجھا بجھا کر ، تخت حوالے

کرنا ۔ اور روشن اختر ، جو تمھاری بیٹی ہے ، اُس سے شادی کر کے ، تم سلطنت سے کنارہ پکڑنا ۔ اس سلوک سے ، بادشاہت ہمارے خاندان میں قائم رہے گی ۔ کچھ خلل نہ آوے گا ۔'' یہ کہہ کر آپ تو جان بحق تسلیم ہوئے ۔ چچا بادشاہ ہؤا اور بندوبست ملک کا کرنے لگا ۔ مجھے حکم کیا کہ زنانے محل میں رہا کرے ۔ جب تک جوان نہ ہو ، باہر نہ نکلے ۔ یہ فقیر ، چودہ برس کی عمر تک ، بیگمات اور خواصوں میں پلا کیا اور کھیلا کودا کیا ۔ چچا کی بیٹی سے ، شادی کی خبر سن کر ، شاد تھا اور اس اُمید پر بے فکر رہتا اور دل میں کہتا کہ اب کوئی دن میں بادشاہت بھی ہاتھ لگے گی اور کتخدائی بھی ہو گی ۔ دنیا بہ اُمید قائم ہے ۔ ایک حبشی ، مبارک نام ، کہ والد مرحوم کی خدمت میں تربیت ہؤا تھا ، اور اُس کا بڑا اعتبار تھا ، اور صاحب شعور اور نمک حلال تھا ، میں اکثر اُس کے نزدیک جا بیٹھتا ۔ وہ بھی مجھے بہت پیار کرتا اور میری جوانی دیکھ کر خوش ہوتا اور کہتا کہ '' الحمدللہ اے شاہزادے ! اب تم جوان ہوئے ۔ انشااللہ تعالیٰ ، عنقریب تمھارا عمو ، ظل سبحانی کی نصیحت پر عمل کرے گا ۔ اپنی بیٹی ، اور تمھارے والد کا تخت ، تمھیں دے گا ۔''

ایک روز یہ اتفاق ہؤا کہ ایک ادنیٰ سہیلی نے بے گناہ ، میرے تئیں ایسا کھینچ طمانچہ مارا کہ میرے گال پر ، پانچوں اُنگلیوں کا نشان اُکھڑ آیا ۔ میں روتا ہؤا ، مبارک کے پاس گیا ۔ اُن نے مجھے گلے سے لگا لیا اور آنسو

آستین سے پونچھے اور کہا کہ " چلو آج تمھیں ، پادشاہ پاس لے چلوں ۔ شاید دیکھ کر مہربان ہو اور لائق سمجھ کر ، تمھارا حق تمھیں دے ۔" اسی وقت چچا کے حضور میں لے گیا ۔ چچا نے دربار میں نہایت شفقت کی اور پوچھا کہ " کیوں دلگیر ہو ، اور آج یہاں کیوں کر آئے ؟ " مبارک بولا " کچھ عرض کرنے آئے ہیں ۔" یہ سن کر خود بخود کہنے لگا کہ " اب میاں کا بیاہ کر دیتے ہیں ۔" مبارک نے کہا " بہت مبارک ہے ۔" وونہیں نجومی اور رمّالوں کو روبرو طلب کیا اور اوپری دل سے پوچھا کہ " اس سال کون سا مہینہ ، اور کون سا دن ، اور گھڑی ، مہورت مبارک ہے کہ سر انجام شادی کا کروں؟ " انھوں نے مرضی پا کر ، گِن گنا کر عرض کی کہ " قبلۂ عالم ! یہ برس سارا نحس ہے ۔ کسی چاند میں ، کوئی تاریخ سعد نہیں ٹھہرتی ۔ اگر یہ سال ، تمام بہ خیر و عافیت ، کٹے تو آئندہ کار خیر کے لئے بہتر ہے ۔"

پادشاہ نے مبارک کی طرف دیکھا اور کہا " شاہزادے کو محل میں لے جا ۔ خدا چاہے تو اس سال کے گزرنے سے ، اس کی امانت ، اس کے حوالے کر دوں گا ۔ خاطر جمع رکھے اور پڑھے لکھے ۔" مبارک نے سلام کیا اور مجھے ساتھ لیا ۔ محل میں پہنچا دیا ۔ دو تین دن کے بعد ، میں مبارک کے پاس گیا ۔ مجھے دیکھتے ہی رونے لگا ۔ میں حیران ہؤا اور پوچھا کہ " دادا! خیر تو ہے ؟ تمھارے رونے کا کیا باعث ہے ؟ " تب وہ خیر خواہ (کہ مجھے دل و جان سے چاہتا تھا) بولا کہ " میں اس روز تمھیں

اُس ظالم کے پاس لے گیا ۔ کاش کہ ، اگر یہ جانتا تو نہ لے جاتا !" میں نے گھبرا کر کہا " میرے جانے میں ، کیا ایسی قباحت ہوئی ؟ کہو تو سہی ۔" تب اُس نے کہا کہ " سب امیر ، وزیر ، ارکان دولت ، چھوٹے بڑے ، تمھارے باپ کے وقت کے ، تمھیں دیکھ کر خوش ہوئے اور خدا کا شکر کرنے لگے کہ ' اب ہمارا صاحب زادہ جوان ہؤا ، اور سلطنت کے لائق ہؤا ۔ اب کوئی دن میں ، حق حقدار کو ملے گا ۔ تب ہماری قدردانی کرے گا ، اور خانہ زاد موروثیوں کی قدر سمجھے گا ۔' یہ خبر اُس بے ایمان کو پہنچی ۔ اُس کی چھاتی پر سانپ پھر گیا ۔ مجھے خلوت میں بلا کر کہا ' اے مبارک! اب ایسا کام کر کہ شہزادے کو کسی فریب سے مار ڈال ، اور اس کا خطرہ ، میرے جی سے نکال جو میری خاطر جمع ہو ۔' تب سے میں بے حواس ہو رہا ہوں کہ تیرا چچا ، تیری جان کا دشمن ہؤا ۔" جونہیں مبارک سے ، یہ خبر نامبارک میں نے سنی ، بغیر مارے مر گیا اور جان کے ڈر سے اُس کے پاؤں پر گر پڑا کہ " واسطے خدا کے ، میں سلطنت سے گزرا ۔ کسو طرح میرا جی بچے ۔" اُس غلام باوفا نے ، میرا سر اُٹھا کر چھاتی سے لگا لیا اور جواب دیا کہ "کچھ خطرہ نہیں ۔ ایک تدبیر مجھے سوجھی ہے ، اگر راست آئی تو کچھ پروا نہیں ۔ زندگی ہے ، تو سب کچھ ہے ۔ اغلب ہے کہ اس فکر سے ، تیری جان بھی بچے اور اپنے مطلب سے کامیاب ہو ۔" یہ بھروسا دے کر ، مجھے ساتھ لے کر اُس جگہ ، جہاں بادشاہ مغفور ، یعنی والد اس فقیر کے ، سوتے بیٹھتے تھے ، گیا اور میری بہت خاطر جمع کی ،

وهاں ایک کرسی بچھی تھی ۔ ایک طرف مجھے کہا ، اور ایک طرف آپ پکڑ کر ، صندلی کو سرکایا اور کرسی کے تلے کا فرش اُٹھایا اور زمین کو کھودنے لگا ۔ ایک بارگی ایک کھڑکی نمود ہوئی کہ زنجیر اور قفل ، اُس میں لگا ہے ۔ مجھے بلایا ۔ میں اپنے دل میں ، مقرر ، یہ سمجھا کہ میرے ذبح کرنے اور گاڑ دینے کو ، یہ گڑھا اس نے کھودا ہے ۔ موت آنکھوں کے آگے پھر گئی ۔ لاچار ، چپکے چپکے ، کلمہ پڑھتا ہوا نزدیک گیا ۔ دیکھتا ہوں تو اُس دریچے کے اندر عمارت ہے اور چار مکان ہیں ۔ ہر ایک دالان میں ، دس دس خمیں ، سونے کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ، لٹکتی ہیں ۔ اور ہر ایک گولی کے منہ پر ، ایک سونے کی اینٹ ، اور ایک بندر جڑاؤ کا بنا ہوا ، بیٹھا ہے ۔ اُنتالیس گولیاں ، چاروں مکان میں گنیں اور ایک خم کو دیکھا کہ مونہا منہ ، اشرفیاں بھری ہیں ۔ اُس پر نہ میمون ہے نہ خشت ہے ۔ اور ایک حوض ، جواہر سے لبالب بھرا ہوا ، دیکھا ۔ میں نے مبارک سے پوچھا کہ " اے دادا ! یہ کیا طلسم ہے اور کس کا مکان ہے ، اور یہ کس کام کے ہیں ؟ " بولا کہ " یہ بوزنے جو دیکھتے ہو ، اُن کا یہ ماجرا ہے کہ تمھارے باپ نے ، جوانی کے وقت سے ، ملک صادق (جو بادشاہ جنوں کا ہے) اُس کے ساتھ دوستی اور آمد و رفت پیدا کی تھی ۔ چنانچہ ہر سال میں ، ایک دفعہ ، کئی طرح کی تحفہ خوشبوئیں اور اس ملک کی سوغاتیں ، لے جاتے اور ایک مہینے کے قریب ، اُس کی خدمت میں رہتے ۔ جب رخصت ہوتے ، تو ملک صادق ایک بندر زمرد کا ، دیتا ۔ ہمارا بادشاہ اُسے لا کر ،

اس تہہ خانے میں رکھتا ۔ اس بات سے سوائے میرے کوئی دوسرا مطلع نہ تھا ۔ ایک مرتبہ غلام نے عرض کی کہ " جہاں پناہ ! لاکھوں روپے کے تحفے لے جاتے ہیں اور وہاں سے ایک بوزنہ پتھر کا ، مردہ ، آپ لے آتے ہیں ۔ اس کا آخر فائدہ کیا ہے ؟ " جواب ، میری اس بات کا ، مسکرا کر فرمایا " خبردار ، کہیں ظاہر نہ کیجو ۔ خبر شرط ہے ۔ یہ ایک ایک میمون بے جان ، جو تو دیکھتا ہے ، ہر ایک کے ، ہزار دیو زبردست ، تابع اور فرماں بردار ہیں ۔ لیکن جب تلک میرے پاس ، چالیسوں بندر ، پورے جمع نہ هوویں تب تک یہ سب نکمے ہیں ، کچھ کام نہ آویں گے ، سو ایک بندر کی کمی تھی کہ اسی برس پادشاہ نے وفات پائی ۔

" اتنی محنت کچھ نیک نہ لگی ۔ اس کا فائدہ ظاہر نہ ہؤا ۔ اے شاہزادے ، تیری یہ حالت بے کسی کی دیکھ کر مجھے یاد آیا اور یہ جی میں ٹھہرایا ، کسو طرح تجھ کو ، ملک صادق کے پاس لے چلوں اور تیرے چچا کا ظلم ، بیان کروں ۔ غالب ہے کہ وہ دوستی ، تمھارے باپ کی ، یاد کر کر ، ایک بوزنہ جو باقی ہے ، تجھے دے ۔ تب اُن کی مدد سے ، تیرا ملک تیرے ھاتھ آوے اور چین ماچین کی سلطنت تو ، بہ خاطرجمع ، کرے ۔ اور بالفعل ، اس حرکت سے تیری جان بچتی ہے ۔ اگر اور کچھ نہ ہؤا ، تو اس ظالم کے ھاتھ سے ، سوائے اس تدبیر کے ، اور کوئی صورت مخلصی کی ، نظر نہیں آتی ۔" میں نے اُس کی زبانی ، یہ سب سن کر کہا کہ " دادا جان ! اب تو میری جان کا مختار ہے ۔

جو میرے حق میں بھلا ہو ، سو کر ۔" میری تسلی کر کے،
آپ عطر اور بخور ، اور جو کچھ وھاں کے لیے جانے کی
خاطر مناسب جانا ، خرید کرنے بازار میں گیا ۔

دوسرے دن ، میرے اُس کافر چچا کے پاس (جو بجائے
ابوجہل کے تھا) گیا اور کہا " جہاں پناہ ! شہزادے
کے مار ڈالنے کی ایک صورت میں نے دل میں ٹھہرائی ھے ،
اگر حکم ھو تو عرض کروں ۔" وہ کمبخت خوش ھو کر
بولا " وہ کیا تدبیر ھے ؟ " تب مبارک نے کہا کہ
" اس کے مار ڈالنے میں سب طرح آپ کی بدنامی ھے ، مگر
میں اسے باھر جنگل میں لے جا کر ٹھکانے لگاؤں اور
گاڑ داب کر چلا آؤں ، ھرگز کوئی محرم نہ ھو گا کہ کیا
ھؤا ۔" یہ بندش ، مبارک سے سن کر بولا کہ " بہت
مبارک ! میں یہ چاھتا ھوں کہ وہ سلامت نہ رھے ۔ اُس
کا دغدغہ میرے دل میں ھے ، اگر مجھے اس فکر سے تو
چھڑاوے گا تو اس خدمت کے عوض بہت کچھ پاوے گا ۔
جہاں تیرا جی چاھے ، لے جا کے کھپا دے اور مجھے یہ
خوشخبری لا دے ۔"

مبارک نے ، بادشاہ کی طرف سے اپنی دل‌جمعی کر کے ،
مجھے ساتھ لیا اور وے تحفے لے کر، آدھی رات کو، شہر سے
کوچ کیا اور اُتر کی سمّت چلا ۔ ایک مہینے تلک پیہم چلا
گیا ۔ ایک روز رات کو چلے جاتے تھے جو مبارک بولا
کہ " شکر خدا کا ، اب منزل‌مقصود کو پہنچے ۔" میں
نے سن کر کہا کہ "دادا! یہ تو نے کیا کہا؟" کہنے
لگا " اے شہزادے! جنوں کا لشکر ، کیا نہیں دیکھتا؟"

میں نے کہا " مجھے تیرے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا ۔"
مبارک نے ایک سرمہ دانی نکال کر ، سلیمانی سرمے کی سلائیاں ، میری دونوں آنکھوں میں پھیر دیں ۔ وونہیں ، جنوں کی خلقت ، اور لشکر کے تنبو قنات، نظر آنے لگے لیکن سب خوشرو اور خوش لباس ۔ مبارک کو پہچان کر ، ہر ایک ، آشنائی کی راہ سے ، گلے ملتا اور مزاخیں کرتا ۔

آخر جاتے جاتے ، بادشاہی سراچوں کے نزدیک گئے اور بارگاہ میں داخل ہوئے ۔ دیکھتا ہوں تو روشنی، قرینے سے روشن ہے اور صندلیاں طرح بہ طرح کی، دو رویہ بچھی ہیں ۔ اور عالم فاضل ، درویش اور امیر، وزیر ، میر بخشی، دیوان آن پر بیٹھے ہیں ۔ اور یساول ، گذر بردار ، احدی ، چیلے ، ہاتھ باندھے کھڑے ہیں ۔ اور درمیان میں ، ایک تخت مرصع کا ، بچھا ہے ۔ اُس پر ملک صادق ، تاج اور چار قب موتیوں کی پہنے ہوئے ، مسند پر تکیے لگائے ، بڑی شان و شوکت سے بیٹھا ہے ۔ میں نے نزدیک جا کر سلام کیا ۔ مہربانگی سے بیٹھنے کا حکم کیا ۔ پھر کھانے کا چرچا ہؤا ۔ بعد فراغت کے دسترخوان بڑھایا گیا ۔ تب مبارک کی طرف متوجہ ہو کر، احوال میرا پوچھا ۔ مبارک نے کہا کہ " اب ان کے باپ کی جگہ پر ، چچا ان کا ، بادشاہت کرتا ہے اور ان کا دشمن جانی ہؤا ہے ۔ اس لئے میں انہیں ، وہاں سے لے بھاگ کر ، آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ یتیم ہیں اور سلطنت ان کا حق ہے ۔ لیکن بغیر مربّی ، کسو سے کچھ نہیں ہو سکتا ۔ حضور کی دستگیری کے باعث ، اس مظلوم کی پرورش ہوتی ہے ۔ ان

کے باپ کی خدمت کا حق یاد کر کے ، ان کی مدد فرمائیے اور وہ چالیسواں بندر عنایت کیجیے ، جو چالیسوں پورے ہوں اور یہ اپنے حق کو پہنچ کر ، تمھارے جان و مال کو دعا دیں ۔ سوائے صاحب کی پناہ کے، کوئی ان کا ٹھکانا نظر نہیں آتا ۔"

یہ تمام کیفیت سن کر ، صادق نے تامّل کر کے کہا کہ "واقعی ، حقوق خدمت اور دوستی ، پادشاہ مغفور کے، ہمارے اوپر بہت تھے اور یہ بچارا ، تباہ ہو کر ، اپنی سلطنت موروثی چھوڑ کر ، جان بچانے کے واسطے، یہاں تلک آیا ہے اور ہمارے دامن دولت میں پناہ لی ہے ۔ تا مقدور کسو طرح ، ہم سے کمی نہ ہو گی اور درگذر نہ کروں گا ۔ لیکن ایک کام ہمارا ہے ، اگر وہ اس سے ہو سکا اور خیانت نہ کی ، اور بخوبی انجام دیا اور اس امتحان میں پورا اترا ، تو میں قول قرار کرتا ہوں کہ زیادہ پادشاہ سے سلوک کروں گا اور جو یہ چاہے گا سو دوں گا ۔" میں نے ہاتھ باندھ کر التماس کیا کہ " اس فدوی سے ، تا بہ مقدور، جو خدمت سرکار کی ہوسکے گی، بہ سر و چشم بجا لاوے گا اور اس کو خوبی و دیانت داری اور ہوشیاری سے کرے گا اور اپنی سعادت ، دونوں جہان کی ، سمجھے گا ۔" فرمایا کہ " تو ابھی لڑکا ہے ، اس واسطے بار بار تاکید کرتا ہوں ۔ مبادا خیانت کرے اور آفت میں پڑے ۔" میں نے کہا " خدا ، پادشاہ کے اقبال سے ، آسان کرے گا اور میں حتی المقدور کوشش کروں گا اور امانت حضور تک لے آؤں گا ۔"

یہ سن کر ملک صادق نے مجھ کو قریب بلایا اور کاغذ، دستکی سے نکال کر، میرے تئیں دکھلایا اور کہا "یہ جس شخص کی شبیہ ہے، اُسے جہاں سے جانے، تلاش کر کے، میری خاطر پیدا کر کے، لا اور جس گھڑی تو اُس کا نام و نشان پاوے اور سامنے جاوے، میری طرف سے بہت اشتیاق ظاہر کیجو۔ اگر یہ خدمت تجھ سے سرانجام ہوئی تو جتنی توقع، تجھے منظور ہے، اُس سے زیادہ غور و پرداخت کی جائے گی۔ والّا نہ، جیسا کرے گا ویسا پاوے گا۔" میں نے اُس کاغذ کو جو دیکھا، ایک تصویر نظر پڑی کہ غش سا آنے لگا۔ بہ زور، مارے ڈر کے، اپنے تئیں سنبھالا اور کہا "بہت خوب، میں رخصت ہوتا ہوں۔ اگر خدا کو میرا بھلا کرنا ہے تو، بہ موجب حکم حضور کے، مجھ سے عمل میں آوے گا۔" یہ کہہ کر، مبارک کو ہمراہ لے کر، جنگل کی راہ لی۔ گاؤں گاؤں بستی بستی، شہر شہر، ملک ملک، پھرنے لگا اور ہر ایک سے اُس کا نام و نشان تحقیق کرنے۔ کسو نے نہ کہا کہ ہاں میں جانتا ہوں یا کسی سے مذکور سنا ہے۔ سات برس تک، اسی عالم میں حیرانی و پریشانی سہتا ہؤا، ایک نگر میں وارد ہؤا۔ عمارت عالی اور آباد لیکن وہاں کا ہر ایک متنفس، اسم اعظم پڑھتا تھا اور خدا کی عبادت بندگی کرتا تھا۔

ایک اندھا ہندستانی فقیر، بھیک مانگتا نظر آیا لیکن کسو نے ایک کوڑی یا ایک نوالہ نہ دیا۔ مجھے تعجب آیا اور اُس کے اوپر رحم کھایا۔ جیب میں سے ایک اشرفی

نکال کر اُس کے ہاتھ دی ۔ وہ لے کر بولا کہ " اے داتا! خدا تیرا بھلا کرے ۔ تو شاید مسافر ہے ۔ اس شہر کا باشندہ نہیں ۔" میں نے کہا " فی الواقع ، سات برس سے میں تباہ ہؤا ہوں ۔ جس کام کو نکلا ہوں ، اُس کا سراغ نہیں ملتا ۔ آج اس بلدے میں آ پہنچا ہوں ۔" وہ بوڑھا دعائیں دے کر چلا ، میں اُس کے پیچھے لگ لیا ۔ باہر شہر کے ، ایک مکان عالی شان نظر آیا ۔ وہ اُس کے اندر گیا ۔ میں بھی چلا ۔ دیکھا تو جا بجا عمارت گر پڑی ہے اور بے مرمت ہو رہی ہے ۔

میں نے دل میں کہا کہ "یہ محل، لائق بادشاہوں کے ہے ۔ جس وقت تیاری اس کی ہوگی ، کیا ہی مکان دلچسپ بنا ہوگا ! اور اب تو ویرانی سے کیا صورت بن رہی ہے! پر معلوم نہیں کہ اُجاڑ کیوں پڑا ہے؟ اور یہ نابینا اس محل میں کیوں بستا ہے ؟ " وہ کور ، لاٹھی ٹیکتا ہؤا ، چلا جاتا تھا کہ ایک آواز آئی جیسے کوئی کہتا ہے کہ " اے باپ ! خیر تو ہے ، آج سویرے کیوں پھرے آتے ہو ؟ " پیر مرد نے سن کر جواب دیا کہ " بیٹی ! خدا نے ایک جوان مسافر کو میرے احوال پر مہربان کیا ۔ اُس نے ایک مہر مجھ کو دی ۔ بہت دنوں سے ، پیٹ بھر کر ، اچھا کھانا نہ کھایا تھا ۔ سو گوشت ، مصالح ، گھی ، تیل ، آٹا ، لون مول لیا اور تیری خاطر کپڑا جو ضرور تھا ، خرید کیا ۔ اب اس کو قطع کر ، اور سی کر پہن ۔ اور کھانا پکا ، تو کھا پی کے اُس سخی کے حق میں دعا دیں ۔ اگرچہ مطلب اُس کے دل کا معلوم نہیں ، پر خدا دانا بینا

ہے ، ہم بے کسوں کی دعا قبول کرے ۔" میں نے یہ احوال اُس کی فاقہ کشی کا جو سنا ، بے اختیار جی میں آیا کہ بیس اشرفیاں اور اُس کو دوں لیکن آواز کی طرف دھیان جو گیا تو ایک عورت دیکھی کہ ٹھیک وہ تصویر اُسی معشوق کی تھی ۔ تصویر کو نکال کر مقابل کیا ، سر مو تفاوت نہ دیکھا ۔ ایک نعرہ دل سے نکلا اور بے ہوش ہؤا ۔ مبارک میرے تئیں ، بغل میں لے کر بیٹھا اور پنکھا کرنے لگا ۔ مجھ میں ذرا سا ہوش آیا ، اُسی کی طرف تاک رہا تھا جو مبارک نے پوچھا کہ " تم کو کیا ہو گیا ؟" ابھی منہ سے جواب نہیں نکلا ، وہ نازنیں بولی کہ " اے جوان ! خدا سے ڈر اور بگانے ستر پر نگاہ مت کر ۔ حیا اور شرم سب کو ضرور ہے ۔"

اس لیاقت سے گفتگو کی کہ میں اُس کی صورت اور سیرت پر محو ہوگیا ۔ مبارک ، میری خاطر داری ، بہت سی کرنے لگا ۔ لیکن دل کی حالت کی ، اُس کو کیا خبر تھی؟ لاچار ہو کر میں پکارا کہ " اے خدا کے بندو ، اور اس مکان کے رہنے والو! میں غریب مسافر ہوں ۔ اگر اپنے پاس مجھے بلاؤ اور رہنے کو جگہ دو تو بڑی بات ہے ۔" اُس اندھے نے نزدیک بلایا اور آواز پہچان کر گلے لگایا ، اور جہاں وہ گلبدن بیٹھی تھی ، اُس مکان میں لے گیا ۔ وہ ایک کونے میں چھپ گئی ۔ اُس بوڑھے نے مجھ سے پوچھا کہ " اپنا ماجرا کہہ کہ کیوں گھر بار چھوڑ کر اکیلا پڑا پھرتا ہے اور تجھے کس کی تلاش ہے؟" میں نے ملک صادق کا نام نہ لیا اور وہاں کا ، کچھ ذکر مذکور نہ کیا ۔

اس طور سے کہا کہ ” یہ بے کس ، شہزادہ چین و ماچین کا ہے ۔ چنانچہ میرے ولی نعمت ، ہنوز بادشاہ ہیں ۔ ایک سوداگر سے ، لاکھوں روپے دے کر، یہ تصویر مول لی تھی ، اس کے دیکھنے سے سب ہوش آرام جاتا رہا ۔ اور فقیر کا بھیس کر کر ، تمام دنیا چھان ماری ۔ اب یہاں میرا مطلب ملا ہے ، سو تمھارا اختیار ہے ۔“

یہ سن کر ، اندھے نے ایک آہ ماری اور بولا ” اے عزیز ! میری لڑکی بڑی مصیبت میں گرفتار ہے ۔ کسو بشر کی مجال نہیں کہ اس سے نکاح کرے اور پھل پاوے ۔“ میں نے کہا کہ ” اُمید وار ہوں کہ مفصل بیان کرو ۔“ تب اُس مرد عجمی نے ، اپنا ماجرا ، اس طور سے ظاہر کیا کہ ” سن اے پادشاہزادے ! میں رئیس اور اکابر ، اس کمبخت شہر کا ہوں ۔ میرے بزرگ ، نام آور اور عالی خاندان تھے ۔ حق تعالٰی نے ، یہ بیٹی مجھے عنایت کی ۔ جب بالغ ہوئی تو اس کی خوبصورتی ، اور نزاکت ، اور سلیقے کا شور ہؤا اور سارے ملک میں مشہور ہؤا کہ فلانے کے گھر میں ، ایسی لڑکی ہے کہ اُس کے حسن کے مقابل ، حور پری شرمندہ ہے ۔ انسان کا تو کیا منہ ہے کہ برابری کرے ؟ یہ تعریف اس شہر کے شہزادے نے سنی ۔ غائبانہ ، بغیر دیکھے بھالے ، عاشق ہؤا ۔ کھانا پینا چھوڑ دیا ۔ اٹھوانی کھٹوانی لے کر پڑا ۔

” آخر پادشاہ کو یہ بات معلوم ہوئی ۔ میرے تئیں ، رات کو خلوت میں بلایا اور یہ مذکور درمیان میں لایا اور مجھے باتوں میں پھسلایا ، حتیٰ کہ نسبت ناتا کرنے

میں راضی کیا ۔ میں بھی سمجھا کہ جب بیٹی گھر میں پیدا ہوئی تو کسو نہ کسو سے ، بیاہا ہی چاہیے ۔ پس اس سے کیا بہتر ہے کہ پادشاہ زادے سے منسوب کر دوں؟ اس میں پادشاہ بھی منت‌دار ہوتا ہے ۔ میں قبول کر کے رخصت ہؤا ۔ اسی دن سے ، دونوں طرف ، تیاری بیاہ کی ، ہونے لگی ۔ ایک روز اچھی ساعت میں ، قاضی ، مفتی ، عالم ، فاضل ، اکابر سب جمع ہوئے ۔ نکاح باندھا گیا اور مہر معین ہؤا ۔ دلھن کو ، بڑی دھوم دھام سے ، لے گئے ۔ سب رسم رسومات کر کے ، فارغ ہوئے ۔ نوشہ نے رات کو ، جب قصد جماع کا کیا ، اس مکان میں ایک شور و غل ایسا ہؤا کہ جو باہر لوگ چوکی میں تھے ، حیران ہوئے ۔ دروازہ کوٹھڑی کا کھول کر چاہا ، دیکھیں کہ یہ کیا آفت ہے ۔ اندر سے ایسا بند تھا کہ کواڑ کھول نہ سکے ۔ ایک دم میں ، وہ رونے کی آواز بھی کم ہوئی ۔ پٹ کی چول اکھاڑ کر ، دیکھا تو دولھا سر کٹا ہؤا ، پڑا تڑپتا ہے اور دلھن کے منہ میں سے کف چلا جاتا ہے ۔ اور اسی مٹی لہو میں ، لتھڑی ہوئی ، بے حواس پڑی ، لوٹتی ہے ۔

”یہ قیامت دیکھ کر سب کے ہوش جاتے رہے ۔ ایسی خوشی میں یہ غم ظاہر ہؤا ۔ پادشاہ کو خبر پہنچی ، سر پیٹتا ہؤا دوڑا ۔ تمام ارکان سلطنت کے، جمع ہوئے ، پر کسی کی عقل کام نہیں کرتی کہ اس احوال کو دریافت کرے ۔ نہایت کو ، پادشاہ نے اس قلق کی حالت میں ، حکم کیا کہ ’ اس کمبخت ، بھونڈ پیری دلھن کا بھی ،

سر کاٹ ڈالو ۔' یہ بات پادشاہ کی زبان سے جونہی نکلی ، پھر ویسا ہی ہنگامہ برپا ہؤا ۔ پادشاہ ڈرا اور اپنی جان کے خطرے سے نکل بھاگا اور فرمایا کہ 'اسے محل سے باہر نکال دو ۔' خواصوں نے ، اس لڑکی کو ، میرے گھر پہنچا دیا ۔ یہ چرچا دنیا میں مشہور ہؤا ، جن نے سنا حیران ہؤا اور شہزادے کے مارے جانے کے سبب سے ، خود پادشاہ اور جتنے باشندے اس شہر کے ہیں ، میرے دشمن جانی ہوئے ۔

"جب ماتم داری سے فراغت ہوئی اور چہلم ہو چکا ، پادشاہ نے ارکان دولت سے صلاح پوچھی کہ 'اب کیا کیا چاہیے ؟' سبھوں نے کہا 'اور تو کچھ ہو نہیں سکتا ، پر ظاہر دل کی تسلی اور صبر کے واسطے ، اُس لڑکی کو اُس کے باپ سمیت مروا ڈالیے ، اور گھر بار ضبط کر لیجیے ۔' جب میری یہ سزا مقرر کی کوتوال کو حکم ہؤا ۔ اُس نے آ کر چاروں طرف سے میری حویلی کو گھیر لیا اور نرسنگا دروازے پر بجایا ۔ اور چاہا کہ اندر گھسیں اور پادشاہ کا حکم بجا لاویں ۔ غیب سے ، اینٹ پتھر ، ایسے برسنے لگے کہ تمام فوج تاب نہ لا سکی ۔ اپنا سر منہ بچال کر ، جیدھر تدھر بھاگی ۔ اور ایک آواز مہیب ، پادشاہ نے محل میں اپنے کانوں سنی کہ 'کیوں کم‌بختی آئی ہے ؟ کیا شیطان لگا ہے ؟ بھلا چاہتا ہے تو اُس نازنیں کے احوال کا ، متعرض نہ ہو ۔ نہیں تو ، جو کچھ تیرے بیٹے نے اُس سے شادی کر کر ، دیکھا ، تو بھی اُس کی دشمنی سے دیکھے گا ۔ اب اگر اُن کو ستاوے گا تو سزا پاوے گا ۔'

پادشاہ کو ، مارے دہشت کے ، تپ چڑھی ۔ وونہیں حکم کیا کہ ' ان بدبختوں سے کوئی مزاحم نہ ہو ۔ کچھ کہو نہ سنو ۔ حویلی میں پڑا رہنے دو ۔ زور ظلم آن پر نہ کرو ۔' اس دن سے عامل ، باؤ بتاس جان کر ، دعا تعویذ، اور سیانے ، جنتر منتر کرتے ہیں اور سب باشندے اس شہر کے اسم اعظم اور قرآن مجید پڑھتے ہیں ۔ مدت سے یہ تماشا ہو رہا ہے ، لیکن اب تک کچھ اسرار معلوم نہیں ہوتا اور مجھے بھی ہرگز اطلاع نہیں ۔ مگر اس لڑکی سے ایک بار پوچھا کہ ' تم نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا تھا ؟' یہ بولی کہ ' اور تو کچھ میں نہیں جانتی ، لیکن یہ نظر آیا کہ جس وقت میرے خاوند نے ، قصد مباشرت کا کیا ، چھت پھٹ کر ، ایک تخت مرصع کا نکلا ، اس پر ایک جوان خوب صورت ، شاہانہ لباس پہنے بیٹھا تھا اور ساتھ بہت سے آدمی اہتمام کرتے ہوئے اس مکان میں آئے اور شہزادے کے قتل کے مستعد ہوئے ۔ وہ شخص سردار، میرے نزدیک آیا اور بولا '' کیوں جانی! اب ہم سے کہاں بھاگو گی ؟'' ان کی صورتیں آدمی کی سی تھیں ، لیکن پاؤں بکریوں کے سے نظر آئے ۔ میرا کلیجا دھڑکنے لگا اور خوف سے غش میں آ گئی ۔ پھر مجھے کچھ سدھ نہیں کہ آخر کیا ہؤا ۔'

'' تب سے میرا یہ احوال ہے کہ اس پھوٹے مکان میں، ہم دونوں جی ، پڑے رہتے ہیں ۔ پادشاہ کے غصے کے باعث ، اپنے رفیق سب جدا ہو گئے اور میں گدائی کرنے جو نکلتا ہوں تو کوئی کوڑی نہیں دیتا ۔ بلکہ دکان پر

کھڑے رہنے کے روادار نہیں ۔ اس کمبخت لڑکی کے بدن پر ، لتا نہیں کہ سر چھپاوے اور کھانے کو میسر نہیں ، جو پیٹ بھر کھاوے ۔ خدا سے یہ چاہتا ہوں کہ موت ہماری آوے یا زمین پھاٹے اور یہ ناشدنی سماوے ۔ اس جینے سے مرنا بھلا ہے ۔ خدا نے شاید ، ہمارے ہی واسطے تجھے بھیجا ہے جو تو نے رحم کھا کر ایک مہر دی ۔ کھانا بھی مزیدار پکا کر کھایا اور بیٹی کی خاطر ، کپڑا بھی بنایا ۔ خدا کی درگاہ میں شکر کیا اور تجھے دعا دی ۔ اگر اس پر آسیب ، جن یا پری کا ، نہ ہوتا تو تیری خدمت میں، لونڈی کی جگہ دیتا اور اپنی سعادت جانتا ۔ یہ احوال اس عاجز کا ہے ۔ تو اس کے در پے مت ہو ، اور اس قصد سے در گذر ۔"

یہ سب ماجرا سن کر ، میں نے بہت منت و زاری کی کہ مجھے اپنی فرزندی میں قبول کر ۔ جو میری قسمت میں بدا ہوگا سو ہو گا ۔ وہ پیرمرد ہرگز راضی نہ ہؤا ۔ شام جب ہوئی ، اس سے رخصت ہو کر ، سرا میں آیا ۔ مبارک نے کہا " لو شہزادے ! مبارک ہو ، خدا نے اسباب تو درست کیا ہے ، بارے یہ محنت اکارت نہ گئی ۔" میں نے کہا " آج کتنی خوشامد کی ، پر وہ اندھا بے ایمان ، راضی نہیں ہوتا ۔ خدا جانے ، دیوے گا یا نہیں ۔" پر میرے دل کی یہ حالت تھی کہ رات کاٹنی مشکل ہوئی کہ کب صبح ہو ، تو پھر جا کرحاضر ہوں ۔ کبھو یہ خیال آتا تھا، اگر وہ مہربان ہو اور قبول کرے تو مبارک ، ملک صادق کی خاطر ، لے جائے گا ۔ پھر کہتا ، بھلا ہاتھ تو آوے ،

مبارک کو منا ونا کر ، میں عیش کروں گا - پھر جی میں یہ خطرہ آتا کہ اگر مبارک بھی قبول کرے تو جنوں کے ہاتھ سے وہی نوبت میری ہو گی ، جو پادشاہ زادے کی ہوئی اور اس شہر کا پادشاہ کب چاہے گا کہ اُس کا بیٹا مارا جائے اور دوسرا خوشی منائے ؟ -

تمام رات ، نیند اُچاٹ ہو گئی اور اسی منصوبے کے الجھیڑے میں کٹی - جب روز روشن ہؤا ، میں چلا - چوک میں سے ، اچھے اچھے تھان ، پوشاکی اور گوٹا کناری اور میوہ خشک و تر خرید کر کے ، اُس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہؤا - نہایت خوش ہو کر بولا کہ "سب کو اپنی جان سے زیادہ کچھ عزیز نہیں ، پر اگر میری جان بھی تیرے کام آوے تو دریغ نہ کروں اور اپنی بیٹی ابھی تیرے حوالے کروں - لیکن یہی خوف آتا ہے کہ اس حرکت سے ، تیری جان کو خطرہ نہ ہو کہ یہ داغ لعنت کا ، میرے اوپر تا قیامت رہے -" میں نے کہا " اب اس بستی میں بیکس واقع ہوں اور تم ، میرے دین و دنیا کے باپ ہو - میں اس آرزو میں ، مدت سے ، کیا کیا تباہی اور پریشانی کھینچتا ہؤا ، اور کیسے کیسے صدمے اُٹھاتا ہؤا ، یہاں تک آیا اور مطلب کا بھی سراغ پایا - خدا نے تمھیں بھی مہربان کیا ، جو بیاہ دینے پر رضامند ہوئے ، لیکن میرے واسطے آگا پیچھا کرتے ہو - ذرا منصف ہو کر غور فرماؤ تو عشق کی تلوار سے ، سر بچانا اور اپنی جان کو چھپانا ، کس مذہب میں درست ہے؟ ہرچہ بادا باد ، میں نے سب طرح اپنے تئیں برباد دیا ہے - معشوق کے وصال کو ، میں

زندگی سمجھتا ہوں ۔ اپنے مرنے جینے کی ، مجھے کچھ پروا نہیں ۔ بلکہ اگر ناآمید ہوں گا ، تو بن اجل مر جاؤں گا اور تمھارا ، قیامت میں دامنگیر ہوں گا ۔"

غرض اس گفت و شنید اور ہاں ناں میں ، قریب ایک مہینے کے ، خوف و رجا میں، گزرا ۔ ہر روز اُس بزرگ کی خدمت میں دوڑا جاتا اور خوشامد بر آمد کیا کرتا ۔ اتفاقاً وہ بوڑھا کاہلی ہؤا ۔ میں اُس کی بیمارداری میں حاضر رہا ۔ ہمیشہ، قارورہ حکیم پاس لے جاتا ۔ جو نسخہ لکھ دیتا، اُسی ترکیب سے بنا کر پلاتا اور شولا اور غذا ، اپنے ہاتھ سے پکا کر، کوئی نوالا کھلاتا ۔ ایک دن مہربان ہو کر کہنے لگا " اے جوان ! تو بڑا ضدی ہے ، میں نے ہرچند ساری قباحتیں کہہ سنائیں اور منع کرتا ہوں کہ اس کام سے باز آ ۔ جی ہے تو جہان ہے ، پر خواہ مخواہ ، کنویں گرا چاہتا ہے ۔ اچھا آج اپنی لڑکی سے تیرا مذکور کروں گا ، دیکھوں وہ کیا کہتی ہے ۔"

یا فقراء اللہ! یہ خوش خبری سن کر ، میں ایسا پھولا کہ کپڑوں میں نہ سمایا ۔ آداب بجا لایا اور کہا کہ " اب آپ نے میرے جینے کی فکر کی ۔" رخصت ہو کر مکان پر آیا اور تمام شب مبارک سے یہی ذکر مذکور رہا ۔ کہاں کی نیند اور کہاں کی بھوک ؟ صبح کو، نور کے وقت ، پھر جا کر موجود ہؤا ۔ سلام کیا ۔ فرمانے لگا کہ " لو اپنی بیٹی ہم نے تم کو دی ۔ خدا مبارک کرے ۔ تم دونوں کوخدا کی حفظ و امان میں سونپا ۔ جب تلک ، میرے دم میں دم ہے ، میری آنکھوں کے سامنے رہو ۔ جب میری

آنکھ مند جائے گی ، جو تمھارے جی میں آوے گا سو
کیجو ۔ مختار ہو ۔"

کتنے دن پیچھے، وہ مرد بزرگ ، جاں بحق تسلیم ہؤا ۔ رو پیٹ کر تجہیز تکفین کیا ۔ بعد تیجے کے ، اُس نازنین کو مبارک ، ڈولے کر کر ، کاروان سرا میں لے آیا اور مجھ سے کہا کہ " یہ امانت ملک صادق کی ہے ۔ خبردار ، خیانت نہ کیجو اور یہ محنت مشقت برباد نہ دیجو ۔" میں نے کہا " اے کاکا ! ملک صادق یہاں کہاں ہے ؟ دل نہیں مانتا ۔ میں کیونکر صبر کروں ؟ جو کچھ ہو سو ہو ، جیوں یا مروں ، اب تو عیش کرلوں ۔" مبارک نے دق ہو کر ڈانٹا کہ " لڑکپن نہ کرو ۔ ابھی ایک دم میں ، کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے ۔ ملک صادق کو دور جانتے ہو ، جو اُس کا فرمانا نہیں مانتے ہو ؟ اُس نے چلتے وقت ، پہلے ہی ، اونچ نیچ سب سمجھا دی ہے ۔ اگر اُس کے کہنے پر رہو گے اور صحیح سلامت اُس کو وہاں تک لے چلو گے تو وہ بھی پادشاہ ہے ، شاید تمھاری محنت پر توجہ کر کے ، تمھوں کو بخش دے تو کیا اچھی بات ہووے ۔ پیت کی پیت رہے، اور میت کا میت ہاتھ لگے ۔"

بارے ، اُس کے ڈرانے اور سمجھانے سے ، میں حیران ہو کر چپکا ہو رہا ۔ دو سانڈنیاں خرید کیں ، اور کجاؤں پر سوار ہو کر ، ملک صادق کے ملک کی راہ لی ۔ چلتے چلتے ، ایک میدان میں ، آواز غل شور کی آنے لگی۔ مبارک نے کہا شکر خدا کا، ہماری محنت نیک لگی ۔ یہ لشکر جنوں کا ، آ پہنچا ۔" بارے مبارک نے ، اُن سے مل جل کر پوچھا

کہ " کہاں کا ارادہ کیا ہے ؟ وہ بولے کہ " بادشاہ نے تمہارے استقبال کے واسطے، ہمیں تعینات کیا ہے ۔ اب تمہارے فرماں بردار ہیں ۔ اگر کہو تو ایک دم میں روبرو لے چلیں ۔" مبارک نے کہا " دیکھو ، کس کس محنتوں سے ، خدا نے پادشاہ کے حضور میں ہمیں سرخرو کیا ۔ اب جلدی کیا ضرور ہے ؟ اگر خدا نخواستہ ' کچھ خلل ہو جاوے تو ہماری محنت اکارت ہو اور جہاں پناہ کی غضبی میں پڑیں ۔" سبھوں نے کہا کہ " اس کے تم مختار ہو ۔ جس طرح جی چاہے چلو ۔" اگرچہ سب طرح کا آرام تھا ۔ پر رات دن چلنے سے کام تھا ۔

جب نزدیک جا پہنچے ، میں مبارک کو سوتا دیکھ کر اُس نازنین کے قدموں پر سر رکھ کر ، اپنے دل کی بے قراری ، اور ملک صادق کے سبب سے لاچاری ، نہایت منت و زاری سے کہنے لگا کہ " جس روز سے ، تمہاری تصویر دیکھی ہے ، خواب و خورش اور آرام ، میں نے اپنے اوپر حرام کیا ہے ۔ اب جو خدا نے یہ دن دکھایا ، تو محض بیگانہ ہو رہا ہوں ۔" فرمانے لگی کہ " میرا بھی دل ، تمہاری طرف مائل ہے کہ تم نے میری خاطر ، کیا کیا ھرج مرج اٹھایا اور کس کس مشقتوں سے لے آئے ہو ۔ خدا کو یاد کرو اور مجھے بھول نہ جائیو ۔ دیکھو تو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے !" یہ کہہ کر ، ایسی بے اختیار ، ڈاڑھ مار کر روئی کہ ھچکی لگ گئی ۔ ایدھر میرا یہ حال ، اُدھر اُس کا وہ احوال ۔ اس میں مبارک کی نیند ٹوٹ گئی ۔ وہ ، ہم دونوں مشتاقوں کا رونا دیکھ کر ،

رونے لگا اور بولا " خاطر جمع رکھو ، ایک روغن میرے پاس ہے اُس گلبدن کے بدن میں ، مَل دوں گا ، اُس کی بو ، سے ملک صادق کا جی ہٹ جائے گا ۔ غالب ہے کہ تمھیں کو بخش دے ۔"

مبارک سے یہ تدبیر سن کر ، دل کو ڈھارس ہوگئی ۔ اُس کے گلے سے لگ کر لاڑ کیا اور کہا " اے دادا ! اب تو میرے باپ کی جگہ ہے ۔ تیرے باعث میری جان بچی ۔ اب بھی ایسا کام کر جس میں میری زندگانی ہو ، نہیں تو ، اس غم میں مر جاؤں گا ۔" اُس نے ڈھیر سی تسلی دی ۔ جب روز روشن ہؤا ، آواز جنوں کی معلوم ہونے لگی ۔ دیکھا تو ، کئی خواص ملک صادق کے ، آئے ہیں اور دو سری پاؤ بھاری ، ہمارے لئے لائے ہیں اور ایک چوڈول ، موتیوں کی توڑ پڑی ہوئی ، اُن کے ساتھ ہے ۔ مبارک نے ، اُس نازنین کو وہ تیل مل دیا اور پوشاک پہنا ، بناؤ کروا کر ، ملک صادق کے پاس لے چلا ۔ بادشاہ نے دیکھ کر مجھے بہت سرفراز کیا اور عزت و حرمت سے بٹھایا اور فرمانے لگا کہ " تجھ سے میں ایسا سلوک کروں گا کہ کسو نے آج تک کسو سے نہ کیا ہو گا ۔ بادشاہت تو تیرے باپ کی موجود ہے ۔ علاوہ ، اب تو میرے بیٹے کی جگہ ہؤا ۔" یہ توجہ کی باتیں کر رہا تھا ، اتنے میں وہ نازنین بھی روبرو آئی ۔ اُس روغن کی بو سے ، یک بہ یک ، دماغ پراگندہ ہؤا اور حال بے حال ہوگیا ۔ تاب اُس باس کی نہ لاسکا ۔ اُٹھ کر باہر چلا گیا اور ہم دونوں کو بلوایا اور مبارک کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ

” کیوں جی! خوب شرط بجا لائے۔ میں نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر خیانت کرو گے تو خفگی میں پڑو گے ۔ یہ بو کیسی ہے ؟ اب دیکھو تمھارا کیا حال کرتا ہوں ۔“ بہت جزبز ہؤا ۔ مبارک نے ، مارے ڈر کے ، اپنا ازار بند کھول کر دکھا دیا کہ ” پادشاہ سلامت ! جب حضور کے حکم سے ، اس کار کے ہم متعین ہوئے تھے ، غلام نے پہلے ہی ، اپنی علامت کاٹ کر ڈبیا میں بند کر کے ، سر بہ مہر ، سرکار کے خزانچی کے سپرد کر دی تھی اور مرہم سلیمانی لگا کر روانہ ہؤا تھا ۔“

مبارک سے یہ جواب سن کر تب میری طرف ، آنکھیں نکال کے گھورا اور کہنے لگا ” تو یہ تیرا کام ہے !“ اور طیش میں آ کر ، منہ سے برا بھلا بکنے لگا ۔ اُس وقت ، اُس کے بت کہاؤ سے یوں معلوم ہوتا تھا ، کہ شاید جان سے مجھے مروا ڈالے گا ۔ جب میں نے ، اُس کے بشرے سے یہ دریافت کیا ، اپنے جی سے ہاتھ دھو کر ، اور جان کھو کر ، سرغلاف ، مبارک کی کمر سے کھینچ کر ، ملک صادق کی توند میں ماری ۔ چھری کے لگتے ہی نہوڑا اور جھوما ۔ میں نے حیران ہو کر جانا کہ مقرر مر گیا ۔ پھر اپنے دل میں خیال کیا کہ زخم تو ایسا کاری نہیں لگا ، یہ کیا سبب ہؤا ؟ میں کھڑا دیکھتا تھا کہ وہ زمین پر لوٹ لاٹ ، گیند کی صورت بن کر ، آسمان کی طرف اڑ چلا ۔ ایسا بلند ہؤا ، کہ آخر نظروں سے غائب ہو گیا۔ پھر ایک پل کے بعد ، بجلی کی طرح کڑکتا اور غصے میں

کچھ بے معنی بکتا ہؤا ، نیچے آیا اور مجھے ایک لات ماری که میں تیورا کر ، چاروں شانے چت ، گر پڑا اور جی ڈوب گیا ۔ خدا جانے کتنی دیر میں ہوش آیا ، آنکھیں کھول کر جو دیکھا تو ایک ایسے جنگل میں پڑا ہوں که جہاں سوائے کیکڑ ، اور ٹینٹی ، اور جھڑبیری کے درختوں کے ، کچھ اور نظر نہیں آتا ۔ اب اس گھڑی ، عقل کچھ کام نہیں کرتی که کیا کروں اور کہاں جاؤں ؟ نا اُمیدی سے ، ایک آہ بھر کر ، ایک طرف کی راہ لی ۔ اگر کہیں ، کوئی آدمی کی صورت ، نظر پڑتی تو ملک صادق کا نام پوچھتا ۔ وہ دیوانه جان کر جواب دیتا که " ہم نے تو ، اُس کا نام بھی نہیں سنا ! "

ایک روز ، پہاڑ پر جا کر ، میں نے یه اراده کیا که اپنے تئیں گرا کر ضائع کروں ۔ جو مستعد گرنے کا ہؤا ، وہی سوار ، صاحبِ ذوالفقار ، برقع پوش آ پہنچا اور بولا که " کیوں تو ، اپنی جان کھوتا ہے ؟ آدمی پر ، دکھ درد ، سب ہوتا ہے ۔ اب تیرے برے دن گئے اور بھلے دن آئے ۔ جلد روم کو جا ، تین شخص ایسے ہی آگے گئے ہیں ، اُن سے ملاقات کر اور وہاں کے سلطان سے مل ۔ تم پانچوں کا مطلب ، ایک ہی جگه ملے گا ۔ "

اس فقیر کی سیر کا یه ماجرا ہے جو عرض کیا ۔ بارے بشارت سے ، اپنے مولا مشکل کشا کی ، مرشدوں کے حضور میں آ پہنچا ہوں اور پادشاہ ظل اللہ کی بھی ، ملازمت حاصل ہوئی ۔ چاہئے که اب سب کی خاطر جمع ہو ۔

قصے کے اختتام میں

یہ باتیں، چار درویش اور بادشاہ آزاد بخت میں ہو رہیں تھیں کہ اتنے میں محلی، بادشاہ کے محل میں سے، دوڑا ہؤا آیا اور مبارک باد کی تسلیمیں، بادشاہ کے حضور بجا لایا اور عرض کی کہ اس وقت شاہزادہ پیدا ہؤا کہ آفتاب و مہتاب، اس کے حسن کے روبرو شرمندہ ہیں۔ بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ "بظاہر میں تو کسو کو حمل نہ تھا۔ یہ آفتاب کس کے برج حمل سے نمود ہؤا؟" اس نے التماس کیا کہ "ماہرو خواص، جو بہت دنوں سے غضب بادشاہی میں پڑی تھی، بے کسوں کی مانند ایک کونے میں رہتی تھی اور مارے ڈر کے، اس کے نزدیک کوئی نہ جاتا، نہ احوال پوچھتا تھا، اس پر یہ فضل الٰہی ہؤا کہ چاند سا بیٹا، اس کے پیٹ سے پیدا ہؤا۔"

بادشاہ کو ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ شاید شادی مرگ ہو جائے۔ چاروں فقیر نے بھی دعا دی کہ "بھلا بابا! تیرا گھر آباد رہے اور اس کا قدم مبارک ہو۔ تیرے سائے کے تلے بوڑھا بڑا ہو۔ بادشاہ نے کہا "یہ تمھارے قدم کی برکت ہے، والّا نہ اپنے تو سان گمان میں یہ بات نہ تھی۔ اجازت ہو تو جا کر دیکھوں۔" درویشوں نے کہا "بسم اللہ، سدھاریے۔" بادشاہ محل میں تشریف

لے گئے ۔ شہزادے کو گود میں لیا ، اور شکر پروردگار کی جناب میں کیا ۔ کلیجہ ٹھنڈا ہؤا ۔ وونہیں چھاتی سے لگائے ہوئے ، لا کر ، فقیروں کے قدموں پر ڈالا ۔ درویشوں نے دعائیں پڑھ کر ، جھاڑ پھونک دیا ۔ پادشاہ نے جشن کی تیاری کی ۔ دوھری نوبتیں جھڑنے لگیں ۔ خزانے کا منه کھول دیا ۔ داد و دھش سے ، ایک کوڑی کے محتاج کو ، لکھ پتی کر دیا ۔ ارکان دولت جتنے تھے ، سب کو دو چند جاگیر و منصب کے فرمان ھو گئے ۔ جتنا لشکر تھا ، انھیں پانچ برس کی طلب انعام ھوئی ۔ مشائخ اور اکابر کو مدد ، معاش اور التمغا عنایت ہؤا ۔ بے نواؤں کے میتے ، اور ٹکڑ گداؤں کے چملے ، اشرفی اور روپؤں سے بھر دئے ، اور تین برس کا خزانہ ، رعیت کو معاف کیا که جو کچھ بوویں جوتیں ، دونوں حصے اپنے گھروں میں اٹھالے جائیں ۔

تمام شہر میں ، ھزاری بزاری کے گھروں میں ، جہاں دیکھو وھاں ، تھئی تھئی ناچ ھو رہا ھے ۔ مارے خوشی کے ، ھر ایک ادنیٰ و اعلیٰ ، بادشاہ وقت بن بیٹھا ۔ عین شادی میں ، ایک بارگی ، اندرون محل سے رونے پیٹنے کا غل اٹھا ۔ خواصیں ، اور ترکنیاں ، اور اردابیگنیاں ، اور محلی خوجے ، سر میں خاک ڈالتے ھوئے باھر نکل آئے اور بادشاہ سے کہا کہ ”جس وقت شہزادے کو نہلا دھلا کر دائی کی گود میں دیا ، ایک ابر کا ٹکڑا آیا اور دائی کر گھیر لیا ۔ بعد ایک دم کے دیکھیں تو، انگا بے ھوش پڑی ھے اور شہزادہ غائب ھو گیا ۔ یہ کیا قیامت ٹوٹی !“ پادشاہ یہ تعجبات

سن کر حیران ہو رہا اور تمام ملک میں واویلا پڑی۔ دو دن تلک، کسو کے گھر ہانڈی نہ چڑھی۔ شہزادے کا غم کھاتے اور اپنا لہو پیتے تھے۔

غرض زندگانی سے لاچار تھے، جو اس طرح جیتے تھے۔ جب تیسرا دن ہؤا۔ وہی بادل پھر آیا اور ایک پنگھولا، جڑاؤ موتیوں کی توڑ پڑی ہوئی، لایا۔ اُسے محل میں رکھ کر آپ ہوا ہؤا۔ لوگوں نے، شہزادے کو اُس میں، انگوٹھا چوستے ہوئے پایا۔ پادشاہ بیگم نے جلدی، بلائیں لے کر، ہاتھوں میں اُٹھا کر، چھاتی سے لگا لیا۔ دیکھا تو کرتا آب رواں کا، موتیوں کا در دامن ٹکا ہؤا، گلے میں ہے اور اُس پر شلوکا تمامی کا پہنا ہے اور ہاتھ پاؤں میں کھڑوے، مرصع کے، اور گلے میں ہیکل، نورتن کی، پڑی ہے۔ اور جھنجھنا، چسنی، چٹے بٹے جڑاؤ، دھرے ہیں۔ سب سارے خوشی کے، واری پھیری ہونے لگیں اور دعائیں دینے لگیں کہ "تیری ماں کا پیٹ ٹھنڈا رہے اور تو بوڑھا آڑھا ہو۔"

پادشاہ نے ایک محل نیا تعمیر کروا کر، اور فرش بچھوا، اُس میں درویشوں کو رکھا۔ جب سلطنت کے کام سے فراغت ہوتی، تب آ بیٹھتے اور سب طرح سے خدمت اور خبرگیری کرتے۔ لیکن ہر چاند کی نو چندی جمعرات کو، وہی پارۂ ابر آتا اور شہزادے کو لے جاتا۔ بعد دو دن کے، تحفہ کھلونے، اور سوغاتیں ہر ایک ملک کی، اور ہر ایک قسم کی، شہزادے کے ساتھ لے آتا۔ جن کے دیکھنے سے، عقل انسان کی، حیران ہو جاتی۔ اسی قاعدے سے، پادشاہزادے

نے خیریت سے ، ساتویں برس میں پاؤں دیا ۔ عین سالگرہ کے روز ، پادشاہ آزادبخت نے فقیروں سے کہا کہ " سائیں اللہ! کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ شہزادے کو کون لے جاتا ہے اور پھر دے جاتا ہے ؟ بڑا تعجب ہے ۔ دیکھیے ، انجام اس کا کیا ہوتا ہے؟" درویشوں نے کہا " ایک کام کرو۔ ایک شقۂ شوقیہ ، اس مضمون کا لکھ کر، شہزادے کے گہوارے میں رکھ دو کہ تمھاری مہربانگی اور محبت دیکھ کر اپنا بھی دل ، مشتاق ملاقات کا ہؤا ہے ۔ اگر دوستی کی راہ سے ، اپنے احوال کی اطلاع دیجیے تو خاطر جمع ہو اور حیرانی بالکل دفع ہو ۔" بادشاہ نے ، موافق صلاح درویشوں کے، افشانی کاغذ پر ، ایک رقعہ اسی عبارت کا ، ترقیم کیا اور مہد زریں میں رکھ دیا ۔

شہزادہ ، بموجب قاعدہ قدیم کے ، غائب ہؤا ۔ جب شام ہوئی ، آزادبخت درویشوں کے بستروں پر آ کر بیٹھے اور کلمہ کلام ہونے لگا ۔ ایک کاغذ ، لپٹا ہؤا ، پادشاہ کے پاس آ پڑا ۔ کھول کر پڑھا تو جواب اسی شقے کا تھا۔ یہی دو سطریں لکھی تھیں کہ " ہمیں بھی اپنا مشتاق جانیے۔ سواری کے لئے تخت جاتا ہے ۔ اس وقت اگر تشریف لائیے تو بہتر ہے ۔ باہم ملاقات ہو، سب اسباب عیش و طرب کا مہیا ہے ۔ صاحب ہی کی جگہ خالی ہے ۔" پادشاہ آزادبخت، درویشوں کو ہمراہ لے کر ، تخت پر بیٹھے ۔ وہ تخت ، حضرت سلیمان کے تخت کے مانند ، ہوا پر چلا ۔ رفتہ رفتہ ایسے مکان پر جا اترے کہ عمارت عالی شان اور تیاری کا سامان نظرآتا ہے ، لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی

ہے یا نہیں - اتنے میں کسو نے ، ایک ایک سلائی سلیمانی سرمے کی، ان پانچوں کی آنکھوں میں پھیردی - دو دو بوندیں آنسو کی ٹپک پڑیں - پریوں کا اکھاڑا دیکھا کہ استقبال کی خاطر ، گلاب پاشیں لئے ہوئے ، اور رنگ برنگ کے جوڑے پہنے ہوئے ، کھڑا ہے -

آزاد بخت آگے چلے تو دورویہ ، ہزاروں پری زاد ، مؤدب کھڑے ہیں اور صدر میں ، ایک تخت زمرد کا ، دھرا ہے - اس پر ملک شہبال ، شاہ رخ کا بیٹا ، تکیے لگائے ، بڑے تزک سے بیٹھا ہے اور ایک پری زاد لڑکی روبرو بیٹھی ، شہزادۂ بختیار کے ساتھ کھیل رہی ہے - اور دونوں بغل میں ، کرسیاں اور صندلیاں ، قرینے سے بچھی ہیں - ان پر عمدہ پری زاد بیٹھے ہیں - ملک شہبال ، پادشاہ کو دیکھتے ہی سرو قد اٹھا اور تخت سے اتر کر ، بغل گیر ہؤا اور ہاتھ میں ہاتھ پکڑے ، اپنے برابر ، تخت پر لا کر ، بٹھایا اور بڑے تپاک اور گرم جوشی سے ، باہم گفتگو ہونے لگی - تمام روز ہنسی خوشی ، کھانے اور میوے اور خوشبوؤں کی ضیافت رہی ، اور راگ رنگ سنا کئے - دوسرے دن ، جب پھر دونوں پادشاہ جمع ہوئے ، شہبال نے پادشاہ سے ، درویشوں کے ساتھ لانے کی کیفیت پوچھی -

پادشاہ نے چاروں بےنواؤں کا ماجرا جو سنا تھا ، مفصل بیان کیا اور سفارش کی اور مدد چاہی کہ " انہوں نے اتنی محنت اور مصیبت کھینچی ہے ، اب صاحب کی توجہ سے ، اگر اپنے اپنے مقصد کو پہنچیں تو ثواب عظیم

ہے اور یہ مخلص بھی تمام عمر شکر گزار رہے گا ۔ آپ کی نظر توجہ سے ، ان سب کا بیڑا پار ہوتا ہے ۔" ملک شہبال نے سن کر کہا "بہ بسر و چشم ، میں تمھارے فرمانے سے قاصر نہیں ۔" یہ کہہ کر نگاہ کرم سے دیووں اور پریوں کی طرف دیکھا اور بڑے بڑے جن ، جو جہاں سردار تھے ، اُن کو نامے لکھے کہ " اس فرمان کے دیکھتے ہی ، اپنے تئیں ، حضور پرنور میں ، حاضر کرو ۔ اگر کسی کے آنے میں توقف ہوگا تو اپنی سزا پاوے گا اور پکڑا ہؤا آوے گا ۔ اور آدم زاد ، خواہ عورت خواہ مرد ، جس کے پاس ہو ۔ اُسے اپنے ساتھ لئے آوے ۔ اگر کوئی پوشیدہ کر رکھے گا ، اور ثانی‌الحال ظاہر ہوگا ، تو اُس کا زن و بچہ کولھو میں پیڑا جائے گا اور اُس کا نام و نشان باقی نہ رہے گا !"

یہ حکمنامہ لے کر ، دیو چاروں طرف متعین ہوئے ۔ یہاں دونوں بادشاہوں میں صحبت گرم ہوئی اور باتیں اختلاط کی ہونے لگیں ۔ اُس میں ، ملک شہبال ، درویشوں سے مخاطب ہو کر بولا کہ " اپنے تئیں بھی بڑی آرزو لڑکے ہونے کی تھی اور دل میں یہ عہد کیا تھا کہ اگر خدا بیٹا دے یا بیٹی ، تو اُس کی شادی بنی آدم کے بادشاہ کے یہاں ، جو لڑکا پیدا ہوگا ، اُس سے کروں گا ۔ اس نیت کرنے کے بعد معلوم ہؤا کہ بادشاہ بیگم پیٹ سے ہیں ۔ بارے دن اور گھڑیاں اور مہینے گنتے گنتے ، پورے دن ہوئے اور یہ لڑکی پیدا ہوئی ۔ موافق وعدے کے ، تلاش کرنے کے واسطے ، عالم جنّیات کو میں نے حکم کیا ، چار

دانگ دنیا میں جستجو کرو ۔ جس بادشاہ یا شہنشاہ کے یہاں فرزند پیدا ہؤا ہو ، اُس کو بہ جنس ، احتیاط سے ، جلد اُٹھا کر لے آؤ ۔' وونہیں ، بہ موجب فرمان کے ، پری‌زاد چاروں سمت پراگندہ ہوئے ، بعد دیر کے ، اس شہزادے کو میرے پاس لے آئے ۔

" میں نے شکر خدا کا کیا اور اپنی گود میں لے لیا ۔ اپنی بیٹی سے زیادہ ، اس کی محبت میرے دل میں پیدا ہوئی ۔ جی نہیں چاہتا کہ ایک دم نظروں سے جدا کروں ، لیکن اس خاطر بھیج دیتا ہوں کہ اگر اس کے ماں باپ نہ دیکھیں گے تو اُن کا کیا احوال ہو گا ۔ لہٰذا ہر مہینے میں ، ایک بار منگا لیتا ہوں ۔ کئی دن اپنے نزدیک رکھ کر پھر بھیج دیتا ہوں ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ، اب ہمارے تمہارے ملاقات ہوئی ، اُس کی کتخدائی کر دیتا ہوں ۔ موت حیات سب کو لگی پڑی ہے ، بھلا جیتے جی ان کا سہرا دیکھ لیں ۔"

پادشاہ آزاد بخت ، یہ باتیں ملک شہبال کی سن کر ، اور اُس کی خوبیاں دیکھ کر ، نہایت محظوظ ہوئے اور بولے " پہلے ہم کو شہزادے کے غائب ہو جانے ، اور پھر آنے سے ، عجب عجب طرح کے خطرے دل میں آتے تھے ، لیکن اب صاحب کی گفتگو سے تسلی ہوئی ۔ یہ بیٹا اب تمہارا ہے ، جس میں تمہاری خوشی ہو سو کیجیے ۔" غرض دونوں پادشاہوں کی صحبت ، مانند شکر شیر کے رہتی اور عیش کرتے ۔ دس پانچ دن کے عرصے میں ، بڑے بڑے پادشاہ ، گلستان ارم کے ، اور کوہستاں کے ، اور جزیروں

کے — جن کے طلب کی خاطر لوگ تعینات ہوئے تھے — سب آکر حضور میں حاضر ہوئے ۔ پہلے ملک صادق سے فرمایا کہ تیرے پاس جو آدم زاد ہے حاضر کر ۔ اُس نے نپٹ غم و غصہ کھا کر ، لاچار ، اُس گلعذار کو حاضر کیا ۔ اور ولایت عمان کے بادشاہ سے ، شہزادی جنّ کی (جس کے واسطے شہزادہ ملک نیم روز کا ، گاؤ سوار ہو کر سودائی بنا تھا) مانگی ۔ اُس نے بھی ، بہت سی عذر معذرت کر کے ، حاضر کی ۔ جب بادشاہ فرنگ کی بیٹی اور بہزاد خاں کو طلب کیا ، سب منکر پاک ہوئے اور حضرت سلیمان کی قسم کھانے لگے ۔

آخر ، دریائے قلزم کے پادشاہ سے ، جب پوچھنے کی نوبت آئی تو وہ سر نیچا کر کے چپ ہو رہا ۔ ملک شہبال نے اُس کی خاطر کی اور قسم دی اور اُمیدوار سرفرازی کا کیا اور کچھ دھونس دھڑکا بھی دیا ۔ تب وہ بھی ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگا کہ ” پادشاہ سلامت ! حقیقت یہ ہے کہ جب بادشاہ ، اپنے بیٹے کے استقبال کی خاطر ، دریا پر آیا اور شہزادے نے مارے جلدی کے گھوڑا دریا میں ڈالا ، اتفاقاً میں اُس روز ، سیر و شکار کی خاطر نکلا تھا ۔ اُس جگہ میرا گزر ہؤا ۔ سواری کھڑی کر کے ، یہ تماشا دیکھ رہا تھا ۔ اس میں شہزادی کو بھی ، گھوڑی دریا میں لے گئی ۔ میری نگاہ جو اُس پر پڑی ، دل بے اختیار ہؤا ۔ پری زادوں کو حکم کیا کہ شہزادی کو ، بہ معہ گھوڑی ، لے آؤ ۔ اُس کے پیچھے بہزاد خاں نے گھوڑا پھینکا ۔ جب وہ بھی غوطے کھانے لگا اُس کی دلاوری اور مردانگی

پسند آئی ، اُس کو بھی ہاتھوں ہاتھ پکڑ لیا - اُن دونوں کو لے کر ، میں نے سواری پھیری - سو ، وے دونوں صحیح سلامت میرے پاس موجود ہیں -"

یہ احوال کہہ کر دونوں کو روبرو بلایا - اور سلطان شام کی شہزادی کی تلاش ، بہت کی اور سبھوں سے ، بہ سختی و ملائمت ، استفسار کیا - لیکن کسو نے حامی نہ بھری اور نہ نام و نشان بتایا - تب ملک شہپال نے فرمایا کہ " کوئی بادشاہ یا سردار ، غیر حاضر بھی ہے یا سب آ چکے ؟ " جنوں نے عرض کی کہ " جہاں پناہ ! سب حضور میں آئے ہیں مگر ایک مسلسل جادو جس نے کوہ‌قاف کے پردے میں ایک قلعہ ، جادو کے علم سے بنایا ہے ، وہ اپنے غرور سے نہیں آیا ہے اور ہم غلاموں کو طاقت نہیں جو بہ‌زور اس کو پکڑ لاویں ، وہ بڑا قلب مکان ہے اور وہ خود بھی بڑا شیطان ہے -"

یہ سن کر ملک شہپال کو طیش آیا - اور لڑاکی فوج ، جنوں ، اور عفریتوں ، اور پری زادوں کی ، تعینات کی اور فرمایا " اگر راستی میں ، اُس شہزادی کو ساتھ لے حاضر ہو فبہا ، وإلا نہ ، اُس کو زیر و زبر کر کے مشکیں باندھ کر لے آؤ - اور اُس کے گڑھ اور ملک کو نیست و نابود کر کے ، گدھے کا ہل پھروا دو -" وونہیں ، حکم ہوتے ہی ، ایسی کتنی فوج روانہ ہوئی کہ ایک آدھ دن کے عرصے میں ، ویسے جوش و خروش والے سرکش کو ، حلقہ بہ گوش کر کے پکڑ لائے اور حضور میں دست بستہ کھڑا کیا - ملک شہپال نے ہر چند سرزنش کر کے پوچھا

لیکن اُس مغرور نے ، سوائے ناں کے ، ہاں نہ کی ۔ نہایت کو، غصے ہو کر فرمایا کہ " اس مردود کے ، بند بند جدا کرو اور کھال کھینچ کر بھس بھرو ۔" اور پری زاد کے لشکر کو تعین کیا کہ کوہ قاف میں جا کر، ڈھونڈ ڈھانڈ کر ، پیدا کرو ۔ وہ لشکر متعینہ شہزادی کو بھی تلاش کر کے لے آیا ۔ اور حضور میں پہنچایا ۔ اُن سب اسیروں نے ، اور چاروں فقیروں نے ، ملک شہبال کا حکم اور انصاف دیکھ کر ، دعائیں دیں اور شاد ہوئے ۔ پادشاہ آزاد بخت بھی بہت خوش ہؤا ۔ تب ملک شہبال نے فرمایا کہ " مردوں کو دیوان خاص میں ، اور عورتوں کو پادشاہی محل میں ، داخل کرو اور شہر میں آئینہ بندی کا حکم کرو اور شادی کی تیاری جلد کرو ۔" گویا حکم کی دیر تھی ۔

ایک روز ، نیک ساعت اور مبارک مہورت دیکھ کر، شہزادۂ بختیار کا عقد ، اپنی بیٹی روشن اختر سے باندھا ، اور خواجہ زادۂ یمن کو دمشق کی شہزادی سے بیاہا ، اور ملک فارس کے شہزادے کا نکاح بصرے کی شہزادی سے کر دیا ، اور عجم کے بادشاہزادے کو فرنگ کی ملکہ سے منسوب کیا ، اور نیم روز کے بادشاہ کی بیٹی کو بہزاد خاں کو دیا ، اور شہزادۂ نیم روز کو ، جنّ کی شہزادی حوالے کی ، اور چین کے شہزادے کو ، اس پیر مرد عجمی کی بیٹی سے (جو ملک صادق کے قبضے میں تھی) کتخدا کیا ۔ ہر ایک نامراد ، بدولت ملک شہبال کی ، اپنے اپنے مقصد اور مراد کو پہنچا ۔ بعد اُس کے چالیس دن تلک جشن فرمایا اور عیش و عشرت میں رات دن مشغول رہے ۔

آخر ملک شہبال نے ، ہر ایک بادشاہزادے کو ، تحفے اور سوغاتیں اور مال اسباب دے دے کر ، اپنے اپنے وطن کو رخصت کیا ۔ سب ، بہ‌خوشی و خاطر جمعی ، روانہ ہوئے اور بہ خیر و عافیت جا پہنچے اور بادشاہت کرنے لگے ۔ مگر ایک بہزادخاں اور خواجہ زادہ‌یمن ، اپنی خوشی سے ، بادشاہ آزاد بخت کی رفاقت میں رہے ۔ آخر یمن کے خواجہ‌زادے کو خان‌سامان اور بہزادخاں کو میر بخشی، شہزادۂ صاحب اقبال یعنی بختیار کی فوج کا ، کیا ۔ جب تلک جیتے رہے ، عیش کرتے رہے ۔

الٰہی ! جس طرح یہ چاروں درویش ، اور پانچواں بادشاہ آزاد بخت ، اپنی مراد کو پہنچے ، اسی طرح ، ہر ایک نامراد کا مقصد دلی ، اپنے کرم اور فضل سے بر لا ، بہ طفیل پنجتن پاک ، دوازدہ امام ، چہاردہ معصوم (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے ۔ آمین ، یاإلٰہ العٰلمین ۔

خاتمۂ کتاب میں

جب یہ کتاب ، فضل الٰہی سے ، اختتام کو پہنچی ، جی میں آیا کہ اس کا نام بھی ایسا رکھوں کہ اسی میں تاریخ نکلے - جب حساب کیا ، تو بارہ سو پندرہ ھجری کے آخر سال میں کہنا شروع کیا تھا - باعث عدم فرصت کے ، بارہ سو سترہ سن کی ابتدا میں ، انجام ہوئی - اس فکر میں تھا کہ دل نے کہا کہ " باغ و بہار " اچھا نام ھے کہ ھم نام وھم تاریخ اس میں نکلتی ھے - تب میں نے یہی نام رکھا - جو کوئی اس کو پڑھے گا گویا باغ کی سیر کرے گا ، بلکہ باغ کو آفت خزاں کی بھی ھے اور اس کو نہیں - یہ ھمیشہ سر سبز رھے گا :

مرتب ھؤا جب یہ "باغ و بہار"
تھے سن بارہ سو سترہ در شمار
کرو سیر اب اس کی تم رات دن
کہ ھے نام و تاریخ " باغ و بہار "

خزاں کا نہیں اس میں آسیب کچھ
ھمیشہ تر و تازہ ہے یہ بہار

مرے خون دل سے یہ سیراب ہے
*اور لختِ جگر کے ہیں سب برگ و بار
مجھے بھول جاویں گے سب بعد مرگ
رہے گا مگر یہ سخن یادگار
اسے جو پڑھے، یاد مجھ کو کرے
یہی قاریوں سے مرا ہے قرار
خطا گر کہیں ہو تو رکھیو معاف
کہ پھولوں میں پوشیدہ رہتا ہے خار
ہے انساں، مرکّب ز سہو و خطا،
یہ چوکے گا، ہر چند ہو ہوشیار
میں اس کے سوا چاہتا کچھ نہیں
یہی ہے دعا میری اے کردگار
تری یاد میں، میں رہوں دم بہ دم
کٹے اس طرح میرا لیل و نہار
نہ پرسش کی سختی ہو مجھ پر کبھو
نہ شب گور کی، اور نہ روز شمار
تو کونین میں لطفؔ پر لطف رکھ
خدایا، بہ حق رسول کبار

---

* بظاہر معلوم ہوگا کہ یہ مصرع ساقط الوزن ہے اور شاید اصل میں 'اور' کی جگہ 'کہ' ہونا چاہئے تھا۔ مگر دونوں مصرعوں کو ملا کر پڑھیں تو ایک نئے ترنم کا لطف حاصل ہوتا ہے۔

باغ و بہار کی زندہ نثر

" کامیاب داستان گوئی کا گر یہ ہے کہ داستان گو اپنی شخصیت کو ہمیشہ پس پردہ رکھے۔" پروفیسر کلیم الدین احمد کا یہ خیال اگر صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے اور یہ مان بھی لیا جائے کہ میر امن نے 'باغ و بہار' میں اپنی شخصیت کو چھپانے کی پوری کوشش کی ہے ۔ تب بھی یہ تسلیم کرنا ذرا مشکل ہے کہ میرامن باغ و بہار میں کہیں بھی ظاہر نہیں ہوئے اور ان کی شخصیت خود کو چھپانے کی پوری کوششوں کے باوجود انعکاس ماحول ، انداز بیان اور لب و لہجہ کی چلمنوں کے پیچھے سے جلوہ نما نہیں ہوئی ۔ باغ و بہار کی کہانی پرانی سہی مگر اس کو لکھنے والا پرانا نہ تھا ۔ وہ 'میر امن دلی والا' تھا ۔ انیسویں صدی کی دلی کا — اور یہ اسی دلی والے کا اعجاز ہے کہ باغ و بہار اردو نثر کی پہلی زندہ کتاب قرار پائی ہے اور ملک یمن کے بادشاہ جواں بخت اور چار درویشوں کی فرضی داستان ہونے کے باوجود وہ کچھ اس طرح جیتی جاگتی کہانی یا کہانیوں کا مجموعہ معلوم ہوتی ہے کہ گویا سچ مچ کسی بادشاہ یا چار درویشوں کی سچی اگرچہ خیال انگیز سرگزشت ہے ۔ باغ و بہار کا یہ سحر یا 'معجزۂ فن کی یہ نمود' کن عناصر مختلف کا رہین منت ہے — اس کا مختصر جواب اس مضمون میں پیش کیا جاتا ہے ۔

سطور بالا میں ، میں نے عرض کیا ہے کہ باغ و بہار اردو نثر کی پہلی زندہ کتاب ہے ۔ پھر کیا باغ و بہار سے پہلے اردو نثر اس نعمت زندگی سے بہرہ ور نہ تھی؟ بے شک! نہ تھی! یوں

زندگی کے ابتدائی مراحل وہ ضرور طے کر رہی تھی ۔ عالم جمادات سے عالم نباتات ، اور عالم نباتات سے عالم حیوانات تک زندگی جس طرح ارتقا پذیر ہوتی رہتی ہے اردو نثر بھی ان درجوں سے گزرتی جا رہی تھی — یہ باغ و بہار ہی تھی جس نے فورٹ ولیم کالج کے نئے ماحول میں اردو نثر کو زندگی کی اس منزل سے روشناس کیا جو طبقات وجود میں اشرف المخلوقات کو حاصل ہے ۔ اور جس طرح حیوان سے حیوان ناطق ہو کر انسان ترقی کی لا تعداد منزلوں تک بڑھتا رہتا ہے اور بڑھتا جائے گا ، اسی طرح اردو کی زندہ نثر بھی باغ و بہار کے بعد ترقی کرتی رہی ہے اور کرتی جائے گی — مگر اس کی زندگی کی نمود اول باغ و بہار کے گلستان بے خزاں اور اسی کے چمن روح افروز میں وقوع میں آئی ہے ۔

باغ و بہار کی نثر کو زندہ نثر کہنے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس کے آئینے میں ہمیں مصنف کی ذات اور اس کے زمانے کا عکس اتنا صاف صاف دکھائی دیتا ہے اور اس دور کی زندگی اس طرح واضح طور پر نقش پذیر ہو گئی ہے کہ داستان ہونے کے باوجود اس میں دلی کے در و دیوار اور اس کے اشخاص و افراد کی چلتی پھرتی بلکہ بولتی چالتی تصویریں نظر آنے لگتی ہیں — مانا کہ اس کے کرداروں کے نام اور ان کے بعض اعمال و افعال ہمارے لیے نامانوس ہیں مگر ہمیں محض ناموں سے کیا غرض ہے — یہ تو میر امن کی اعجوبہ افزائی ہے کہ اس نے دلی کے اشخاص کو دوسرے لباسوں میں ملبوس کر کے ان سے کامیاب ایکٹنگ کرایا ہے اور ہمیں محظوظ کیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ معمولی کرید سے ان ایکٹروں کے اصلی خط و خال نمایاں ہوئے بغیر نہیں رہتے ، اور یہ ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتا کہ یہ ایکٹر

دلی کے کوچوں میں صبح و شام گشت کرنے والے اشخاص ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ کہانی کا پلاٹ تخیل کا رہین منت ہے اگرچہ اس کی تعمیر میں ان سے پہلے کے فن کاروں کا حصہ غالب ہے۔ باغ و بہار سے پہلے نثر کی نہایت مشہور کتابوں میں بھی اس طور سے زندگی کے آثار نہیں پائے جاتے۔ مثلاً 'سب رس' وجہی ایک لحاظ سے خاصی بلند پایہ کتاب ہے مگر ایلیگری کی تمثیلیت اور فرضیت نے اس کے قالب کو کاغذی قالب کی صورت میں نمایاں کیا ہے۔ اس میں اس کا مصنف اور اس کے زمانے کی معاشرت کہیں بھی نمودار نہیں ہوئی اور یہی نہیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کاٹھ کے بھدے بھدے گھوڑے ہیں جو بچوں کے لیے بنائے گئے ہیں، خیالات کی زین ان میں سے کسی پر فٹ نہیں آتی — اور یہ گھوڑے وہ ہیں جو چلتے نہیں چلائے جاتے ہیں۔ نثر کی دوسری بڑی کتاب بلکہ بہت بڑی کتاب تحسین کی — 'نو طرز مرصع' ہے۔ یہ داستان ہے اور وہی داستان ہے جس میں میر امن نے روح پھونک کر اس کو میر امن دلی والے کی باغ و بہار بنا دیا ہے — مگر نو طرز مرصع، نو طرز اور مرصع ہونے کے باوجود زندہ نثر کی کتاب نہیں، یہ بھی وہی کاٹھ کے گھوڑے ہیں، ہاں فرق یہ ہے کہ ان پر ریشمی زین پوش پڑے ہوئے ہیں جو نظر فریب اور زرق برق ہیں مگر ان زین پوشوں کے تلے جو گھوڑے ہیں چل وہ بھی نہیں رہے بلکہ نوطرز میں تو ان پر اتنا بوجھ ہے کہ بعض اوقات چلانے سے بھی نہیں چلتے۔ بالکل جامد اور ساکت ہیں۔

خیر، یہ تو تھا استعارہ، اب حقیقت یہ ہے کہ باغ و بہار حقیقتاً اردو کی زندہ نثر کا پہلا بڑا شاہکار ہے۔ اس کی نثر کو زندگی بخشنے والا عنصر کیا تھا؟ وہ یہ تھا کہ اس کے لکھنے

والے کو اپنے ' دلی وال ' ہونے کا احساس تھا اور یہ احساس محض پندار یا کسی دعوائے باطل کا مظاہرہ نہ تھا بلکہ ان عظیم، مسلسل اور شاندار روایتوں کا پختہ اور گہرا اعتقاد تھا جو شاہ جہاں آباد دہلی کے مکینوں اور مقیموں کو نسلاً بعد نسل وراثت میں ملتا آیا تھا — میر امن کا یہ احساس باغ و بہار میں کئی موقعوں پر صاف الفاظ میں ظاہر ہؤا — اور دیباچے میں تو اس کی لے اتنی تیز ہوگئی کہ ' فسانۂ عجائب' والے رجب علی سرور کو ان کا یہ ادعا ناگوار بھی گزرا کیونکہ وہ یہ سمجھے کہ یہ میرامن کی چوٹ ہے لکھنؤ کے خلاف، حالانکہ یہ چوٹ نہ تھی اور نہ یہ محض ادعا تھا بلکہ وہ زندہ احساس تھا جو ہر دلی والے کے دل میں گڑا ہؤا ہوتا ہے اور اس کی زبان سے بے ساختہ ظاہر بھی ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ باغ و بہار کے دیباچے میں میر امن کی مجبوری کی یہ صدا اس طرح سنائی دیتی ہے :

" جو شخص دلی کا روڑا ہو کر رہا اور دس پانچ پشتیں اسی شہر میں گزریں اور اس نے دربار امرا کے دیکھے اور میلے ٹھیلے ، عرس چھڑیاں ، سیر و تماشا اور کوچہ گردی اس شہر کی کی ہوگی اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہوگا ۔ اس کا بولنا بہت ٹھیک ہے ۔"

سیر المصنفین کے مصنف مولوی محمد یحییٰ تنہا نے فیلن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میر امن کہا کرتے تھے " شاعری میرا پیشہ نہیں ، نہ میں کسی شاعر کا بھائی ہوں ، میری اردو ٹکسالی اردو ہے کیونکہ میں دلی (شاہ جہاں آباد) کا روڑا ہوں اور یہیں کا پرورش یافتہ ہوں " (ج ۱ ، ص ۱۷)، یہ میر امن کے مندرجہ بالا بیان کی مزید تصدیق ہے ، —! " میں دلی کا روڑا ہوں اور یہیں کا پرورش یافتہ ہوں — " ان الفاظ میں خلوص

اور جذبات عقیدت کا وہ پختہ رنگ نظر آتا ہے جس کو ہم محض انفرادی آواز نہیں کہہ سکتے ، یہ در حقیقت اس راسخ عقیدت کا اظہار ہے جو ہر دلی والے کو دلی کی تہذیب سے تھی جس کا اصل رنگ ایک آدھ پشت کے قیام سے نہیں چڑھتا تھا بلکہ " دس پانچ پشتیں اس شہر میں گزریں " اور خود بھی " کوچہ گردی اس شہر کی " — اور سچ پوچھیے تو میرامن کی طرح ہر بڑے دلی والے کے دل میں دلی کی صحبت اس طرح بسی ہوئی تھی کہ دلی چھوڑ کر بھی دلی کے کوچے اس کی چشم خیال کو " اوراق مصور " ہی نظر آئے — اور اس میں میر تقی ہوں یا میر حسن ، میر انیس ہوں یا میر امن سبھی شریک دکھائی دیتے ہیں ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ باغ و بہار داستان ہو یا کچھ ہو اس کی رگ رگ میں ایک زندہ احساس اور ایک توانا جذبہ متصرف اور دخیل ہے جو زبان و بیان کے علاوہ خود مطالب و مضامین کے مواد میں بھی صورت پذیر ہو رہا ہے ۔ باغ و بہار میں دلی کی تہذیب بول رہی ہے ، اس کی تصویریں گردش کر رہی ہیں ، اس کے امرا ، اس کے میلے ٹھیلے ، اس کے سیر و تماشا ، اس کی ضیافتیں ، اس کی تقریبات ، اس کے رسوم و قواعد ، اس کے آداب و مراسم — غرض اس میں سب کچھ وہ ہے جو اس زمانے کی دلی میں تھا یا ہو سکتا تھا ۔ گویا یہ ایک زندگی کا نقشا ہے اور ظاہر ہے کہ زندگی کے کامیاب نقشے وہی نثر بنا سکتی ہے جو خود بھی زندہ ہو اور سانس لے رہی ہو ۔

اس مختصر سے مضمون میں دلی کی تہذیب کی تفصیل بیان نہیں ہو سکتی میں صرف اس کے ایک پہلو سے بحث کرتا ہوں ۔ باغ و بہار میں بزم کی تقریبات بہت ہیں ۔ اور یہ اس زمانے کی عام معاشرت کا ایک اہم پہلو تھا ۔ شاہی درباروں کے لوازم

میں ایک خاص بات اعلیٰ درجے کی مہمانداری بھی تھی - ان مہمانداریوں میں جو تکلف و اہتمام ہوتا تھا اس کا کچھ حال بزم آخر (اور لکھنؤ کے متعلق ' تمدن کا آخری نمونہ') میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے - ہرصورت ان مجالس میں ساز و سامان کی کثرت و فراوانی ہوتی تھی اور یہ اس دور کی ایک مخصوص ذہنی کیفیت کی شارح ہے - یہ سب چیزیں ثروت اور دولت مندی کی پیداوار ہؤا کرتی ہیں - اور درباروں اور شاہی محلات میں دولت کی کوئی کمی نہ تھی - اسی سبب سے باغ و بہار کی محافل میں ہمیں اس زمانے کے شاہی محلات کا ٹھاٹھ ملتا ہے - ساز و سامان کی کثرت کا تصور دلانے کے لیے اور الوان نعمت کی رنگا رنگی کا نقشہ دکھانے کے لیے مصنف بعض اوقات یہ بھی فراموش کر دیتا ہے کہ مختلف موسموں کے پھل ایک دسترخوان پر جمع نہیں کرنے چاہییں مگر ایک تو داستان کی اعجوبہ خیزی اور پھر مبالغے کے ذریعے کثرت کا نقشہ جمانے کی خاطر مصنف یہ بھی کر گزرا ہے - اور در اصل یہ میر امن پر ہی موقوف نہیں دھلی کے اکثر بڑے ادبا کے یہاں ' کثرت نمائی ' کی یہی تکنیک پائی جاتی ہے - میر حسن نے سحرالبیان میں اسی حربے سے کام لیا ہے اور میر انیس کے مراثی میں بھی مبالغہ کی اسی رنگ کی کیفیتیں مل جاتی ہیں - اور یہ شاید ساری مغلیہ ثقافت کا ایک خصوصی رجحان ہے کیونکہ مغلوں کی مصوری اور تعمیر میں بھی جزئیات کی فراوانی (Sumptuousness of Detail) اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ شاید فن کے دوسرے پہلو اس کے سامنے دھیمے پڑ گئے ہیں - میر امن اور میر حسن بھی اسی ثقافت کے وارث اور دعوے دار تھے - اس لیے ان کے یہاں یہ فراوانی اور کثرت ان کا انفرادی رجحان ہے جس کے وہ

نمائندہ ہیں ۔ [محض طعام کی رونق اور تکلف کے لیے ملاحظہ ہو باغ و بہار (انجمن ایڈیشن) صفحہ ۷ ، ۷۹ ، ۸۰ ، ۸۶ ، ۹۷ ، ۱۱۵ ، ۷۸ ، ۱۱۸] ان تقریبات کی گہما گہمی اور ہماہمی کے اندر شرفائے دھلی کے اخلاق و کردار کے مرقعے بھی ملتے ہیں ۔ ان کی مہذب گفتگو اور شریفانہ لب و لہجہ بھی ان کے اخلاق اجتماعی کے بڑے اچھے تصور پیدا کرتا ہے ۔ گفتگو میں حفظ مراتب ، موقع شناسی ، انکسار ، تلطف ، رکھ رکھاؤ ، نکتہ آفرینی ، رمز و اشارہ ، — یہ سب دلی کے نقوش ہیں ۔

" خداوند آپ قدر دان ہیں ، حاجت عرض کرنے کی نہیں ، الٰہی ، تارا اقبال کا چمکتا رہے ۔"

" اگر مہربانی فرمائیے تو ہمارا خداوند صاحب کا مشتاق ہے " (انجمن ایڈیشن صفحہ ۱۱۲)

" محض صاحب کی ملاقات کی آرزو میں یہاں تک آیا ہوں " (صفحہ ۱۱۲)

یہ صاف دلی کے شرفا کا لہجہ ہے جس کی لاتعداد مثالیں باغ و بہار میں موجود ہیں ۔

باغ و بہار ایک تہذیب کی آواز تو ہے ہی یہ اس زمانے کے ذہنی رجحانات کی آئینہ‌دار بھی ہے ، زمانے کے یہ رجحانات باغ و بہار کے محاورات میں اپنا عکس دکھا رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ محاورہ زندگی کی ان دیرپا اور مستقل کیفیتوں کی ترجمانی کرتا ہے جو کسی اجتماع کے مسلسل عمل و تعامل سے پیدا ہوتی ہیں — محاورہ عربی کے مادہ ح و ر سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ' گردش کرنا ' گویا محاورات دو یا دو سے زیادہ لفظوں کی مسلسل گردش سے پیدا ہوتے ہیں جن کو

کوئی قوم زندگی کی سچائیوں کے مطابق جان کر اختیار کر لیتی ہے ،اس سے قوموں کی ذہانت ، ان کے احساس جمال ، ان کی نکتہ رسی، ان کی نکتہ دانی، ان کی حقیقت شناسی اور نفسیات شناسی ، ان کے نقطہ ہائے نظر ، ان کے اوہام و رسوم اور دوسرے معاشرتی امور کے عمدہ سے عمدہ نقشے بنتے اور بگڑتے ہیں ۔

کوئی نثر جب درجۂ بلوغ تک پہنچ جاتی ہے تو اس میں محاورہ کے صحیح اور با سلیقہ استعمال کی قدرت پیدا ہو جاتی ہے ، محاورہ کا با سلیقہ استعمال محاورات کی بھرمار اور اسراف کا نام نہیں یہ تو لفظی کفایت شعاری کا ایک خوش نما عمل ہے یعنی تھوڑے لفظوں میں اجتماعی اور انفرادی زندگی کا کوئی مرقع اگر پیش کرنا ہو تو اس کے لیے اچھے اور بر محل محاورے سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں ۔ میر امن کی نثر میں زندگی اور خود شناسی کی شان بھی ان کی محاورہ بندی نے پیدا کی ہے ۔ رجب علی بیگ سرور نے لکھنؤ ، کی ضد سے اس نکتے تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی کہ مناسب اور بر محل محاورہ بندی ایک بے ساختہ تہذیبی عمل ہے ۔ عمدہ اور زندہ نثر میں محاورہ بلایا نہیں جاتا خود آ جاتا ہے ۔ باغ و بہار میں محاورات بلائے نہیں گئے خود آ گئے ہیں مگر بے تکلف دوست کی طرح ناخواندہ مہمان کی طرح نہیں —— !

یہ سب کچھ دراصل میر امن کی تہذیب کا کرشمہ ہے جو باغ و بہار میں زندہ عنصر کی حیثیت سے موجود ہے ۔ دلی کی ذہنی خصوصیت ، عام طور پر ، ملاحت ، نمکینی ، اور Wit کے اظہار میں لطف محسوس کرتی ہے ۔ Humour کی وہ اقسام جو آزادی سے پیدا ہوتی ہیں دلی کے مزاج سے کچھ زیادہ مانوس معلوم نہیں ہوتیں ۔ دلی کا کلچر خود ضبطی اور انضباط نفس

کا کلچر تھا جس کے سایے میں ظرافت کے رنگ اچھی طرح نمودار نہیں ہوسکے، اس میں تو نکتہ آفرینی اور دھیمے مزاح کی کیفیات خوب روشن ہوئی ہیں ۔ جس طرح دہلی کا مزاج رمزیت اور اشاریت کا دل دادہ ہے اسی طرح وہ دھیمے مزاح Wit کا دل دادہ ہے ــــ باغ و بہار کے محاورات اس خصوصیت کو خوب خوب آشکار کرتے ہیں ۔

مندرجہ بالا تہذیبی اور ذہنی کیفیتوں کے اظہار کے لیے آپ مندرجہ ذیل فقرات میں آئے ہوئے محاوورات پر نظر ڈالیے :ــــ

" راہی مسافر جنگل میدان میں سونا اچھالتے جاتے کوئی نہ پوچھتا کہ تمھارے منہ میں کے دانت ہیں اور کہاں جاتے ہو" (انجمن ایڈیشن صفحہ ۷) ۔

" دوست آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور چمچہ بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے کافور ہو گئے ۔ بلکہ راہ باٹ میں آ کر کہیں بھینٹ ملاقات ہو جاتی تو آنکھیں چرا کر منہ پھیر لیتے " (صفحہ ۲۰)۔

" جو مرد نکھٹو ہو گھر سیتا ہے اس کو دنیا کے لوگ طعنہ مہنا دیتے ہیں " (صفحہ ۱۲)۔

" اپنے باپ کی دولت کھو کھا کر بہنوئی کے ٹکڑوں پر آپڑا...... نہیں تو میں اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں اور کلیجے میں ڈال رکھوں " (صفحہ ۲۲)۔

" اگر باھمن کی بیٹی کھاتی تو کلمہ پڑھتی" (صفحہ ۸۶) ۔

" پھول سا بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا اور وہ رنگ جو کندن سا دمکتا تھا ہلدی سا بن گیا ــــ " (صفحہ ۸۳)۔

" اسی طرح تین دن رات صاف گزر گئے کہ ملکہ کے منہ میں ایک کھیل بھی اڑ کر نہ گئی، " (صفحہ ۸۳) ۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ باغ و بہار کو اس لیے بھی زندہ نثر کی کتاب کہا گیا ہے کہ اس میں باتیں کرنے (یا کہنے) کا انداز بالکل فطری اور قدرتی ہے ، اس کی زبان اس زمانے کی عام زبان اور عام لوگوں کی زبان ہے اور اس لحاظ سے اجتماعی زندگی کی سچی ترجمان ہے ۔ اسی سبب سے اس میں اس زمانے کے لوگوں خصوصاً دلی والوں کی فطرتیں ، صلاحیتیں طبیعتیں اور رجحانات و میلانات آشکارا ہوتے ہیں :—

" اب خداوند نعمت ...... نجیبوں کے قدر دان ، جان گل کرائسٹ نے ...... لطف سے فرمایا کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں جو اردو کے لوگ ، ہندو مسلمان ، عورت مرد ، لڑکے بالے خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں ، ترجمہ کرو ، موافق حکم حضور کے ، میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے ") باغ و بہار طبع انجمن صفحہ ۳) ۔

اس عبارت میں " جیسے کوئی باتیں کرتا ہے " سے مراد یہ ہے کہ اس طرح نہیں جس طرح بعض علمی یا ادبی کتابیں ہوتی ہیں جن میں عالمانہ شان برقرار رکھی جاتی ہے ۔ فضیلت کے ثبوت پیش کیے جاتے ہیں ، صنعتوں کی نمائش کے ذریعے دل و دماغ کو آزمائش میں ڈالا جاتا ہے ، بعیدالفہم تلمیحات اور نادر استعارات سے اپنے علم اور تخیل کی دھاک بٹھائی جاتی ہے ۔ یہ سب باتیں علمی کتابوں میں یا ان ادبی کتابوں میں ہوتی ہیں جن میں علمی شان کا اظہار کیا جاتا ہے — کتابی زبان

میں فقروں اور جملوں کی ترتیب اس طرح قائم کی جاتی ہے جو تحریر کے حسب حال ہوتی ہے ، اور باتوں میں جو اشارات ، یا چشم و ابرو کی حرکات و سکنات ہوتی ہیں کتابی زبان میں ان کی جگہ الفاظ کی بھرتی ہوتی ہے ۔ گفتگو کی زبان میں اصول تخاطب کی پابندی کی جاتی ہے ۔ پیراگراف کا احساس کم سے کم ہوتا ہے ۔ پیراگراف کا مد و جزر پیدا نہیں کیا جاتا ۔ مخاطب کی موجودگی کی وجہ سے لفظ بہ لفظ اس کے تاثر کی رعایت سے مد و جزر کم و بیش ہوتا رہتا ہے ۔ فقرے لمبے نہیں ہوتے ۔ مکالمہ بعض اوقات جملوں کا ہوتا ہے ۔ جوڑ حذف کر دیے جاتے ہیں ۔ غرض یہ ایک مسلم بات ہے کہ گفتگو کی زبان اور اس کا انداز کتابی اور تحریری زبان کے انداز سے مختلف ہوتا ہے ۔ تحریر میں یا کتابی زبان میں رکھ رکھاؤ اور بناوٹ اور ' ساختگی ' کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے ۔ کتابی زبان ، ضروری نہیں کہ اپنے زمانے کی زندگی اور اس کے احوال و ظروف کی ترجمان ہو ، اسی لیے عام کتابی نثر کے بارے میں Dobree نے یہاں تک کہ دیا کہ:

"The spirt of an age may not only be reflected in its prose it may, indeed,conditioned by it." (Modern Prose Style P. 212).

محض کتابی زبان زندگی کے ارتقا اور تسلسل کے انعکاس کے لیے بڑا مضرت رساں عنصر ہے ۔ اصولاً احوال زندگی کے بدلنے سے ہر دور کی زبان مختلف ہو جانی چاہیے مگر کتابی زبان پر اصرار اس تبدیلی میں مانع آتا ہے ۔ اور لوگ زبان کے معاملے میں لکیر کے فقیر بن جاتے ہیں ۔

میرامن کے شعور (اور گل کرائسٹ کی رہنمائی) نے زبان

اور زندگی کے اس رابطہ کا پورا پورا اعتراف کیا ھے۔ ''ھندوستانی گفتگو میں'' ''جو .... لڑکے بالے، عام خاص بولتے چالتے ھیں۔'' ''اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ھے'' — یہ سب اعلانات میرامن کے شعور کامل اور مذاق سلیم کا پتہ دیتے ھیں۔ باغ و بہار کی زبان اس کے مصنف کی شخصیت کی طرح زندہ چیز ھے۔ اس میں ایک اجتماع کا دل و دماغ منعکس ھے۔ اور یہی اس کی نثر کو ایک طرح کی 'ذی روح' نثر بنانے کے لیے کافی ھے۔

باغ و بہار میں البتہ ایک بات ایسی ھے جس کو ''جیسے کوئی باتیں کرتا ھے'' کی صف میں نہیں رکھا جا سکتا — وہ ھے سجع و قافیہ کا اہتمام، — ! کیونکہ باتوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ھم قافیہ الفاظ کا لایا جانا غیر قدرتی بات ھے۔ یہ تو 'کتابی تکلف' ھے اور وہ بھی اردو کی پرانی کتابوں کا تکلف جس کی حد غالب کے زمانے سے آن ملتی ھے۔ غالب کو بھی سجع کا ذوق تھا چنانچہ ان کے خطوط میں سجع کاری ملتی ھے اور میرامن تو اس کے بہت دل دادہ ھیں گویا ان کے زمانے تک اردو نثر شاعرانہ موسیقی اور تک بندی کی قید میں تھی۔ یا یوں کہیے کہ عالم طفولیت میں تھی کہ اس کے لیے یہ استعجاب خیزی ضروری سمجھی جاتی تھی۔ بچوں کے تخیل کو ابھارنے کے لیے جس طرح ٹوٹکے ملائے جاتے ھیں۔ مگر ایک بات قابل غور ھے کہ میرامن کی سجع کاری یا سجع بندی افعال تک محدود ھے اور وہ بھی بعض موقعوں پر نو طرز مرصع کی طرح تمام فقرہ مرصع نہیں ھوتا بس ایک فقرے کا آخری لفظ دوسرے فقرے کے آخری لفظ سے ھم قافیہ ھے۔ یہ شاید اس احساس کے ماتحت کہ کوئی کتاب لکھی جا رھی ھے اور وہ کتاب بھی ھے پرانے

زمانے کی داستان — جو سننے کی شے ہے — اور سننے میں یا سنانے میں یہ سجع کاری بھی اثر آفرینی میں ممد ہو سکتی ہے۔

میر امن کی سجع کاری کا انداز کچھ اس طرح کا ہے۔

" میں نے کہا کہ اجی اب پھر کب ملاقات ہو گی ؟ یہ کیا تم نے غضب کی بات سنائی ؟ اگر جلد آؤ گی تو مجھے جیتا پاؤ گی نہیں تو پچھتاؤ گی " (صفحہ ۹۵)۔

"حیران پریشان زار زار رونا اور سر پر خاک اڑانا ۔ کپڑے پھاڑنا ، نہ کھانے کی سدھ نہ بھلے برے کی بدھ " (صفحہ ۹۵)۔

" معلوم نہیں خود بخود یہ کیا غضب ٹوٹا جو ان کا آرام اور کھانا پینا سب چھوٹا " (صفحہ ۹۵)۔

میر امن نے عام طور پر اپنی نثر کو شاعرانہ طریقوں سے زندہ کرنے کی بجائے نثر کے خاص وسائل کے ذریعہ مؤثر بنایا ہے ۔ ان کی اثر آفرینی کا بڑا حربہ تکرار الفاظ اور تابع مہمل کا استعمال ہے جس سے جوش اور خوش آہنگی پیدا کرنا مقصود ہے ۔ مثلاً :

" برس دن کے عرصے میں ہرج مرج کھینچتا ہؤا شہر نیم‌روز میں جا پہنچا ۔ جتنے وہاں کے آدمی ہزاری اور بزاری نظر پڑے سیاہ پوش تھے ۔ جیسا احوال سنا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا ...... پہلی تاریخ سارے لوگ اس شہر کے چھوٹے بڑے ، لڑکے بالے ، امرا بادشاہ ، عورت مرد ایک میدان میں جمع ہوئے "
(صفحہ ۸۸)۔

" اور فرمایا کہ احوال شہزادے کے طالعوں کا دیکھو اور جانچو اور جنم پتری درست کرو اور جو جو کچھ ہونا ہے حقیقت

پل پل ، گھڑی گھڑی اور پہر پہر اور دن دن ، مہینے مہینے اور برس برس کی مفصل حضور میں کرو " (صفحہ ۹۲) ۔

" سارا بدن میرا پونچھ پانچھ کر خون و خاک سے پاک کیا اور شراب سے دھو دھا کر زخموں کو ٹانکے مرہم لگایا " (صفحہ ۱۴۴) ۔

میرا من نے اضافی اور توصیفی ترکیبوں کو بھی سہل بنانے کی خاص کوشش کی ہے ۔ اگرچہ فارسی انداز پر ان مرکبات کا ایک فائدہ بھی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ان سے اختصار اور بعض اوقات صوتی خوشنمائی پیدا ہو جاتی ہے اور عبارت کی روانی اور ہمواری میں بھی بڑی امداد ملتی ہے — مگر نوطرز مرصع اور بعض دوسری کتابوں میں تسلسل اضافات سے جو دم ناک میں آیا تو میرامن کو یہی پسند آیا کہ ان اضافتوں کو زندہ اردو زبان کے سانچوں میں ڈھالیے ۔ چنانچہ اضافتوں کو اردو قاعدے سے ' کا ، کے ، کی ' کے استعمال سے چلایا ہے ۔ مرکبات توصیفی میں آسانی کی خاطر جملوں کا یا صلہ موصول کا استعمال کیا ہے : —

" بموجب حکم پادشاہ کے اس آدھی رات میں (کہ عین اندھیری تھی) ملکہ کو (کہ جو جونرے بھونرے میں پلی تھیں اور سوائے اپنے محل کے دوسری جگہ نہ دیکھی تھی) بھوئی لے جا کر ایک میدان میں (کہ وہاں پرندہ پر نہ مارتا تھا انسان کا تو کیا ذکر ہے) چھوڑ کر چلے آئے " (صفحہ ۸۲) ۔

" اس عمارت عالی شان کی تیاری کی خبر رفتہ رفتہ ظل سبحانی کو (جو قبلہ گاہ ملکہ کے تھے) پہنچی " (صفحہ ۸۵) ۔

" ایک روز بالا خانے پر محل کے (کہ بلند تھا) واسطے سیر اور تماشا دریا اور صحرا کے میں بیٹھا " (صفحہ ۱۶۲) ۔

یہ ہیں وہ چند اسباب جن کی بنا پر باغ و بہار کو زندہ نثر کی کتاب کہا گیا ہے ۔ باغ و بہار نے اردو کے ادیبوں کو بات کرنی سکھائی ۔ ان کے بعد مرزا غالب آئے انہوں نے اردو نثر میں اپنے دل کی بات اور اپنے حال کی سرگزشت بیان کی — اس طرح جب اردو نثر زندہ انسانوں کے حقیقی احساسات کے اظہار پر قادر ہو گئی تو ان سب کے بعد سرسید نے اس کو علوم و فنون کی زبان بنا کر اس کو اجتماعی مقاصد کا ترجمان بنا دیا — گویا زندہ نثر کی ترقی کا پہلا قدم میر امن کا یہ تصنیفی کارنامہ تھا جس کو باغ و بہار کہتے ہیں ۔